معارف القرآن

8

تصنیف

حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

معارف الفرقان

سورۃ النحل، الاسراء، الکہف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، الحج

8

تصنیف

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر

حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدظلہ

سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ منساواں لاہور

ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی ڈی روڈ منساواں لاہور کینٹ

رابطہ نمبر: 0300-0321-9458876

☼ سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼ پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور
☼ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼ سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور
☼ امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼ صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ
☼ متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼ خطیب ٹاؤن ھال لاہور

ضابطہ

نام کتاب ــــــــــــــــــــــــــــــــ معارف الفرقان جلد ⑧
نام مصنف ــــــــــــــــــــــــــــــــ مولانا محمود الرشید حدوٹی
ناشر ــــــــــــــــــــــــــــــــ ادارہ آب حیات ٹرسٹ
مطبع ــــــــــــــــــــــــــــــــ عبد اللہ زبیر پرنٹنگ پریس لاہور
طبع اول ــــــــــــــــــــــــــــــــ اپریل ۲۰۱۷ء
تعداد طبع اول ــــــــــــــــــــــــــــــــ ۱۰۰۰
اشاعت طبع دوم ــــــــــــــــــــــــــــــــ
تزئین طبع ثانی ــــــــــــــــــــــــــــــــ ادارہ آب حیات لاہور

معارف الفرقان جلد ⑧

سورۃ النحل	۱۲	دودھ کی سبیل	۴۹
اللہ کے امر سے یہاں کیا مراد ہے؟	۱۳	پھل، کھجور، انگور، رزق حسن، قدرت	۵۱
خالق کائنات اور اس کی مخلوقات	۱۵	شہد کی مکھی قدرت کا شاہکار	۵۲
مظاہر قدرت اور دعوت توحید	۱۸	شہد کے فوائد	۵۶
کثرت نعمت، بطلان شرک	۲۲	انسان کی ابتدا اور انتہاء	۶۴
کیا انسان دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا؟	۲۴	اللہ کے مملوک اللہ کے برابر نہیں	۶۴
مکر باطل کا انجام اور متقین کا انعام	۲۶	نعمتوں کا اعتراف اور شرک کی تردید	۶۵
پاکیزہ روحوں کا استقبال	۳۲	آقا اور غلام برابر نہیں ہوسکتے	۶۷
دعوت توحید، انجام مکذبین	۲۸	مشرک کی بے بسی کی مثال	۶۸
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت اور عظمت	۳۴	قدرت الٰہی کی نشانیاں، انسانی ذمہ داری	۶۹
رسالت، وحی الٰہی، دشمن کی سازشیں	۳۷	اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۷۰
توحید الٰہی اور کائنات کی ہمہ گیر بندگی	۳۸	سائے اور مکانات	۷۱
وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا کا مطلب	۳۹	شہادت انبیاء علیہم السلام اور شہادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۷۲
اللہ ہی فریادرس ہے	۴۰	اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی	۷۵
نعمت کے بعد ناشکری، شرک کی مذمت	۴۳	ایفائے عہد کی تاکید، عہد شکنی کی مذمت	۷۶
بیٹیوں کی پیدائش پر جاہلی عربوں کو تکلیف	۴۴	عہد شکنی اور دوستوں کیساتھ دھوکہ بازی	۷۸
اللہ کی مہلت اور مشرکین کے دعوے	۴۶	وفائے عہد کی قدر، عمل صالح کا اجر	۷۹
تکذیب رسالت کی قدیم روایت	۴۷	تلاوت قرآن اور شیطان	۸۱
بارش کے ذریعے مردہ زمین کی حیات	۴۸	قرآن کریم بطور معجزہ، اعتراض کفار	۸۲

عجمی عربی کو کیسے سکھا سکتا ہے؟	۸۵	مجاہدین کی شان	۱۲۶
ایمان سے محرومی، جھوٹ کے مرتکب	۸۶	بڑا بول باعث ندامت وشرمندگی	۱۲۶
جن سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا گیا	۸۷	ہر آسمان پر محمد ﷺ اور ابو بکر کا نام	۱۲۷
قیامت کے دن روح اور جسم کا جھگڑا	۹۰	چمکتی تلوار پر اسمائے مبارکہ	۱۲۷
انکار رسالت کی کڑی سزا	۹۱	یاجوج اور ماجوج دوزخی ہیں	۱۲۷
نعمت الٰہی کی ناقدری، شکر گزاری کا حکم	۹۲	شدت میں نرمی کی وجہ	۱۲۸
حلال وحرام کی حدود	۹۳	قیامت کا تذکرہ	۱۲۸
توبہ اور اعمال کی درستگی کے بعد مہربانی	۹۵	سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے خوش آمدید	۱۳۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات	۹۶	حوران خلد آشیاں کے سلام	۱۳۱
اتباع ملت ابراہیمی کا حکم (نکات)	۹۷	ابراہیم علیہ السلام کا امت محمد ﷺ کو پیغام	۱۳۱
یہودیوں کا مقدس دن ہفتہ	۹۹	تین اعزازات والقابات	۱۳۲
دعوت وتبلیغ اور حکمت	۱۰۰	ہر آسمان پر حجامہ کرانے کا حکم	۱۳۳
صبر، تسلی اور معیت الٰہی	۱۰۴	خوفناک مناظر	۱۳۵
سورۃ الاسراء	۱۰۷	شیاطین کی حرکتیں	۱۳۵
معراج النبی ﷺ	۱۰۹	عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان	۱۳۶
ارواح انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات	۱۲۰	امت محمدیہ کی شان	۱۳۶
دودھ کا پیالہ نوش جاں کیا	۱۲۳	سرخ وسفید گلاب کی پیدائش	۱۳۷
عجائبات سفر معراج	۱۲۴	شب معراج کی پانچ سواریاں	۱۳۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزر	۱۲۵	معراج رات کو کیوں کرائی گئی؟	۱۳۹
کنگھی کرنے والی شہیدہ کی خوشبو	۱۲۵	خدائی لشکر	۱۴۰

امام الانبیاء ﷺ کی امامت	۱۴۱	فتنہ باز خطیبوں کا عبرت ناک منظر	۱۶۰
رحمت دو جہاں ﷺ آسمانوں کی بلندیوں پر	۱۴۲	فرض نماز میں کوتاہی کرنیوالوں کا انجام	۱۶۱
رحمت دو عالم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر	۱۴۵	زکوٰۃ نہ دینے والوں کا عبرتناک انجام	۱۶۲
رحمت کائنات ﷺ جنت میں	۱۵۰	زانی مرد اور زانیہ عورت	۱۶۲
جنت کی آواز	۱۵۱	ڈاکوؤں کا عبرت ناک انجام	۱۶۳
جنت کے دروازے پر کلمہ طیبہ	۱۵۲	خیانت کار کی رسوائی کا منظر	۱۶۳
جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل	۱۵۲	مقام صریف الاقلام	۱۶۳
بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ	۱۵۳	رحمت کائنات ﷺ اور دیدار خداوندی	۱۶۴
جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان	۱۵۴	عرش کے نیچے ستر شہر	۱۶۹
ام انس رضی اللہ عنہا کے قدموں کی چاپ	۱۵۴	عرش کے کناروں پر اسم محمد ﷺ	۱۷۲
نہر کوثر کا سفید اور میٹھا پانی	۱۵۴	ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے نام عرش پر	۱۷۲
دوزخ کا ہولناک منظر	۱۵۵	رحمت دو جہاں ﷺ کی واپسی کا سفر	۱۷۳
زانیہ اور بچوں کو قتل کرنے والیاں	۱۵۶	سفر معراج کی منظر کشی	۱۷۳
دجال اور خازن نار	۱۵۶	خلیفہ اول بلا فصل رضی اللہ عنہ کی تصدیق	۱۷۵
جہنم کی چیخ و پکار	۱۵۷	مولا علی رضی اللہ عنہ کی مہر تصدیق بر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۷۶
حلال کی بجائے حرام کی طرف آنے والے	۱۵۷	بیت المقدس سے متعلق اہل مکہ کا سوال	۱۷۶
ظلماً یتیم کا مال کھانیوالوں کا عبرت ناک	۱۵۸	جب سورج روک دیا گیا	۱۷۹
عیب جوئی اور بد گوئی کرنے والے	۱۵۹	ہرقل کے دربار میں واقعہ معراج کا ذکر	۱۸۱
انسانوں کا گوشت کھانے والے	۱۵۹	قصیدہ بردہ شریف، ذکر معراج النبی ﷺ	۱۸۲
پتھر کا لقمہ بنا کر کھانے والا	۱۶۰	ہدایت تورات، توکل علی اللہ، شکر نعمت	۱۸۴

بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی داستان	۱۸۵	دشمنان انبیاء کرام کیساتھ دستور خداوندی	۲۲۳
ہدایت قرآن، انسانی فطرت	۱۸۹	نماز پنجگانہ اور نماز تہجد کا ذکر	۲۲۴
نامہ اعمال	۱۸۵	صدق واخلاص کی دعا، حق کی دائمی فتح	۲۲۷
تباہی وبربادی کیوں آتی ہے؟	۱۹۲	قرآن کریم اہل ایمان کیلئے شفاء	۲۲۹
مسلمانوں اور کافروں پر نوازشات	۱۹۳	انسان کی فطری کمزوری	۲۳۰
درجات دنیاوآخرت، توحید خالص	۱۹۴	روح کیا ہے؟	۲۳۲
بندگی خدا کی حسن سلوک والدین سے	۱۹۵	اعجاز قرآن، عجز انسان، منکرین کا بیان	۲۳۴
قضاء کے کئی معانی	۱۹۷	انکار رسالت وبعث بعد الموت کا رد	۲۳۷
والدین: ایک مؤثر واقعہ اور اشعار	۲۰۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۲۴۰
حقوق العباد اور اعتدال انفاق	۲۰۲	صداقت موسیٰ علیہ السلام ہلاکت فرعون	۲۴۲
معاشی اعتدال، حرمت جان وعفت	۲۰۴	عظمت قرآن، دعوت ایمان	۲۴۳
دیانت، معاملات، احتیاط فکر، تواضع	۲۰۶	مشرکین کی سازشوں کا قلع قمع	۲۴۵
کائنات ہستی کی ہر چیز تسبیح خواں ہے	۲۰۸	سورۃ الکہف	۲۵۱
انکار حق کی نفسیات، حجاب ہدایت	۲۰۹	فضائل سورۃ الکہف	۲۵۳
یوم حشر کی یاددہانی، حسن گفتار کی تلقین	۲۱۲	قرآن کریم خامیوں سے پاک کتاب	۲۵۴
توحید خالص، معبودان باطلہ کی بے بسی	۲۱۴	داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت امت کا غم	۲۶۰
رؤیا اور شجرہ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟	۲۱۶	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی	۲۶۲
تکبر ابلیس، عداوت شیطان	۲۱۷	واقعہ اصحاب کہف ورقیم	۲۶۵
نعمت الٰہی اور انسان کی ناشکری	۲۱۹	اصحاف کہف کون تھے؟	۲۶۸
قیامت کے دن پیشواؤں کیساتھ حاضری	۲۲۱	اصحاب کہف کی حفاظت کا قدرتی انتظام	۲۶۸

اصحاب کہف اوران کا کتا	۲۷۰	یاجوج وماجوج	۳۲۰
اصحاب کہف کی بیداری	۲۷۲	مالی معاوضہ لینے سے انکار	۳۲۲
اصحاب کہف کی تعداد	۲۷۵	سدّاور ردم میں فرق	۳۲۳
اصحاب کہف غار میں کتنی مدت سوئے؟	۲۷۷	حشر قیامت اور خسارہ ابدی	۳۲۴
اہل کہف کی مثال، حق کی پیروی	۲۷۸	نعمت فردوس اور راحت ابدی	۳۲۶
دو باغ والوں کی عبرت انگیز مثال	۲۸۱	اللہ تعالیٰ کے کلمات کی وسعت وگہرائی	۳۲۷
حقیقت دنیا، ایک عارضی بہار کی مثال	۲۸۴	مقام تواضع اور حقیقت نبوت	۳۲۹
باقی رہنے والی نیکیاں	۲۸۶	سورۃ مریم	۳۳۱
قیامت کے مناظر اور عدل الٰہی	۲۹۰	حروف مقطعات	۳۳۲
عداوتِ شیطان، اطاعت الٰہی کا تقاضا	۲۹۲	بارگاہِ خداوندی میں فریادزکریا	۳۳۴
ابطال شرک اور قیامت کے دن باطل	۲۹۴	انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کیا ہوتی ہے؟	۳۳۶
ہدایت کی وضاحت کے باوجود	۲۹۵	قبولیت دعاء، قدرت الٰہی کا ظہور	۳۴۰
انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد بعثت	۲۹۷	حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف جلیلہ	۳۴۱
آیات الٰہی سے اعراض، دلوں کی محرومی	۲۹۹	تذکرہ حضرت مریم وولادت عیسیٰ علیہما السلام	۳۴۳
حضرت موسیٰ اور یوشع بن نون علیہما السلام	۳۰۱	حضرت مریم پر تہمت وعیسیٰ کی گفتگو	۳۴۸
حضرت خضر علیہ السلام	۳۰۴	توحید خالص، حقیقت مسیح، روز حسرت	۳۵۲
حکمت خضر علیہ السلام کا آغاز	۳۰۶	واقعہ ابراہیم علیہ السلام اور دعوت توحید	۳۵۶
مقام ملاقات موسیٰ وخضر علیہما السلام	۳۰۷	تذکرہ موسیٰ وھارون علیہما السلام	۳۶۰
موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات وجدائی	۳۰۸	تذکرہ سماعیل علیہ السلام	۳۶۲
حضرت ذوالقرنین کا قصہ	۳۱۳	تذکرہ حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۳

سجدہ خشیت سے انجام آخرت تک	۳۶۶	انسان کی پیدائش	۴۱۴
کیا ہر شخص کو دوزخ عبور کرنا پڑے گی؟	۳۷۰	موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ	۴۱۵
نجات متقین اور گمراہوں کا انجام	۲۷۱	جادوگروں کا اعلان حق	۴۲۰
حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور عاص بن وائل	۳۷۳	ہجرت موسوی، نجات بنی اسرائیل	۴۲۲
باطل معبودوں کی بے بسی	۳۷۵	بنی اسرائیل کی آزمائش، سامری کا فتنہ	۵۲۵
شیئًا اِدًّا کا کیا مطلب ہے؟	۳۷۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سامری کا مکالمہ	۴۳۳
عقیدہ ولد اللہ کی شدید تردید	۳۷۹	توحید خالص، عظمت قرآن، یوم النشور	۴۳۴
اہل ایمان کے لیے محبت عامہ کی بشارت	۳۸۱	قیامت کا ہولناک منظر	۴۳۵
سورۃ طٰہٰ	۳۸۳	قیامت کے دن کون کون سفارش کریگا	۴۳۹
نزول قرآن کی حکمت و تسلی رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۳۸۵	علم الٰہی کی وسعت، انسان کی محدودیت	۴۴۲
مسئلہ استویٰ علی العرش	۳۸۷	بارگاہ خداوندی میں چہرے جھکے ہونگے	۴۴۴
آسمان وزمین کی بادشاہی کا مالک	۳۹۱	ایمان کے ساتھ عمل صالح	۴۴۵
اَلسِّرّ اور اَخفیٰ کا کیا مطلب ہے؟	۳۹۲	ظلم اور ہضم میں فرق	۴۴۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت	۳۹۵	قرآن عربی، معجزہ، ہدایت اور انذار	۴۴۷
قیامت	۳۹۷	قرآن اطمینان سے سنا جائے	۴۴۹
معجزات موسوی اور بعثت کی تیاری	۳۹۹	آدم علیہ السلام کا واقعہ، اطاعت، لغزش	۴۵۱
بعثت موسوی اور دعائے نصرت	۴۰۱	یاد الٰہی سے منہ پھیرنے والوں کا انجام	۴۵۴
موسیٰ علیہ السلام پر خصوصی انعام ربانی	۴۰۵	عبرت تاریخ، غفلت انسان	۴۵۷
فرعون کو دعوت اور نرمی کی ہدایت	۴۰۸	اللہ تعالیٰ کا قانون امہال و تدریج	۴۵۸
توحید ربوبیت کا جامع مکالمہ، دلائل قدرت	۴۱۱	تسبیح و تحمید کیلئے افضل اوقات	۴۶۰

کافروں اور مسلمانوں کی زندگی، فرق	۴۶۲	براہیمی جرأت، بت شکنی اور آتش نمرود	۵۰۴
نماز، توکل اور انجام حق و باطل	۴۶۴	سرزمین شام میں برکت رکھی گئی	۵۰۶
سورۃ الانبیاء	۴۶۷	اولادِ صالحہ کی نعمت اور منصب امامت	۵۰۶
قرب قیامت، غفلت، انسان مکارانہ انکار	۴۶۸	لوط علیہ السلام کی نجات اور قوم سدوم کی تباہی	۵۰۸
تاج نبوت ہمیشہ مردوں کے سر سجتا رہا	۴۷۱	نوح علیہ السلام کی فریاد، قبولیت دعا، طوفان	۵۱۰
بشریت انبیاء علیہم السلام اور نصرت الٰہی	۴۷۳	حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام	۵۱۲
قرآن دونوں جہاں میں باعث عزت	۴۷۵	صبر ایوب علیہ السلام کا عجیب قصہ	۵۱۹
ہلاکت اقوام ظالمہ اور مقصد تخلیق کائنات	۴۷۶	حضرت ایوب علیہ السلام کی باوفا بیوی کا ذکر	۵۲۲
اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں ہے	۴۷۸	ایوب علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی	۵۲۴
توحید باری، اطاعت ملائکہ، ابطال شرک	۴۸۱	امتحان و آزمائش کا خاتمہ	۵۲۶
وحدت دعوت انبیاء اور توحید خالص	۴۸۳	امتحان کے بعد نعمتیں لوٹ آئیں	۵۲۶
تنزیہ باری تعالیٰ اور حقیقت ملائکہ	۴۸۴	اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام	۵۲۸
آسمان و زمین	۴۸۶	حضرت یونس علیہ السلام ابن متی کا واقعہ	۵۲۹
نظام کائنات میں استحکامِ زمین	۴۸۷	حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ	۵۳۴
موت و حیات کا قانون، استہزاءِ قیامت	۴۹۱	پاکدامن بی بی حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ	۵۳۶
انسانی حفاظت کا خدائی انتظام	۴۹۳	وحدت دین انبیاء علیہم السلام اور تفرقہ انسان	۵۳۸
معبودان باطلہ کی بے بسی، مہلت دنیا	۴۹۵	یاجوج ماجوج	۵۴۰
قیامت کے دن عدل و انصاف ہو گا	۴۹۷	قرب قیامت اور کفار کی ہولناک پشیمانی	۵۴۷
فرقان موسوی سے ذکر قرآنی تک	۵۰۰	بطلان معبودان باطلہ اور دوام عذاب	۵۵۱
دعوت ابراہیمی رُشد ربانی	۵۰۲	"آواز" کے لیے عربی کے مختلف الفاظ	۵۵۴

جہنم کے لیے زفیر و شہیق کیوں بولا گیا؟	۵۵۴	فرضیت حج کا اعلان عام	۵۸۹
اہل سعادت کی جہنم سے دوری، نجات	۵۵۶	افعال حج میں ترتیب کا درجہ	۵۹۱
اہل جنت دوزخ کی سرسراہٹ نہ سنیں گے	۵۵۷	مشرک کا انجام	۵۹۳
اہل ایمان کیلیے اطمینان کامل و فزع اکبر	۵۵۸	قربانی اور قربانی کے جانور کے احکامات	۵۹۵
زبور اور ارض سے کیا مراد ہے؟	۵۶۰	حقیقت قربانی، تقویٰ کی قبولیت	۵۹۷
ہدایت قرآن، رحمت نبوی، توحید	۵۶۲	جہاد کا حکم کیوں دیا گیا؟	۵۹۹
وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین	۵۶۳	تکذیب رسل کی تاریخ، انجام مکذبین	۶۰۱
روگردانی کرنیوالوں کو پتا چل جائیگا	۵۶۳	عبرت گاہیں	۶۰۲
علم الٰہی، مہلت آزمائش اور فیصلہ حق	۵۶۴	عقل و بصیرت	۶۰۳
سورۃ الحج	۵۶۷	قیامت کا ایک دن ہزار سال برابر	۶۰۴
قیامت کی ہولناکی اور تقویٰ کی دعوت	۵۶۸	سنت الٰہی اور انذار نبوی	۶۰۸
انسانی پیدائش کے مختلف مراحل	۵۷۰	وحی الٰہی کی حفاظت اور حق و باطل کا امتیاز	۶۱۰
یقین قیامت اور بے بنیاد مجادلہ منکرین	۵۷۳	شک کا پرہول انجام اور روز جزا کا فیصلہ	۶۱۲
دونوں جہانوں میں ذلت و رسوائی	۵۷۴	مہاجرین کا صلہ اور اجر	۶۱۳
لوگوں کی اقسام	۵۷۶	قدرت الٰہی کے روشن دلائل	۶۱۴
اہل ایمان کے لیے بشارت جنت	۵۷۸	اختلاف شرائع اور علم الٰہی	۶۱۷
مخلوق کی سجدہ ریزیاں	۵۸۱	قرآن مجید کے مقابلے میں کفار کا عناد	۶۱۹
اہل ایمان اور اہل کفر کا انجام	۵۸۴	معبودان باطلہ اور مکھی	۶۲۰
حرمت حرم، صد عن سبیل اللہ، الحاد	۵۸۷	فرشتوں و انسانوں سے رسالت کا انتخاب	۶۲۲
تعمیر کعبہ اور تطہیر بیت اللہ کا حکم	۵۸۸	اشاعت اسلام	۶۲۵

سورۃ النحل (تعارف)

سوال سورۃ النحل کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ النحل قرآنِ مجید کی سولہویں سورت ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورت ہے، اگرچہ چند آیات کو بعض اہلِ علم نے مدنی قرار دیا ہے، اس کی آیات کی تعداد ۱۲۸ ہے، اس کا نزول ایسے دور میں ہوا جب توحید کی دعوت اپنے استدلالی مرحلے میں تھی اور اہلِ مکہ کے شبہات و اعتراضات کا مدلل جواب دیا جارہا تھا، اس اعتبار سے یہ سورت عقیدہ، فکر اور عمل، تینوں میدانوں میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "النحل" اس بنا پر رکھا گیا کہ اس میں شہد کی مکھی کا دل نشین ذکر آیا ہے: وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ ایک نہایت چھوٹی سی مخلوق کی طرف وحی کا بیان دراصل اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ربّانی ہدایت کے تابع ہے، مکھی کا منظم نظامِ حیات، اس کا پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنانا اور اس کے شکم سے شفا بخش شہد کا نکلنا، یہ سب توحید اور قدرتِ الٰہی کی روشن نشانیاں ہیں، اسی نسبت سے اسے "سورۃ النحل" کہا گیا، اور چونکہ اس میں اللہ کی بے شمار نعمتوں کا مسلسل تذکرہ ہے، اس لیے بعض اہلِ علم نے اسے "سورۃ النعم" بھی کہا ہے۔

اہم مضامین: اس سورت کا مرکزی محور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں سے توحید پر استدلال ہے، زمین و آسمان کی تخلیق، بارش کا نزول، کھیتوں اور باغوں کی رونق، مویشیوں کے فوائد، سمندری راستوں کی سہولت، رات دن کا گردش کرنا، یہ سب انسان کو متوجہ کرتے ہیں کہ یہ نظام کسی اندھی قوت کا نہیں بلکہ ایک حکیم و علیم ربّ کا قائم کردہ ہے۔

سورت میں شرک کی سختی سے تردید کی گئی ہے اور مشرکین کے باطل عقائد، مثلاً اللہ کے لیے اولاد کا گمان یا اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا، کو عقل و فطرت کے پیمانے پر باطل

قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی اہلِ ایمان کو صبر، ہجرت اور استقامت کی تلقین کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ آزمائش کے بعد نصرت اور اجرِ عظیم انہی کا مقدر ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔

اخلاقی پہلو سے اس سورت کی وہ آیت نہایت جامع ہے جس میں عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا اور فحشا، منکر اور بغاوت سے روکا گیا، گویا عقیدہ اور اخلاق یہاں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں بن کر سامنے آتے ہیں، مختصراً، سورۃ النحل انسان کو نعمتوں کی بارش میں کھڑا کر کے یہ سوال کرتی ہے، جب ہر سمت سے ربّ کی عطائیں تمہیں گھیرے ہوئے ہیں تو پھر عبادت اور شکر کا حق دار کون ہے؟ یہی شعور اس سورت کا پیغام اور اس کی روح ہے۔

اللہ کے امر سے یہاں کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ {۱} یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ {۲} النحل

جواب ترجمہ: اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہٰذا اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ اس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اتارتا ہے کہ: لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو، (کسی اور سے نہیں)۔

ابو حیان اثیر الدین اندلسی رحمہ اللہ اپنی تفسیر بحر المحیط میں فرماتے ہیں کہ امر اللہ سے اس جگہ مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے کہ ان کے دشمنوں کو زیر و مغلوب کیا جائے گا، انہیں قتل کیا جائے گا، انہیں قیدی بنایا جائے گا، ان کے مالوں کو ہتھیا لیا جائے گا، ان کے محلات اور گھروں پر قبضہ کر لیا جائے گا اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور عزت و شوکت حاصل ہو گی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہیبت ناک لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کا امر (اللہ کا حکم) آپہنچا یعنی پہنچنے ہی والا ہے جس کو

تم عنقریب دیکھ لوگے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں امر اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آ پہنچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع قریب ہے اور پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قیامت کا قریب ہونا یا آ پہنچنا بھی کچھ دور نہیں رہتا (تفسیر بحر محیط ج ٦ ص ٥٠٣)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر امر اللہ سے مراد ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی سزا ہے جو شرک پر قائم ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے پر کمربستہ ہیں۔ (تفسیر بحر المحیط) علامہ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امر اللہ سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی سزا کا کر رکھا ہے۔ (بحر المحیط) بعض کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کی بعض نشانیاں مراد ہیں۔ (بحر المحیط) بعض کہتے ہیں کہ امر اللہ اپنے معنیٰ پر ہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا امر وعدے کے طور پر وقوع ہونے والا ہے تم اسے جلدی نہ مانگو۔ (بحر المحیط)

اس کے بعد کے جملے میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو حق تعالیٰ کے وعدہ کو غلط قرار دے رہے ہیں یہ کفر و شرک ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں (تفسیر بحر المحیط)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں مشرکین مکہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چڑانے کے لیے کہا کرتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو جیسے تم کہتے ہو، ہم پر اب تک عذاب آ کیوں نہیں گیا؟ وہ دیکھ رہے تھے کہ پیغمبر کو عذاب کا وعدہ دیتے دس بارہ سال گزر چکے ہیں اور عذاب تو آیا نہیں لہذا یہ الفاظ گویا ان کا تکیہ کلام بن گئے تھے اور اس بات سے وہ دو باتوں پر استدلال کرتے تھے، ایک اپنے مشرکانہ مذہب کی سچائی پر اور دوسرے پیغمبر اسلام کی نبوت کی تکذیب پر۔ انھیں باتوں کے جواب سے اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ پہلی بات کا جواب یہ دیا گیا کہ عذاب کا آنا یقینی ہے اس کے لیے جلدی مچانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جلد ہی تمہیں اس سے سابقہ پڑنے والا ہے یوں ہی سمجھو کہ وہ سر پر آ پہنچا۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ عذاب کون سا تھا اور کب آیا؟ تو اس کے متعلق یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نبی کی ذات جب تک کسی قوم میں موجود ہو اس وقت تک عذاب نہیں آتا۔ آگے پھر دو صورتیں ہوتی

ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کو اور اس کے ساتھیوں کو ہجرت کا حکم دے کر وہاں سے نکال لیا جاتا ہے یا کسی بھی دوسرے ذریعہ سے انھیں بچا لیا جاتا ہے اور باقی مجرموں پر قہر الٰہی نازل ہوتا ہے اور عذاب کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ انھیں ہجرت کرنے والوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ مجرم قوم کی پٹائی کراتا ہے۔ تا آنکہ کفر و شرک کا سر توڑ دیتا ہے، عذاب کی ان دونوں صورتوں کا ذکر سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵۲ میں موجود ہے لہذا ہمارے خیال میں اس عذاب کا نقطہ آغاز ہجرت نبوی ہی تھا۔ جس کا حکم اس سورۃ کے نزول کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دے دیا گیا تھا۔ یہی ہجرت مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کے خاتمہ کا سبب بنی اور مسلمانوں کو آزادی سے سانس لینا نصیب ہوا اور یہی ہجرت غزوہ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس میں کفر کی خوب پٹائی ہوئی اور اس ہجرت کے صرف آٹھ دس سال بعد بتدریج کافروں اور مشرکوں کا اس طرح قلع قمع ہوا اور کفر و شرک کا یوں استیصال ہوا کہ سارے عرب سے اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ: اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور فیصلہ کے مطابق فرشتوں کو وحی کے ذریعے نازل فرماتا ہے تاکہ وہ اپنے منتخب بندوں، یعنی رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو ہدایت پہنچائیں، اس آیت میں فرمایا گیا کہ فرشتے رسولوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں خوف اور عبرت پیدا کریں تاکہ وہ شرک سے بچیں اور توحید کی راہ پر قائم رہیں، اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور یہ کہ انسانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کریں اور اس کے نواہی سے بچیں، یوں یہ آیت رسول اور فرشتوں کے ذریعے وحی کی ذمہ داری اور انسان کی توحیدی فرائض کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

خالق کائنات اور اس کی مخلوقات

سوال اس آیت مبارکہ کی مختصر سی تفسیر کیجیے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ {۳} خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا

هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ{۴}وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ {۵} وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ{۶}وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ{۷}وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ{۸}وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ {۹}هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ{۱۰}النحل

جواب ترجمہ: اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ اس سے برتر ہے جو لوگ شریک بناتے ہیں۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا سو وہ یکایک واضح طور پر جھگڑا کرنے والا ہو گیا ۔ اور اس نے چوپایوں کو پیدا فرمایا ان میں تمہارے لیے سردی سے بچنے کا سامان ہے اور دیگر فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں رونق ہے جب تم شام کو لاتے ہو اور صبح کو چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھوں کو ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم اپنی جانوں کی مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے تھے، بلاشبہ تمہارا رب رؤف ہے رحیم ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے طور پر، اور وہ پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا اور اس میں پینے کا پانی ہے اور اس کے ذریعے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم چراتے ہو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی پیشتر مثال کے حق کے ساتھ پیدا فرمایا تاکہ لوگوں کو اس کی عظمت کا ادراک ہو اور اس کی ذات میں شریک ٹھہرانے والوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ: شان نزول: یہ آیت اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ کسی مردے کی گلی

ہوئی ہڈی اٹھالایا اور سید عالم ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو زندگی دے گا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور نہایت نفیس جواب دیا گیا کہ ہڈی تو کچھ نہ کچھ عضوی شکل رکھتی ہے اللہ تعالیٰ تو منی کے ایک چھوٹے سے بے حس و حرکت قطرے سے تجھ جیسا جھگڑالو انسان پیدا کر دیتا ہے، یہ دیکھ کر بھی تو اس کی قدرت پر ایمان نہیں لاتا۔

اس آیت کی نظیر سورۃ یاسین میں اللہ کا فرمان ہے ،أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ (یسین) پھر انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔ یہ آیت بھی اسی قصہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (سیوطی، زادالمسیر)

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ: اسی طرح اللہ نے اونٹ، گائے، بھیڑ اور دیگر چارپایوں کو انسانوں کی ضروریات کے لیے پیدا کیا، ان کی اُون، کھال، دودھ اور گوشت انسانوں کی زندگی کے لیے فائدہ مند ہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ: ان میں رات کو آرام اور صبح کو چراگاہ میں لے جانے کا انتظام بھی ہے اور یہ سفر کے بوجھ اٹھانے میں انسان کا سہارا بنتے ہیں، یہ سب اللہ کی مہربانی اور رحمت کا مظہر ہے۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ: اسی طرح اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ انسان ان پر سوار ہو اور اپنے سامان اٹھا کر آسانی سے سفر کرے ان ذرائع نقل و حمل کے بغیر انسان کے لیے اپنے امور سرانجام دینا مشکل کام تھا، مشقت والا معاملہ تھا، ان کی وجہ سے آسانی ہوئی ہے، عصر حاضر میں اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں سے بڑھ کر ذرائع نقل و حمل عطا فرمائے ہیں، ریل گاڑیاں، بسیں، بڑے بڑے کنٹینر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز یہ سب انسان کے لیے مفید ہیں۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً: اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ انسان ان پر سواری کرے اور ان کے ذریعے زینت اختیار کرے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: جس زمانے میں قرآن کریم کا نزول ہوا تھا اس زمانے میں بہت سی چیزیں نہیں تھیں جنہیں اس زمانے کے لوگ نہیں جانتے تھے، آج سے ایک صدی قبل تک لوگ ان چیزوں کو نہیں جانتے تھے جنہیں آج ہمارے دور میں لوگ جان رہے ہیں، ایسی ایسی حیرت انگیز چیزیں وجود میں آچکی ہیں جن کے بارے میں اس زمانے کے لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے نت نئی ایجادات کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ: اللہ وہ ہے جو سیدھی راہ کی وضاحت کرتا ہے، جو اس کی رضا اور ہدایت تک پہنچاتی ہے، جبکہ شیطانی راستے حق سے بھٹکاتے ہیں، راہ ہدایت پر ڈالنے کی ذمہ داری اسی ذات برحق کی ہے، جسے اللہ کہتے ہیں۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہر راستہ جو اسلام کی راہ سے ہٹے، گمراہی میں ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ: اور اللہ چاہے تو سب کو ایمان کی توفیق دے سکتا ہے، ہدایت اس کے ہاتھ میں ہے، دل اس کے قبضہ میں ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے سے بھٹکا دیتا ہے یا سیدھے راستے پر گامزن ہی نہیں ہونے دیتا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایک اور شاہکار کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ اللہ بادلوں سے پانی بھی نازل کرتا ہے تاکہ انسان اس سے اپنی پیاس بجھائے، اپنے چوپائیوں کو سیراب کرے، نباتات اگائے، جس سے چوپائیوں کو چارہ ملے اور انسان کی زندگی آسان ہو۔ یہ آیات اللہ کی قدرت، اس کی نعمتوں اور انسان کی ذمہ داریوں کو اجاگر کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ ہر مخلوق کا مقصد انسان کے لیے فائدہ پہنچانا اور اس کی زندگی میں رحمت کے پہلو کھولنا ہے۔

مظاہر قدرت اور دعوت توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ{۱۱}وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ{۱۲}وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ{۱۳}وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ{۱۴}وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ{۱۵}وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ{۱۶}اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ{۱۷}النحل

جواب ترجمہ: وہ تمہارے لیے اس کے ذریعہ کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور کرتے ہیں۔ اور اس نے تمہارے لیے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو مسخر فرمایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔ اور جو چیزیں زمین میں پھیلا دیں جن کے رنگ مختلف ہیں بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان کے لیے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر فرما دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو، اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس میں پھاڑنے والی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ نے زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ زمین تمہیں لے کر ہلنے نہ لگے، اور اس نے نہریں بنائیں اور راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور نشانیاں بنائیں، اور وہ ستاروں کے ذریعے راہ پاتے ہیں۔ سو کیا جو پیدا کرتا ہو وہ اس کی طرح ہو گا جو پیدا نہیں کرتا، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ: اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتیاں اُگاتا ہے، زیتون، کھجور اور انگور کے باغات پروان چڑھاتا ہے اور ہر طرح کے پھل تمہارے دسترخوان تک پہنچاتا ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ: یہ محض زرعی عمل نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کی بولتی ہوئی نشانی ہے، جو لوگ غور و فکر کی نگاہ رکھتے ہیں وہ پانی کے ایک قطرے سے جنم لینے والی اس رنگارنگ زندگی میں خالق کی عظمت کا سراغ پالیتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ: اسی نے رات کو تمہارے لیے سکون کا پردہ بنایا اور دن کو جدوجہد اور کسبِ معاش کا میدان، سورج کو ضیا بخشی، چاند کو نور بنایا اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کر دیا تاکہ تم خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ اور اوقات و ازمنہ کا حساب رکھ سکو۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ: اہلِ بصیرت ان مظاہر میں ربّ کی قدرت اور اس کے انعام کو پہچان لیتے ہیں، ارباب عقل و دانش کے لیے ان ساری کاریگریوں اور صناعیوں میں نشانیاں ہیں۔

وَمَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ: اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا، خواہ وہ رنگا رنگ معدنیات ہوں، طرح طرح کے حیوانات، گوناگوں نباتات یا مختلف اقسام کی کھیتیاں، سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، یہ تنوعِ رنگ و صورت محض ظاہری زیبائش نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کی روشن دلیل ہے، تخلیق اور تسخیر کا یہ مربوط نظام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خالق نہ صرف قادرِ مطلق ہے بلکہ سراپا انعام بھی ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ: مگر اس حقیقت تک وہی پہنچتے ہیں جو نظر اعتبار رکھتے ہیں، جو نعمت کو دیکھ کر منعم کو پہچان لیتے ہیں، اور رنگوں کی کثرت میں قدرت کی وحدت کا جلوہ پالیتے ہیں، اس رنگارنگی اور صناعی میں ان لوگوں کو لیے نشانیاں ہیں جو سبق حاصل کرتے ہیں۔

وَہُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡہُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡہُ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا: سمندر کو بھی اسی نے رام کیا کہ تم اس کی موجوں پر سفر کرو، اس کی گہرائیوں سے تازہ گوشت حاصل کرو، موتی اور مرجان جیسی زینتیں نکالو۔

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: اور جہازوں کو پانی چیرتے ہوئے رزق اور تجارت کی راہوں پر رواں دیکھو، یہ سب اس لیے کہ تم اس کے فضل کے طالب رہو اور شکر گزاری کے ساتھ اسی کی عبادت کرو، وہ ہر آن وہ کچھ پیدا کرتا ہے جس کا علم انسان کو ابھی نہیں، اس کی تخلیق کا دائرہ انسانی ادراک سے کہیں وسیع تر ہے،

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا: زمین میں پہاڑ گاڑ دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگائے نہیں، نہریں جاری کیں کہ تم اور تمہارے جانور سیر اب ہوں، اور راستے بنائے کہ تم اپنی منزلوں تک بھٹکے بغیر پہنچ سکو۔

وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ: دن کے وقت زمینی نشانات اور رات کے لیے آسمانی ستارے رہنمائی کا سامان ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ، دریا اور راستے اس طرح قائم کیے کہ وہ محض جغرافیائی اجزاء نہ رہیں بلکہ شناخت اور رہنمائی کی علامتیں بن جائیں، شہروں کی پہچان، حدود کی تعیین اور سمتوں کی رہبری کا ذریعہ، وَعَلَامَاتٍ کا عطف انہی مظاہر پر ہے، گویا پہاڑ اور نہریں خود نشانیاں ہیں جو مسافر کو بھٹکنے نہیں دیتیں۔ پھر فرمایا

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور ستاروں کے ذریعے وہ راہ پاتے ہیں، آسمان پر ستاروں کے مواقع اور ان کی گردشیں صحراؤں اور سمندروں کے مسافروں کے لیے عملی رہنما رہی ہیں۔

عرب اپنی سفری زندگی میں منازلِ نجوم سے واقف تھے اور ان سے سمتوں کا تعین کرتے تھے، یہاں اَلنَّجم کو مقدم لا کر اس ہدایت کی اہمیت کو ابھارا گیا ہے، یہی وہ بنیاد ہے جس سے علمِ فلکیات کی سمت کھلتی ہے، ایک ایسی رہنمائی جس کی طرف خود خالق نے متوجہ کیا۔

اس آیت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات بھی معنی خیز ہے، نعمتوں کے ذکر میں براہِ راست خطاب عام انسانوں کو یاد دہانی ہے کہ یہ سب انعام ان کے لیے ہیں، مگر ستاروں سے ہدایت پانا ہر ایک کا تجربہ نہیں، یہ خصوصاً ان کے لیے ہے جو تاریک راتوں میں سفر کرتے ہیں، یوں اسلوبِ کلام

میں ایک طرف دائمی نعمتوں کی یاد دہانی ہے اور دوسری طرف ان حقائق کا اثبات جو اپنی جگہ قائم ہیں، خواہ ان سے فائدہ اٹھانے والے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: پھر سوال اٹھتا ہے: کیا وہ جو یہ سب کچھ پیدا کرتا ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم یاد نہیں کرتے کہ خالقِ کل وہی ہے، پس عبادت بھی اسی کے لیے خاص ہونی چاہیے، نہ کہ ان بے بس ہستیوں کے لیے جو خود اپنی تخلیق پر قادر نہیں۔

کثرت نعمت، بطلان شرک اور منکرین کی سرکشی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۸} وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ {۱۹} وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ {۲۰} اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ {۲۱} اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ {۲۲} لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ {۲۳} وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ {۲۴} النحل

جواب ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں۔ بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں، اور انہیں خبر نہیں ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ یہ بات ضروری ہے یقینی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں

کی لکھی ہوئی باتیں ہیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا: انسان اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو کبھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، ان کی کثرت اور تنوع انسانی گنتی سے باہر ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے کہ ان کی ناشکری اور غفلت کے باوجود انہیں فوراً گرفت میں نہیں لیتا، وہ نہایت بخشنے والا ہے کہ کوتاہیوں پر درگزر کرتا ہے اور نہایت مہربان ہے کہ گناہوں کے باوجود اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ: اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام احوال سے باخبر ہے، جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں اور وہی ان اعمال کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ: مشرکین جن معبودوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے خالق نہیں، چاہے وہ چیز کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ جن بتوں کو وہ پوجتے ہیں، انہیں خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور بناتے ہیں، یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو معبود کا درجہ دے دے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ: پھر یہ بت محض بے جان جمادات ہیں، نہ ان میں زندگی ہے اور نہ شعور، انہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ قیامت کب برپا ہو گی اور کب وہ اپنے پجاریوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا مستحق صرف ایک ہی معبود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، مگر جو لوگ آخرت کی جواب دہی پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل اللہ کی وحدانیت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں، کیونکہ جب دل میں حساب و کتاب کا خوف نہ رہے تو انسان سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی لوگ تکبر میں مبتلا ہو کر حق کو قبول نہیں کرتے اور نہ اس کے آگے جھکتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ: حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر خفیہ اور علانیہ عمل سے آگاہ ہے، وہ ان کی سرگوشیوں اور ان کے اعلانیہ افعال سب کو جانتا ہے اور انہی کے مطابق انہیں بدلہ دے گا، اللہ کو وہ لوگ ہرگز پسند نہیں جو اس کی بندگی سے تکبر کرتے ہیں، بلکہ وہ ایسے سرکش لوگوں کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ: جب ان منکرین سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ نے محمد ﷺ پر کیا نازل کیا ہے تو وہ تکبر اور انکار کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان پر کچھ نازل نہیں ہوا، بلکہ یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں، یوں وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو جھٹلانے میں لگے رہتے ہیں۔

کیا ایک انسان دوسرے کے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ {۲۵} النحل.

جواب ترجمہ: تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے پورے اٹھالیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھالیں جنہیں بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، خبردار برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔

مشرکین کی حرماں نصیبی، بدبختی اور سوء بختی کا عالم یہ کہ دنیا میں وہ شرک وخرافات کے گھروندے تعمیر کرکے بہت خوش ہوتے رہے، لوگوں کو اپنے من پسند اور خانہ ساز مشرکانہ عقائد کی پیروی کرواتے رہے، آخرت میں اس شرک کا وبال انہی پر ہوگا، قیامت کے دن ان مشرکانہ طور طریقوں کا مکمل بوجھ انہیں اٹھانا پڑے گا، اس میں سے ان کی کوئی چیز معاف نہیں کی جائے گی، جن کو انہوں نے گمراہ کیا تھا، شرک پر لگایا تھا، غیر اللہ کی پوجا اور بندگی پر آمادہ کیا تھا ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ

مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا (مسلم)

ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے متبع لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہو کر نہیں۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (العنکبوت ۱۳) یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے افترا کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے ۔پس ماننے والوں کے بوجھ گو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہوں گے۔

قرآن کریم کی سورۃ الانعام میں، سورۃ الاسراء میں، سورۃ الفاطر میں، سورۃ الزمر میں، سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى، کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا، کوئی کسی کا وزن نہیں اٹھائے گا، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، مگر یہاں سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ اپنا بوجھ بھی کامل اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا ان کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، بظاہر اس میں تعارض دکھائی دے رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس کا مطلب یہ ہے وہ شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا جو خود تو گناہ کرتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو گناہ کے کام پر نہیں لگاتا، دوسروں کو گمراہ نہیں کرتا، دوسروں کو شرک کی تعلیم نہیں دیتا، وہ جو کچھ کر رہا ہے اپنے طور پر کر رہا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا کہ وہ اپنا بوجھ کامل اٹھائے گا اور دوسروں کا بھی، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خود بھی بہکے ہوئے تھے، خود بھی گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، خود بھی شرک میں

مبتلا تھے اور دوسروں کو بھی انہوں نے اپنے طریقے پر گناہوں میں مبتلا کیا، دوسروں کو بھی شرک کی دلدل میں اتار دیا، خود بھی سیدھے راستے سے ہٹ گئے اور دوسروں کو بھی ہٹانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، ایسے لوگ اپنی پوٹ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کی بھی ان کے شانوں پر ہوگی۔ اس لیے ان آیات میں اور اُن آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مکر باطل کا انجام اور متقین کا انعام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ{۲۶}ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ{۲۷}الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۲۸}فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ {۲۹}وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ {۳۰}جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ{۳۱}النحل

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ نے ان کا بنایا ہوا گھر بنیادوں سے ڈھا دیا، پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی، اور ان پر اس طرح عذاب آگیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا۔ پھر وہ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا، اور فرمان ہوگا کہ کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟ جن کو علم دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ آج رسوائی اور بدحالی ہے کافروں پر۔ جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، سو وہ

لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے، ہاں! بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔ اور جو لوگ کفر و شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ بڑی خیر نازل فرمائی، جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور بلاشبہ دار آخرت بہتر ہے، اور البتہ متقیوں کا گھر اچھا ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان میں وہ داخل ہوں گے، ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ ان کو بدلہ دیتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ: ان سے پہلے بھی بہت سے کفار نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے خلاف مکر و فریب کے جال بچھائے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ: ان کی عمارتیں، جنہیں وہ اپنے تحفظ کا ذریعہ سمجھتے تھے، بنیادوں سمیت ڈھا دی گئیں اور انہی کی چھتیں ان پر آ گریں۔

وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ: یوں عذاب انہیں وہاں سے آ پہنچا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ: پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا: کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم میرے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے اور جن کی خاطر تم انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان سے دشمنی رکھتے تھے؟

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اس موقع پر اہل علم اور ربانی لوگ اعلان کریں گے کہ آج رسوائی اور عذاب یقیناً کافروں ہی کے حصے میں آیا ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں موت کے فرشتے اور ان کے معاون فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے کفر میں

مبتلا ہوتے ہیں۔

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: موت کے وقت وہ بظاہر سرِ تسلیم خم کرتے اور انکار کرنے لگتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے، مگر ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ تمہارے تمام اعمال سے خوب واقف ہے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: پھر حکم دیا جائے گا کہ اپنے اعمال کے مطابق جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ اسی میں پڑے رہو، پس تکبر کرنے والوں کا یہ ٹھکانا نہایت ہی برا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا: اس کے برعکس جب اہلِ تقویٰ سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے رب نے اپنے رسول محمد ﷺ پر کیا نازل کیا ہے تو وہ کہیں گے: اس نے خیر ہی خیر نازل کی ہے، جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی عبادت اور اس کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کیا، ان کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے، جیسے نصرت اور کشادہ رزق اور آخرت میں جو اجر ان کے لیے تیار ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یقیناً آخرت کا گھر متقین کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے، دائمی قیام کی جنتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جہاں ان کے لیے ہر وہ نعمت موجود ہو گی جس کی ان کے دل تمنا کریں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر دور کے متقین کو ان کے تقویٰ کا یہی شان دار صلہ عطا فرماتا ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ: وہ بہشت جاودانی (ہیں) جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں) وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے میسر ہو گا۔ اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جنت کے احوال پر تفصیلی کتاب حادی الارواح لکھی ہے، اس میں وہ جنات عدن کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں کہ جنات عدن جنتوں میں سے ایک جنت کا نام ہے، جب کہ درست اور صحیح بات یہ ہے کہ تمام ہی جنتوں کو جنت عدن کہا جاتا ہے،

قرآنی آیات کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ (سورۃ مریم ۶۱) جنات عدن (یعنی ہمیشگی کی جنات) وہ ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور جو کوئی آنکھوں سے) پوشیدہ (ہے)

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے {جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ} سورۃ فاطر ۳۳) ان لوگوں کے لیے جنات عدن (ہمیشگی کی جنات) جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشمی ہو گا۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ (سورۃ توبہ ۷۲) (اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے جنتوں کا وعدہ کیا ہے، جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے) اور ہمیشہ کی جنتوں میں پاکیزہ مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن کا اشتقاق بتاتا ہے کہ تمام جنتیں جنات عدن ہیں، کیونکہ عدن کا معنیٰ اقامت ہے، عدن کا معنیٰ دوام اور ہمیشگی ہے، جیسے عربی میں عدن بالمکان اس وقت کہا جاتا ہے جب انسان اس میں اقامت اختیار کرے، عدنت البلد اس وقت کہا جاتا ہے جب انسان اس کو وطن بنائے، عدنت الابل اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ اپنی کھرلی میں رہے۔ جوہری کہتے ہیں جنات عدن کا معنیٰ اقامت ہے، اسی سے معدن (بکسر دال ہے) کیونکہ لوگ اس میں سردی اور گرمی کے موسم میں اقامت اختیار کرتے ہیں، ہر چیز کے مرکز کو معدن کہا جاتا ہے، عادن الناقہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹنی اپنی چراگاہ میں رہے۔

معلوم ہوا کہ جنات عدن ان لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے، جس میں وہ ٹھکانہ اختیار کریں گے، اس میں سے کبھی بھی نہیں نکلیں گے۔ کلبی کہتے ہیں کہ جنات چار ہیں، جنت عدن، جنت ماویٰ، جنت

الفردوس، جنت النعیم۔ کلبی یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت عدن اعلیٰ درجہ کی جنت ہے۔(قرطبی ۴/۲۰۳)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنات سات ہیں، دارالجلال، دارالسلام، جنت عدن، جنت الماویٰ، جنت الخلد، جنت الفردوس، جنت النعیم (قرطبی)

پاکیزہ روحوں کا استقبال اور مشرکین کی باطل حجت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ{۳۲}هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ {۳۳}فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۳۴}وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ{۳۵}النحل

جواب ترجمہ: جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو تم اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے، اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ سو انہوں نے جو برے کام کیے ان کی سزائیں انہیں مل گئیں اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے اس نے انہیں آکر گھیر لیا۔ اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اس کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے، ان لوگوں نے ایسا ہی کیا جو ان سے پہلے تھے، سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ: جو لوگ ایمان و تقویٰ کی پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، جب موت کے فرشتے اور ان کے معاونین ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو ان کے دل کفر کی آلائش سے پاک ہوتے ہیں، اس وقت فرشتے ان کا استقبال سلامتی کے پیغام سے کرتے ہوئے کہتے ہیں، تم پر سلامتی ہو، تم ہر آفت سے محفوظ رہے، اب اس جنت میں داخل ہو جاؤ جو تمہیں دنیا میں تمہارے صحیح عقیدے اور نیک اعمال کے بدلے عطا کی جارہی ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ: اس کے برعکس مشرکین اور منکرین کی حالت یہ ہے کہ وہ گویا اس انتظار میں ہیں کہ یا تو موت کے فرشتے آپہنچیں اور ان کی روحیں قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگائیں، یا اللہ کا فیصلہ عذاب کی صورت میں نازل ہو کر انہیں دنیا ہی میں نیست و نابود کر دے، یہی روش ان سے پہلے کے کفار نے بھی اختیار کی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور یہ ہلاکت کسی ظلم کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ انہوں نے خود اپنے کفر اور سرکشی کے ذریعے اپنے آپ کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا تھا۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: پھر ایسا ہوا کہ ان کے اعمال کی سزائیں ان پر آپڑیں اور اسی عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: اس کے باوجود مشرکین اپنی گمراہی کے جواز کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور اگر وہ چاہتا تو ہم کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے، یہی باطل حجت پہلے کے کافر بھی پیش کرتے رہے تھے۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: حالانکہ رسولوں کی ذمہ داری تو صرف یہ تھی کہ وہ اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچادیں اور انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا، اس کے بعد تقدیر کو بہانہ بنا کر کفر و شرک پر اصرار کرنا کوئی عذر نہیں، کیونکہ اللہ نے انسان کو ارادہ و اختیار عطا کیا ہے اور ہدایت کے لیے اپنے رسول بھی مبعوث فرمائے ہیں۔

دعوت توحید، انجام مکذبین اور قدرتِ الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ {۳۶} اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ {۳۷} وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۸} لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ {۳۹} اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ {۴۰} النحل

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو، سو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی، سو تم زمین میں چلو پھرو دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اگر آپ ان کی ہدایت پر حرص کریں سو بلاشبہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرتا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور ان لوگوں نے خوب زور دار طریقے پر اللہ کی قسم کھائی کہ جو شخص مرجاتا ہے اللہ اسے نہ اٹھائے گا، ہاں اللہ ضرور اٹھائے گا، یہ پکا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ذمہ لازم کیا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کے لیے ان باتوں کو بیان فرمادے جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں اس کے بارے میں ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہوجا لہٰذا وہ وجود میں آجاتی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا، جس نے اپنی قوم کو یہی پیغام دیا کہ صرف اللہ ہی کی عبادت

کرو اور اس کے سوا ہر باطل معبود سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ : اس دعوت کے نتیجے میں لوگوں کے دو گروہ بن گئے، ایک وہ جنہیں اللہ نے ہدایت کی توفیق عطا فرمائی، انہوں نے ایمان قبول کیا اور رسول کی تعلیمات کی پیروی کی اور دوسرے وہ جو کفر و نافرمانی پر قائم رہے، چنانچہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی۔

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ: اس لیے لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ زمین میں سفر کریں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا جب ان پر عذاب اور ہلاکت نازل ہوئی۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: اے میرے حبیب ﷺ! اگر آپ ان لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے بھرپور کوشش کریں اور ان کی رہنمائی کے لیے ہر ممکن سبب اختیار کریں، تب بھی حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور نہ ہی اللہ کے مقابلے میں کوئی ایسا مددگار ہے جو انہیں عذاب سے بچا سکے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ: یہ منکرینِ آخرت بڑے زور دے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ اللہ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ : حالانکہ یہ دعویٰ سراسر باطل ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مردوں کو ضرور زندہ کرے گا، یہ اس کا سچا وعدہ ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے، اسی لیے قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ اٹھائے گا تاکہ ان کے سامنے وہ حقیقت واضح ہو جائے جس میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے، یعنی توحید، رسالت اور قیامت کا معاملہ، اس دن کافروں پر بھی کھل جائے گا کہ وہ اپنے دعوؤں میں جھوٹے تھے جب انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اور دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کیا۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں ہوتا، وہ صرف اتنا فرماتا ہے، کُن (ہو جا) تو وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے، یہی اس کی کامل قدرت اور بے پایاں اختیار کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت اور عظمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ {۴۱} الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ {۴۲} النحل

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بالضرور اچھا ٹھکانا دیں گے، اور یہ بات یقینی ہے کہ آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً: جن لوگوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت اختیار کی، ظلم و ستم برداشت کرنے کے بعد اپنے وطن، عزیز و اقارب اور مال و اسباب کو چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بہترین انجام کا وعدہ فرماتا ہے، ہجرت دراصل کسی بلند مقصد کے لیے وطن کو ترک کرنے کا نام ہے، خواہ وہ دین کی حفاظت کے لیے ہو یا اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لیے، اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی پناہ گاہیں اور کشادگی پائے گا۔

ابتدائی دورِ اسلام میں مسلمانوں کو دو اہم ہجرتوں کا سامنا کرنا پڑا، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف تھی، جہاں مسلمان مکہ کے مظالم سے بچنے کے لیے گئے، اس قافلے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے مخلص صحابہ و صحابیات شامل تھے، جن کی تعداد اسی سے زیادہ بیان کی جاتی ہے، بعد ازاں عظیم ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی

مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے، چونکہ سورۃ النحل مکی سورت ہے، اس لیے اس آیت میں غالباً ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی، اس تعبیر میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ان کے دل و دماغ اللہ کی محبت سے اس قدر معمور تھے کہ ان کے نزدیک ہر تکلیف اور ہر قربانی اللہ کی رضا کے سامنے ہیچ ہو گئی تھی۔ مزید فرمایا مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یعنی اس وقت جب ان پر ظلم و ستم ڈھائے گئے، انہوں نے ایذا رسانیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا، اپنے گھروں، مال و دولت اور عزیزوں کو چھوڑ دیا اور اپنی زندگیاں اللہ کی رضا کے لیے وقف کر دیں۔

ایسے اہلِ ایمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ فرمایا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً یعنی ہم انہیں دنیا میں بھی بہترین زندگی عطا کریں گے، اس وعدے میں تاکید کے کئی اسالیب جمع کیے گئے ہیں تاکہ اس کی قطعی حیثیت واضح ہو جائے، چنانچہ تاریخ نے دیکھا کہ وہی مظلوم مسلمان بعد میں مدینہ میں جمع ہوئے، انہیں امن نصیب ہوا، باہمی اخوت و تعاون کی فضا قائم ہوئی اور اللہ نے انہیں مشرکین پر فتح و نصرت بھی عطا فرمائی، یہ سب دنیا کی وہ بھلائیاں ہیں جو انہیں ہجرت اور صبر کے بدلے عطا ہوئیں۔

تاہم قرآن واضح کرتا ہے کہ دنیا کی یہ نعمتیں اصل اجر نہیں، بلکہ آخرت کا اجر اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے، وہاں دائمی نعمتیں ہیں، ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن میں ہمیشہ کی راحت و سرور نصیب ہو گا۔ جنت کی نعمتیں نہ ختم ہونے والی ہیں اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی کمی واقع ہوتی ہے۔

آخر میں فرمایا، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی اگر وہ اس حقیقت کو کماحقہٗ جان لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں ان کے لیے کیسا عظیم اجر تیار ہے، گویا یہ اجر انسانی تصور سے بھی بلند اور خیال سے بھی کہیں زیادہ عظیم ہے، جس کا پورا ادراک انسان کو قیامت کے دن ہی ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان عظیم ہستیوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے ایمان کی خاطر ہجرت کی اور راہِ حق میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، اس آیت میں ارشاد ہے :الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

یہاں الَّذِينَ صَبَرُوا دراصل مہاجرین کی صفت اور وضاحت ہے، ان خوش نصیب لوگوں نے ایسا عظیم صبر کیا جس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے، انہوں نے اللہ کے دین کی خاطر ہر طرح کی اذیتیں برداشت کیں، کفار کی طرف سے ظلم و ستم سہنا پڑا، تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنے، ان کی قدر و منزلت گھٹانے کی کوشش کی گئی، یہاں تک کہ انہیں معاشرے کے کمتر اور حقیر افراد کے طور پر پیش کیا گیا، حالانکہ حقیقت میں وہی لوگ عزت و شرافت کے بلند مقام پر فائز تھے، انہوں نے اپنے پیاروں کو چھوڑا، اپنے گھروں سے جدائی اختیار کی، اپنی جمع پونجی اور مال و دولت سے دست بردار ہو گئے، یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے۔

مشرکین کی کوشش یہ بھی تھی کہ ان کے دلوں سے امید کی آخری کرن تک بجھا دیں، مگر اللہ کے فضل و کرم نے ایسا ہونے نہ دیا، ان اہلِ ایمان کے سامنے ہمیشہ اپنے رب کی ذات تھی، اسی لیے انہوں نے ہر حال میں اسی پر اعتماد کیا، چنانچہ فرمایا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یعنی وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر نہیں، یہاں فعلِ مضارع اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کا توکل عارضی نہیں بلکہ دائمی اور مسلسل ہے، نیز جار و مجرور کو مقدم لا کر یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کا کامل اعتماد صرف اللہ ہی کی ذات پر ہے۔

درحقیقت یہی توکل وہ قوت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بند دروازوں کو کھول دیتا ہے اور وہ راستے پیدا ہو جاتے ہیں جہاں بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا، شرک اور باطل جن دروازوں کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ پر سچا توکل انہی کے پیچھے فتح و نصرت کے دروازے کھول دیتا ہے، اسی یقین اور اعتماد نے مہاجرین کو مصیبتوں کے اندھیروں میں بھی امید کی روشنی عطا کی اور آخر کار کامیابی و سربلندی انہی کا مقدر بنی۔

رسالت، وحی الٰہی، دشمن کی سازشیں، عذاب الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ {۴۳} بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ {۴۴} اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ {۴۵} اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ {۴۶} اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ {۴۷} النحل

جواب ترجمہ: اور آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، سو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔ ان رسولوں کو دلائل اور کتب کے ساتھ بھیجا، اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ لوگ فکر کریں۔ جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو۔ یا اللہ ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔ یا ان کو کم کرتے کرتے پکڑ لے سو بلاشبہ تمہارا رب بڑا مہربان بڑا رحیم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے، وہ سب انسان ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، ہم نے فرشتوں کو رسول بنا کر نہیں بھیجا، یہ اللہ کی جاری و ساری سنت ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انہی میں سے رسول منتخب کیے جاتے ہیں۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ: اگر انکار کرنے والے اس حقیقت کو نہیں جانتے تو انہیں چاہیے کہ پچھلی آسمانی کتابوں کے جاننے والوں سے پوچھ لیں، وہ گواہی دیں گے کہ تمام

انبیاء علیہم السلام بشر ہی تھے، فرشتے نہیں۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ: یہ رسول روشن دلائل اور واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے گئے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان احکام اور حقائق کو کھول کر بیان کریں جن کی انہیں وضاحت درکار ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں اور اس کے مضامین سے نصیحت حاصل کریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ: پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تنبیہ کرتے ہیں جو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے خفیہ تدبیریں اور سازشیں کرتے ہیں، کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا؟ یا پھر ان پر اچانک ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں سے انہیں اس کے آنے کا گمان بھی نہ ہو۔ یا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے سفر و تجارت اور دنیاوی مشاغل میں مصروف ہوں اور اسی حال میں اللہ کا عذاب انہیں آپکڑے، اس صورت میں نہ وہ اس سے بچ سکیں گے اور نہ کہیں بھاگ کر پناہ لے سکیں گے۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ: کیا وہ اس بات سے بھی بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ کا عذاب ان پر خوف و ہراس کی حالت میں آپڑے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر حال میں انہیں پکڑنے پر قادر ہے، مگر اس کے باوجود تمہارا رب بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے؛ وہ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے، تاکہ اس کے بندے اپنی خطاؤں سے رجوع کریں اور توبہ کر کے اس کی طرف لوٹ آئیں۔

توحید الٰہی اور کائنات کی ہمہ گیر بندگی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ {۴۹} يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ {۵۰} وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ {۵۱} النحل

جواب ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں ان کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف کو اس طرح جھکتے ہیں کہ وہ اللہ کے فرمان بردار ہیں اور عاجز ہیں۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے حیوانات اور فرشتے یہ سب اللہ کے حکم کے فرمان بردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب کی شان قاہریت سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ، وہ صرف ایک ہی معبود ہے، سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ کیا یہ منکرین کبھی غور کی نگاہ سے اللہ کی مخلوقات کو نہیں دیکھتے؟ سورج کی گردش کے ساتھ ان کے سائے دائیں اور بائیں جھکتے رہتے ہیں، گویا وہ اپنے رب کے حضور عاجزی کے ساتھ سجدہ ریز ہیں اور اس کی قدرت کے آگے سراپا فروتنی بنے ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں، زمین پر چلنے والی تمام جاندار مخلوق اور حتیٰ کہ فرشتے بھی اسی کے سامنے جھکتے ہیں اور عبادت میں کبھی تکبر نہیں کرتے، باجود اس کے کہ وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں، پھر بھی اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو اپنی ذات، قدرت اور اقتدار کے اعتبار سے ان پر غالب ہے اور وہ اس کے ہر حکم کی کامل اطاعت کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صاف الفاظ میں ہدایت دی ہے کہ دو معبود نہ بنالو، معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا اسی سے ڈرو اور اسی کے سامنے سرِ اطاعت خم کرو، کسی اور سے خوف نہ کھاؤ۔

وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا کا مطلب

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ وَاصِبًا کا کیا مطلب ہے؟

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ {۵۲} النحل

جواب ترجمہ: اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے۔ تو تم اللہ کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولہ الدین واصباً کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت لازمی طور پر اسی کی ہے، اس لیے کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ اکیلا ہی معبود ہے اور وہ اس بات کے لائق ہے کہ اسی سے ڈرا جائے تو اطاعت بھی لازمی اسی کی ہونی چاہیے۔

بعض کہتے ہیں کہ الدین واصباً کا مطلب ہے جو شخص دین پر ایمان لائے گا اس کے لیے دائمی جزا ہے، کبھی اس کا ثواب ختم نہیں ہو گا، اور اس شخص کے لیے سزا ہے جس نے کفر کیا۔ (تفسیر بیضاوی)علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے الدین کا معنیٰ اطاعت اور واصباً کا معنیٰ دائمی کیا ہے۔ (جلالین) امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الدین سے مراد اخلاص ہے، واصبا کا معنیٰ دائمی۔

ابو صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الدین واصباً سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ الدین واصباً سے مراد واجباً ہے۔ ابو الحسن علی نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے کہ کہ ولہ الدین واصباً کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت ہمیشہ واجب ہے۔ (الوجیز فی کتاب تفسیر العزیز) ابو القاسم نجم الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ولہ الدین سے مراد اطاعت ہے، وَاصِباً کا معنیٰ ہے دائماً یا خالصاً، وصب کا معنیٰ ایسی مشقت ہے جو کام کے تسلسل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (ایجاز البیان عن معانی القرآن)

اللہ ہی فریاد رس ہے

سوال اس آیت مبارکہ میں تَجْأَرُونَ کا کیا مطلب ہے؟

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ {۵۳} النحل

جواب ترجمہ: اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو۔

انسان اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھتا چلا جائے، محسوس کرتا چلا جائے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے

کس قدر نعمتوں کی بارش برسائی ہے، ان سب نعمتوں میں ایمان بڑی نعمت ہے، ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں، مسلمان اللہ کی اس عظیم نعمت پر اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ نعمت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان نفع اٹھائے، تمام اشیاء میں سب سے زیادہ نفع بخش ایمان ہی ہے، اس لیے ایمان ایک نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر واضح فرمادیا کہ انسان کے پاس جو نعمت بھی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے، یہ ایسا لفظ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح یہ لفظ ہر نعمت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ جو چیز بھی موجود ہے وہ یا تو اپنی ذات کے لحاظ سے واجب ہے، یا اپنی ذات کے لحاظ سے ممکن ہے، اپنی ذات کے لحاظ سے جو واجب ہے وہ اللہ کی ذات ہے، باقی جتنی اشیاء ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لیے ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے۔

نعمتیں یا تو دینی ہیں یا دنیوی ہیں، دینی نعمتیں یا تو ذات حق کی معرفت ہے، یا خیر کی معرفت ہے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے، پھر دنیوی نعمتیں یا تو نفسانی ہیں یا بدنی ہیں، یا خارجی ہیں، یہ تینوں اقسام جنس ہیں اس کے تحت انواع ہیں جو حصر اور تحدید سے باہر ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا (إِبْرَاهِيمَ: ۳۴) اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ (ماخوذ تفسیر مفاتیح الغیب)

امام رازی رحمہ اللہ نے عربی قواعد کی رو سے بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں حروف اس طرح استعمال ہوئے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ انسان کے پاس جو نعمتیں موجود ہیں یا جو نعمتیں اس کے پاس آتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، ابن عباس اس سے بیماریاں اور حاجات مراد لیتے ہیں، جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم پکارتے ہو، آوازیں بلند کرتے ہو، دعاؤں میں الحاح وزاریاں کرتے ہو، جأر، یجأر سے یجأرون ہے، اس کا مطلب ہے سخت آواز، جیسے گائے کی آواز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں، اگر کسی شخص کو کوئی تکلیف پریشانی پیش آتی ہے جس سے اسے اپنی نعمت ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ اللہ کو بلند آواز سے پکارتا ہے، اسے پتا ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی فریاد کو پہنچنے والا نہیں ہے، اسے پتا ہوتا ہے کہ مخلوق کی جائے پناہ اس کے سوا کہیں نہیں ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم اس حال میں جب اس طرح میری طرف متوجہ ہوتے ہو تو خوشی کے موقع پر، مسرت کے لمحات میں، شادمانی کی گھڑیوں میں تم کہاں ہوتے ہو، سلامتی کی مدت میں تم کہاں ہوتے ہو؟

اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب تم سے تکلیف، دکھ، مصیبت اور پریشانی دور کر دی جاتی ہے تو تم میں ایک گروہ ایسا ہو جاتا ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرتا ہے، جب حالات میں بہتری آتی ہے، مصیبت ٹل جاتی ہے تو یہ لوگ بٹ جاتے ہیں، ایک گروہ تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، الحاح وزاری کرتا ہے، اللہ ہی کے دامن عافیت میں پناہ تلاش کرتا ہے، مگر ایک گروہ ان میں ایسا ہوتا ہے جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے، یہ جہالت اور گمراہی ہے، اس لیے کہ جب اس کی فطرت اصلیہ اور خلقت غریزیہ نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا کہ بلاؤں، آفات، تکالیف، مشکلات اور مخافات میں ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہی ایسی ہے جو جائے پناہ ہوتی ہے، جس سے مدد طلب کی جاتی ہے، جس سے فریاد کی جاتی ہے، جسے پکارا جاتا ہے اور اپنی مشکلات کا ازالہ کروایا جاتا ہے، اس کے سوا کوئی بلاؤں کو، آزمائشوں کو، دکھوں کو، دردوں کو ٹال نہیں سکتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اسی اعتقاد پر ڈٹا رہے، اس لیے کہ مشکلات و مصائب میں تو یہ لوگ اللہ ہی سے معاملات حل ہونے کی امید قوی رکھتے ہیں، تو آسائشات اور خوشحالیوں میں بھی انہیں چاہیے کہ وہ اضداد، شرکاء کو فریادرس سمجھنے کی بجائے ایک اللہ ہی کے آستانۂ عالیہ پر جھکتے رہیں، مکہ کے مشرکین کی مثال اللہ نے قرآن حکیم میں بیان فرمائی ہے کہ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (العنکبوت: ۶۵) جب ہم انہیں خشکی کی طرف نجات دیتے ہیں تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

نعمت کے بعد ناشکری اور شرک کی مذمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ{۵۴}لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ{۵۵}وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ{۵۶}النحل

جواب ترجمہ: پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک جماعت اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔ تاکہ وہ ہماری اس نعمت کے منکر ہو جائیں، سو تم نفع حاصل کر لو، پھر عنقریب جان لو گے۔ اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں، اللہ کی قسم تم سے اس بارے میں ضرور ضرور پرسش ہو گی جو تم افترا پردازی کرتے ہو۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کی ایک کمزور فطرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں، جب انسان کسی مصیبت، بیماری، فقر یا کسی آفت میں مبتلا ہوتا ہے تو بے اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی سے فریاد کرتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے تو لوگوں میں سے ایک گروہ پھر اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے، گویا مصیبت کے وقت تو اللہ کو پکارنا یاد رہتا ہے، مگر راحت ملتے ہی وہ اسی نعمت کو بتوں یا باطل معبودوں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں، مفسرین کے مطابق یہ وہی مشرکین تھے جو شفا، نفع اور ضرر کو اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ حقیقت میں ہر نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: اس کے بعد قرآن مجید ان کے اس طرزِ عمل کا انجام بیان کرتا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے انہی کو کفر اور

ناشکری کا ذریعہ بنالیتے ہیں، اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا میں چند دن فائدہ اٹھالو، عنقریب تم اپنے انجام کو جان لوگے، یہاں فَتَمَتَّعُوْا کا انداز دراصل دھمکی اور وعید کا ہے، یعنی انہیں مہلت تو دی جا رہی ہے مگر یہ مہلت دائمی نہیں، بلکہ ایک دن انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ : پھر مشرکین کے ایک اور باطل عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے اپنے خود ساختہ معبودوں کے لیے حصہ مقرر کرتے تھے، کبھی کھیتی کا حصہ، کبھی مویشیوں کا حصہ بتوں کے نام کر دیتے اور یہ گمان کرتے کہ ان کا بھی اس رزق میں کوئی حق ہے، حالانکہ وہ معبود نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں۔

تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ: اس باطل رسم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سخت انداز میں فرماتا ہے کہ قسم ہے، تم ضرور ان جھوٹی باتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے جو تم اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے، اس طرح قرآن انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ نعمت ملنے کے بعد حقیقی شکر یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کی توحید کو مانے اور ہر نعمت کو اسی کی عطا سمجھ کر اس کے حضور سرِ اطاعت جھکا دے۔

بیٹیوں کی پیدائش پر جاہلی عربوں کو تکلیف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ {۵۷} وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ {۵۸} يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ {۵۹} لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۶۰} النحل

جواب ترجمہ: اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے اپنی چاہت کی چیز۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔

اسے جو بشارت دی گئی اس کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپا ہوا رہتا ہے آیا اسے ذلت پر روکے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے، خبردار ان کے فیصلے برے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے، اور اللہ کے لیے بلند صفات ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ: ان آیات میں قرآن مجید مشرکینِ عرب کے ایک نہایت باطل اور متناقض عقیدے کو بے نقاب کرتا ہے، وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی اولاد اور نقص سے پاک ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ: عجیب بات یہ تھی کہ جو چیز وہ اپنے لیے ناپسند کرتے تھے، اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے، چنانچہ اپنے لیے تو بیٹوں کی خواہش رکھتے اور بیٹیوں کو عار و ننگ سمجھتے تھے، مگر اللہ کے لیے بیٹیوں کا عقیدہ گھڑ لیتے تھے، جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر ملتی تو اس کا چہرہ غم اور غصے سے سیاہ پڑ جاتا اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگتا۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ: شرمندگی کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا اور سوچتا رہتا کہ آیا اس بچی کو ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے، یہی وہ سنگ دل رسم تھی جس کے تحت عربِ جاہلیت بعض اوقات بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ: قرآن مجید اس ظالمانہ طرزِ فکر پر سخت نکیر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ نہایت برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہی کی صفات نہایت بری اور پست ہوتی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اعلیٰ اور کامل صفات ثابت ہیں، وہ ہر عیب، ہر نقص اور ہر باطل نسبت سے پاک ہے اور اسی کی ذات توحید، کمال اور بے نیازی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

اللہ کی مہلت اور مشرکین کے جھوٹے دعوے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ {٦١} وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ {٦٢} النحل

جواب ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ فرمائے تو زمین پر کسی بھی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے سو جب ان کا وقت معین آجائے گا تو ایک گھڑی مؤخر نہ ہوں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اور اللہ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے وہ خود مکروہ جانتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، یہ لازمی بات ہے کہ ان کے لیے دوزخ ہے اور وہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے حلم، رحمت اور عدل کا ایک عظیم پہلو بیان فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم، کفر اور گناہوں کی وجہ سے فوراً پکڑنے لگے تو زمین پر کسی جاندار کو باقی نہ چھوڑے، کیونکہ انسانوں کی بداعمالیوں کا اثر صرف ان پر ہی نہیں بلکہ پوری مخلوق پر پڑتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ: لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور بردباری کے باعث فوراً عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے، جب وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى: اس کے بعد قرآن مشرکین کے ایک اور باطل طرزِ فکر کو بیان کرتا ہے کہ وہ اللہ کے لیے وہ چیزیں ٹھہراتے ہیں

جنہیں خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں، یعنی بیٹیوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ اپنے لیے انہیں ناپسند کرتے ہیں، مزید یہ کہ اپنی زبانوں سے جھوٹ گھڑتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے بہترین انجام ہو گا۔

لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ: قرآن اس جھوٹے دعوے کو سختی سے رد کرتے ہوئے فیصلہ سناتا ہے کہ یقینی طور پر ان کے لیے آگ ہی مقدر ہے اور وہی اس کی طرف دھکیل دیے جائیں گے، اس طرح یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہلت کو نجات کی ضمانت سمجھ لینا بڑی غلطی ہے، کیونکہ انجام کار ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

تکذیب رسالت کی قدیم روایت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {٦٣} وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {٦٤} النحل

جواب ترجمہ: اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے سو شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال اچھے کر کے دکھلائے سو وہ آج ان کا رفیق ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ہم نے آپ پر کتاب اسی لیے نازل کی کہ آپ ان کے لیے وہ بات بیان فرما دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ حقیقت بیان فرماتا ہے کہ آپ کی قوم کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں، بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے، مگر شیطان نے ان کے

برے اعمال کو ان کی نگاہ میں آراستہ کر دیا۔ چنانچہ وہ کفر، سرکشی اور انکار ہی کو درست سمجھتے رہے اور ہدایت سے دور ہوتے گئے۔

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: اس طرح شیطان ان کا رفیق اور سرپرست بن گیا، دنیا میں وہ انہیں گمراہی کی طرف لے جاتا رہا اور قیامت کے دن بھی وہ ان کے لیے کسی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکے گا، بلکہ ان سب کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن کے نزول کی عظیم حکمت بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب اس لیے نازل کی گئی تاکہ رسولِ اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان ان امور کی حقیقت واضح کر دیں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے، خواہ وہ توحید کا مسئلہ ہو، آخرت کا عقیدہ ہو یا حلال و حرام کے احکام۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ: اس طرح قرآن حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، مزید یہ کہ یہ صرف وضاحت ہی نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت بھی ہے، جو انہیں دنیا میں سیدھا راستہ دکھاتی اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

بارش کے ذریعے مردہ زمین کی حیات

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ {٦٥} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا سو اس کے ذریعہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور ربوبیت کی ایک واضح نشانی بیان فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو

آسمان سے پانی یعنی بارش نازل کرتا ہے، اور اسی کے ذریعے خشک اور مردہ پڑی ہوئی زمین کو زندگی عطا کر دیتا ہے، جب زمین قحط اور خشکی کے باعث بنجر اور بے آب و گیاہ ہو جاتی ہے تو بارش کے نزول کے بعد اسی زمین سے سبزہ اُگ آتا ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور درختوں میں پھل اور پھول ظاہر ہونے لگتے ہیں، یوں بظاہر بے جان زمین میں دوبارہ زندگی کی رونق پیدا ہو جاتی ہے۔

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ یہاں زمین کی "موت" سے مراد اس کا بنجر اور خشک ہو جانا ہے، جب اس میں کوئی سبزہ یا کھیتی باقی نہ رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو وہی زمین نباتات اور زراعت کے ذریعے زندہ ہو جاتی ہے، یہ منظر دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم دلیل ہے، کیونکہ جو رب مردہ زمین کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ انسانوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ: آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو سننے والے ہیں، یعنی وہ لوگ جو غور و فکر کے ساتھ بات کو سنتے اور دل سے اس پر تدبر کرتے ہیں، ایسے ہی اہلِ بصیرت لوگ اللہ کی نشانیوں سے سبق حاصل کرتے اور اس کی قدرت و وحدانیت کو پہچانتے ہیں۔

دودھ کی سبیل

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ {٦٦} النحل

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے ایسا دودھ جو خالص ہے پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اترنے والا ہے۔

تفسیر: سورۃ النحل کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ ربانی کی ایک نہایت عجیب اور قابلِ غور نشانی بیان فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ چوپایہ جانوروں میں بھی انسان کے لیے عبرت اور سبق موجود ہے، اللہ تعالیٰ ان جانوروں کے جسم کے اندر موجود نظام کے ذریعے انسان کو خالص اور لذیذ دودھ عطا فرماتا ہے، حالانکہ وہ دودھ پیٹ کے اندر خون اور فرث (گوبر) کے درمیان سے نکلتا ہے، مگر اپنی حقیقت میں نہایت پاکیزہ، خالص اور خوشگوار ہوتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ منظر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی کامل تدبیر کی واضح دلیل ہے، جانور کے جسم میں خوراک پہلے معدہ میں جاتی ہے جہاں سے اس کا ایک حصہ فرث (فضلات) بن جاتا ہے اور دوسرا حصہ خون میں تبدیل ہوتا ہے، مگر انہی دونوں کے درمیان سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسا خالص دودھ پیدا فرماتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہوتی ہے اور نہ فضلات کی بو، یہ قدرتی نظام اس بات کی روشن علامت ہے کہ کائنات کا انتظام ایک حکیم اور قادر مطلق رب کے ہاتھ میں ہے۔

آیت میں دودھ کو لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ فرمایا گیا ہے، یعنی ایسا خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار اور آسانی سے حلق سے اترنے والا ہے۔ مفسرین کے مطابق "سائغ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبیعت کو ناگوار نہیں گزرتا بلکہ لذت اور نفع دونوں کا باعث بنتا ہے۔

اس آیت سے فقہاء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ دودھ پاک چیز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خون اور فرث کے درمیان سے پیدا ہونے کے باوجود "خالص" قرار دیا ہے۔

بعض اہلِ معرفت نے اس آیت سے ایک لطیف روحانی نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ جس رب نے ناپاک چیزوں کے درمیان سے خالص دودھ پیدا کیا، وہی انسان کی لغزشوں اور کمزوریوں کے درمیان سے ایمان، معرفت اور طہارتِ قلب کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اسی طرح بعض مفسرین نے اس کو قیامت کی قدرت پر بھی دلیل قرار دیا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ پیچیدہ نظام کے اندر سے ایک پاکیزہ چیز پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح وہ بکھرے ہوئے انسانی اجزاء کو

دوبارہ جمع کر کے انسان کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اَنعام سے مراد چوپائے ہیں، ان میں اونٹ، گائے اور بھینس وغیرہ ایسے جانور ہیں جن سے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ ایک محبوب اور مرغوب چیز تیار کرتے ہیں، پھر اس کے سپرد کر دیتے ہیں، جسے وہ استعمال کرتا ہے، مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان کیا کہ جب اونٹنی، گائے، بھینس وغیرہ چوپائے گھاس چارہ کھاتے ہیں، وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگادی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات وبقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے۔ ان دو گندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک طیب اور خوشگوار چیز ہے۔ (عثمانی)

الغرض اس آیت میں ایک سادہ سی نعمت یعنی دودھ کے ذریعے انسان کو اللہ کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی گہری نشانی دکھائی گئی ہے، تاکہ غور کرنے والا دل اس سے عبرت حاصل کرے اور اپنے رب کی معرفت تک پہنچے۔

پھل، کھجور اور انگور رزق حسن اور قدرت الٰہی کی دلیل

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ {٦٧} النحل

جواب ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے ہم تمہیں رزق دیتے ہیں ان سے تم نشہ کی اور کھانے کی عمدہ چیز بناتے ہو، بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں انسان کو کھجور اور انگور جیسی نعمتوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا

ہے کہ ان پھلوں میں اہلِ عقل کے لیے بڑی نصیحت اور عبرت پوشیدہ ہے، انسان انہی پھلوں سے مختلف چیزیں تیار کرتا ہے، بعض لوگ ان سے نشہ آور مشروبات بناتے ہیں جو عقل کو زائل کر دیتے ہیں اور جو پسندیدہ نہیں، جبکہ انہی سے پاکیزہ اور مفید رزق بھی حاصل کیا جاتا ہے، جیسے کھجور، کشمش، سرکہ اور شیرہ وغیرہ، جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اس طرح ایک ہی نعمت سے مختلف استعمال سامنے آتے ہیں، جو اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین میں ایسی برکت رکھی ہے کہ اس سے انسان کے لیے طرح طرح کے فوائد پیدا ہوتے ہیں، پس جو لوگ عقل و بصیرت رکھتے ہیں وہ ان نعمتوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت، اس کے انعام اور اس کی حکمت کو پہچانتے ہیں اور ان نعمتوں سے صحیح اور جائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شہد کی مکھی قدرت کا شاہکار

سوال آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، شہد اور شہد کی مکھی قدرت کا عظیم شاہکار ہے، جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، اس پر بھی اظہار خیال کیجیے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ {٦٨} ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ {٦٩} النحل

جواب ترجمہ: اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور ان عمارتوں میں جو لوگ اونچی اونچی بناتے ہیں، گھر بنا۔ ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا پھر تو اپنے رب کے راستوں میں چل جو آسان کر دیئے گئے ہیں، اس کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا: اللہ تعالیٰ اس آیت میں شہد کی مکھی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اور حکمتِ کاملہ کی ایک نہایت عجیب نشانی بیان فرماتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ تمام حیوانات اپنی فطرت میں اللہ کے عطا کردہ الہام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، جیسے جانور کی ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی، اس کی حفاظت کرتی اور اس پر شفقت کرتی ہے، یہی فطری رہنمائی دراصل اللہ تعالیٰ کا الہام ہے اور اسی بنا پر یہاں شہد کی مکھی کے لیے اس الہام کو "وحی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حیرت انگیز اور منظم نظام عطا فرمایا ہے کہ بعض اوقات عقل مند انسان بھی اس کی باریکیوں تک پوری طرح نہیں پہنچ پاتے، اس کی جماعت میں نظم وضبط، صفائی، باہمی تعاون اور اجتماعی زندگی کا ایک عجیب نظام پایا جاتا ہے، یہ اپنے لیے ایک سربراہ مقرر کرتی ہیں، اپنے چھتّے کو نہایت مضبوط اور متوازن شکل یعنی مسدّس خانوں میں تعمیر کرتی ہیں تاکہ جگہ ضائع نہ ہو اور تعمیر میں پختگی رہے۔

یہ سب مل کر صبح وشام خوراک کی تلاش میں نکلتی ہیں اور اجتماعی نظم کے ساتھ واپس لوٹتی ہیں، گویا ایک مربوط جماعت کی طرح زندگی گزارتی ہیں، اسی حیرت انگیز نظم وحکمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور انسانوں کے بنائے ہوئے چھتّوں میں اپنے گھر بنائے، یعنی مکھی کو یہ فطری ہدایت دی گئی کہ وہ بعض پہاڑوں کی دراڑوں، درختوں کی شاخوں اور انسانوں کے تیار کردہ چھتّوں میں اپنا مسکن بنائے، درحقیقت یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، قدرت اور انسان پر اس کے احسان کی روشن دلیل ہے، کیونکہ اسی مکھی کے پیٹ سے وہ شہد پیدا ہوتا ہے جس میں انسانوں کے لیے شفا اور بے شمار فائدے رکھے گئے ہیں۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بُیُوْتًا سے جو ہدایت دی گئی ہے ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہر جانور اپنے رہنے سہنے کے لئے گھر تو بناتا ہی ہے پھر اس اہتمام سے گھروں کی تعمیر کا حکم مکھیوں کو دینے میں کیا خصوصیت ہے پھر یہاں لفظ بھی

بیوت کا استعمال فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کر دیا کہ مکھیوں کو چونکہ شہد تیار کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ ان کی ساخت وبناوٹ غیر معمولی قسم کی ہو گی چنانچہ ان کے گھر عام جانوروں کے گھروں سے ممتاز ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے ان کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں رہتا مسدس شکل کے علاوہ وہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع اور مخمس وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کے بعض کونے بیکار رہ جاتے ہیں ،اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو محض گھر بنانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کسی بلندی پر ہونا چاہئے کیونکہ ایسے مقامات پر شہد کو تازہ اور صاف چھنی ہوئی ہوا پہنچتی رہتی ہے وہ گندی ہوا سے بچا رہتا ہے اور توڑ پھوڑ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔(معارف القرآن)

شہد کی مکھی کو اللہ کی جانب سے یہ بات سمجھائی گئی کہ وہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں شہد کے چھتے بنائے، اس ضعیف مخلوق کے اس گھر کو دیکھئے کتنا مضبوط کیسا خوبصورت اور کیسی کاری گری کا ہوتا ہے، پھر اسے ہدایت کی اور اس کے لئے مقدر کر دیا کہ یہ پھلوں، پھولوں اور گھاس پات کے رس چوستی پھرے اور جہاں چاہے جائے، آئے لیکن واپس لوٹتے وقت سیدھی اپنے چھتے کو پہنچ جائے، چاہے بلند پہاڑ کی چوٹی ہو، چاہے بیابان کے درخت ہوں، چاہے آبادی کے بلند مکانات اور ویرانے کے سنسان کھنڈر ہوں، یہ نہ راستہ بھولے، نہ بھٹکتی پھرے، خواہ کتنی ہی دور نکل جائے، لوٹ کر اپنے چھتے میں اپنے بچوں، انڈوں اور شہد میں پہنچ جائے۔ اپنے پروں سے موم بنائے۔ اپنے منہ سے شہد جمع کرے اور دوسری جگہ سے بچے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں، شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ

حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسُوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت وانضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شک پر تمام خانوں کا رکھنا آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف راہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بیکار نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظامِ زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے اس کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین وضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

خود یہ ملکہ تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے یہ اپنی قد و قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں اور کسی نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔

بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں بعض معماری اور انجینرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے ان

میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں پر بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ شہد ان کی اور ان کے بچوں کی غذا ہے اور یہی ہم سب کے لئے بھی لذت وغذا کا جوہر اور دوا و شفاء کا نسخہ ہے۔

یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اور اپنی ملکہ کے حکم کو دل وجان سے قبول کرتی ہیں ان میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے (الجواہر بحوالہ تفسیر معارف القرآن)

شہد کے فوائد: قرآن کریم شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والے شیریں مادے کو شراب سے تعبیر کرتا ہے، جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس شراب کے فوائد قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، ارشاد ربانی ہے يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ: اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کے کئی امراض کی شفا ہے۔

شہد کے رنگ مختلف ہوتے ہیں سفید زرد سرخ وغیرہ جیسے پھل پھول اور خوراک وغیرہ ہوتی ہے شہد کا رنگ وغیرہ بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ اس میں شفا بھی ہے، بہت سی بیماریوں کو اللہ تعالیٰ اس سے دور کر دیتا ہے یہاں بعض اطباء یہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے الشِّفَاءُ لِلنَّاسِ نہیں فرمایا ورنہ ہر بیماری کی دوا یہی ٹھہرتی بلکہ فرمایا اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے پس یہ سرد بیماریوں کی دوا ہے۔ علاج ہمیشہ بیماریوں کی ضد سے ہوتا ہے پس شہد گرم ہے سردی کی بیماری میں مفید ہے۔

بعض اہل علم نے اس سے مراد یہ لی ہے کہ قرآن کریم میں شفاء ہے، یہ بات اس آیت سے مراد لینا یہاں درست نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن کریم کے شفاء ہونے کا ذکر الگ جگہ پر موجود ہے، یہاں سیاق وسباق کے حوالے سے دیکھا جائے تو شہد ہی کے اندر شفاء رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُه فَقَالَ: اسْقِهِ عَسَلًا. فَسَقَاهُ عَسَلًا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَمَا زَادَهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! قَالَ: اذْهَبْ فَاسْقِهِ عَسَلًا. فَذَهَبَ فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا زَادَهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! فقال رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ اللهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ! اذْهَبْ فَاسْقِهِ عَسَلًا. فَذَهَبَ فَسَقَاهُ فَبَرِءَ (بخاری)

میرے بھائی کو دست آرہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ، وہ گیا، شہد دیا، پھر آیا اور کہا یارسول اللہ! اس کی تو بیماری اور بڑھ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا جا اور شہد پلاؤ، اس نے جا کر پھر پلایا، پھر حاضر ہو کر یہی عرض کیا کہ دست اور بڑھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا پھر شہد دے۔ تیسری مرتبہ شہد سے بفضل الٰہی شفاء حاصل ہو گئی۔

بعض علماء طب نے کہا ہے ممکن ہے اس کے پیٹ میں فضلے کی زیادتی ہو، شہد نے اپنی گرمی کی وجہ سے اس کی تحلیل کر دی۔ فضلہ خارج ہونا شروع ہوا۔ دست بڑھ گئے۔ اعرابی نے اسے مرض کا بڑھ جانا سمجھا۔ حضور ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اور شہد دینے کو فرمایا اس سے زور سے فضلہ خارج ہونا شروع ہوا پھر شہد دیا، پیٹ صاف ہو گیا، بلا نکل گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے اشارہ کی برکت سے کامل شفاء حاصل ہو گئی۔ (زاد المعاد لابن جوزی ۴/ ۳۶، ۳۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الْحَلْوَاءُ وَالْعَسَلُ (بخاری و مسلم) نبی کریم ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ الشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ، أَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ، وَأَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ، تین چیزوں میں شفاء ہے، پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے روکتا ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ، أَوْ يَكُونُ فِي شَيْءٍ مِنْ

أَدْوِيَتِكُمْ خَيْرٌ: فَفِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ، أَوْ لَذْعَةٍ بِنَارٍ تُوَافِقُ الدَّاءَ، وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ (بخاری) تمہاری دواؤں میں سے کسی میں اگر شفاء ہے یا تمہاری دواؤں میں سے کسی میں بھلائی ہے تو پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے دغوانے میں جو بیماری کے مناسب ہو لیکن میں دغوانے کو پسند نہیں کرتا۔

مسند احمد میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، جس میں آپ ﷺ نے بیماری کے علاج کے لیے یہ تین چیزیں بیان فرمائی ہیں، مگر داغنے والے علاج کو اپنی امت کے لیے پسند نہیں کیا، پچھنے لگوانے سے مراد حجامہ لگوانا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عَلَيْكُمْ بِالشِّفَاءَيْنِ: الْعَسَلُ وَالْقُرْآنُ (ابن ماجہ) تم دو شفاؤں کو لازم رکھو، یعنی شہد اور قرآن کریم کو۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں شہد کو لوگوں کے لیے شفاء قرار دیا اسی طرح دوسرے مقامات پر قرآن کریم کو بھی شفاء قرار دیا، اہل علم نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ قرآن کریم روحانی بیماریوں کے لیے شفاء ہے، بعض کے نزدیک جسمانی بیماریوں کے لیے بھی قرآن کریم شفاء ہے۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت پر ارشاد فرماتے ہیں کہ فَجَمَعَ بَيْنَ الطِّبِّ الْبَشَرِيِّ وَالْإِلَهِيِّ، وَبَيْنَ طِبِّ الْأَبْدَانِ، وَطِبِّ الْأَرْوَاحِ، وَبَيْنَ الدَّوَاءِ الْأَرْضِيِّ وَالدَّوَاءِ السَّمَائِيِّ (طب نبوی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمُ الشِّفَاءَ فَلْيَكْتُبْ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فِي صَحْفَةٍ، وَلْيَغْسِلْهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ، وَلْيَأْخُذْ مِنِ امْرَأَتِهِ دِرْهَمًا عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهَا، فَلْيَشْتَرِ بِهِ عَسَلًا فَلْيَشْرَبْهُ بِذَلِكَ، فَإِنَّهُ شِفَاءٌ (ابن جریر، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸۴) جب تم میں سے کوئی شفاء چاہے تو قرآن کریم کی کسی آیت کو کسی پلیٹ، رکابی پر لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھولے اور اپنی بیوی کے مال سے اس کی اپنی رضامندی سے پیسے لے کر شہد خرید لے اور اسے پی لے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں کئی وجہ سے شفاء آجائے گی، اس پر انہوں نے قرآنی آیات پیش کی ہیں۔ ① ہم نے قرآن کریم میں وہ چیزیں نازل کی ہیں جو شفاء ہیں۔ (الاسراء ۸۲) ② ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔ (سورۃ ق ۹) ③ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے تمہیں کچھ معاف کر دیں تو تم اسے مزہ دار خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔ (النساء ۴) ④ شہد کے بارے میں فرمایا کہ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ (النحل)

ابن ماجہ میں ایک روایت لائی گئی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلَاثَ غَدَوَاتٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيمٌ مِنَ الْبَلَاءِ، جو شخص ہر ماہ تین صبحوں کو شہد چاٹے تو اسے کوئی بڑی مصیبت نہیں آئے گی۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی زبیر بن سعید ہے، جس کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ وہ متروک ہے، اسی طرح اس روایت کو منقطع بھی قرار دیا گیا ہے کیونکہ عبدالحمید بن سالم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نہیں سنی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محدث فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں کہ عبدالحمید بن سالم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا ہے۔ (تہذیب الکمال، حاشیہ ابن ماجہ تعلیق محمد فوآد عبدالباقی) زوائد میں اس روایت کے اسناد کو نرم کہا گیا ہے، جب کہ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی روایت مضطرب ہے (تہذیب التہذیب) علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے طب نبوی میں اس روایت کو مرفوع قرار دیا ہے جب کہ الضعفاء والمتروکون میں اسے ضعیف قرار دیا، یحیٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے زبیر بن سعید ضعیف ہے (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر اسے ثقہ اور دوسرے مقام پر ضعیف قرار دیا ہے (میزان الاعتدال) نسائی اور زکریا بن یحیٰ ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب الکمال) صالح بن

محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے صرف دو تین حدیثیں مروی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں اسے مجہول الحال کہا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عَلَيْكُمْ بِالسَّنَا وَالسَّنُّوتِ، فَإِنَّ فِيهِمَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ (ابن ماجہ) تم سنا اور سنوت کا استعمال کیا کرو ان میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے سام کے۔ لوگوں نے پوچھا سام کیا؟ فرمایا موت۔

آپ ﷺ نے سنا اور سنوت کا ذکر فرمایا ہے، سنا سے مراد تو سنائے مکی ہے، یہ ایک بوٹی ہے جو حجاز میں پائی جاتی ہے، بہترین بوٹی مکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سنا کے بارے میں ارشاد فرمایا لَوْ كَانَ شَيْءٌ يَشْفِي مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ السَّنَا (ترمذی، ابن ماجہ، حاکم) اگر کوئی چیز موت سے شفا دیتی تو سنا تھی۔

حضرت عبد اللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے تحویل قبلہ والی نماز میں شرکت فرمائی تھی، ان کا فرمان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بس سنا اور زیرہ کو استعمال کیا کرو، اس لیے کہ ان دونوں میں سوائے موت کے ہر بیماری کے لیے شفاء ہے، نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ سام کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت۔ (ابن ماجہ)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ تم کس چیز سے دست لاتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ شبرم سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ گرم اور نقصان دہ ہے، کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہم دست لانے کے لیے سنا استعمال کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز موت سے بچاتی تو وہ سنا ہوتی۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

آپ ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے جو سوال کیا کہ تم کس چیز سے دست لاتی ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسانی بول وبراز اندر رک جائے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے، اسی وجہ سے ایسی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں جس سے پائخانہ نرم ہو کر دستوں کی شکل اختیار کرلے، تمشین کا لفظ استعمال فرمایا، یہ لفظ مشی سے ہے، اس کا معنیٰ ہے چلنا، تو جس شخص کو دست آتے ہیں اسے بہت زیادہ

بیت الخلاء میں چل کر جانا پڑتا ہے، ایک روایت میں ایسے الفاظ ہیں جن کا معنٰی ہے کہ تم اس سے کیسے شفاء پاتی ہو؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں شبرم کا بتایا، شبرم ایک قسم کا دودھ ہے یا گوند ہے، درخت سے نکلنے والے دودھ کا اوپر والا چھلکا ہے، چوتھے درجے میں حار یابس ہے، یہ دوا اگر سرخی مائل ہو تو سب سے بہتر ہے، ڈاکٹر حضرات نے کہا ہے کہ چونکہ اس کی وجہ سے بہت زیادہ دست آتے ہیں اس لیے اسے استعمال نہ کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوائی کے ساتھ حار جار کے الفاظ استعمال فرما کر اس کی مضرت اور نقصان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ یہ گرم ہوتی ہے، اس سے بہت زیادہ دست آتے ہیں۔

سنا مکی حجاز میں پیدا ہونے والی ایک بوٹی ہے، جو کہ ایک عمدہ اور بہترین دوا ہے، اس میں نقصان نہیں ہوتا، معتدل دوائی ہے، درجہ اول میں گرم اور خشک ہے، صفراء اور سوداء دونوں کے لیے مسہل ہے (یعنی دست لانے والی ہے) سنا مکی دل کو مضبوط کرتی ہے، باوجود مسہل ہونے کے دل کو مضبوط کرتی ہے، اس لیے یہ اس کی خوبی ہے، وساوس سوداوی کو خصوصاً ختم کرتی ہے، بدن میں پیدا ہونے والی پھٹن کے لیے فائدہ مند ہے، عضلات کو چست کرتی ہے، پرانے درد سر کو ختم کرتی ہے، کھجلی، دانے، خارش اور مرگی کے لیے نافع ہے، بالوں کو گرنے سے بچاتی ہے، جوں سے حفاظت کرتی ہے، اس کا جوشاندہ میں گل بنفشہ موبز منقیٰ بھی پکا لیا جائے تو بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں سنا کے ساتھ سنوت کا بھی ذکر ہے، سنوت کیا چیز ہے؟ اس کے بارے میں علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اقوال ذکر کیے ہیں، ① شہد، ② مکھن کی تلچھٹ جو سیاہ دھاریوں کی صورت میں گھی میں نظر آتے ہیں، ③ زیرہ کی طرح ایک دانہ مگر زیرہ نہیں ہے، ④ زیرہ کرمائی، ⑤ بادیان، ⑥ سویا کے بیج، ⑦ خرما، (شہد جو گھی کے برتن میں رکھا ہوا ہو۔ (طب نبوی)

بعض اطباء نے لکھا ہے کہ یہ طب نبوی کی رو سے زیادہ درست اور عمدہ معنٰی معلوم ہوتا ہے کہ سنا کو اس شہد میں ملا لیا جائے جس میں گھی شامل ہو یعنی سنا کو گھی میں مدبر کر لیا جائے، پھر اسے چاٹا جائے،

اس لیے کہ دوا مفرد کی مفرد رہی اور سنا کی گھی کے ساتھ مدبر ہو کر اصلاح بھی ہو گئی، اسہال (دست لانے میں) میں اور بھی مدد ملے گی۔

قرآن کریم میں شہد کو شفا بتایا گیا ہے، شہد میں بہت زیادہ منافع ہیں، معدہ اور آنتوں کی گندگیوں کو شہد صاف کر دیتا ہے، رطوبات کو حل کر دیتا ہے، خواہ اسے کھایا جائے یا اسے ملا جائے، وہ بوڑھے بزرگ جنہیں بلغم آتی ہو، یا ان کا مزاج ٹھنڈا تر ہو، یا مزاج ٹھنڈا تر اور سرد تر ہو تو اس میں غذائیت بھرپور ہے، پائخانے کو نرم کرتا ہے، معجون میں استعمال کی جانے والی دواؤں میں شہد ملایا جائے تو باقی دواؤں کو خراب ہونے سے بچاتا ہے، ایک عرصہ تک ان دواؤں کو شہد خراب نہیں ہونے دے گا، معجون میں استعمال کی جانے والی بعض وہ دوائیں جن کا ذائقہ ٹھیک نہیں ہوتا شہد انہیں بہتر ذائقہ میں بدل دیتا ہے، ان دواؤں کی نقصان دہ کیفیات کو دور کرتا ہے۔

شہد جگر اور سینے کو صاف رکھتا ہے، شہد استعمال کرنے سے پیشاب کھل کر آتا ہے، بلغمی کھانسی کو دور کرتا ہے، اگر شہد کا روغن گل کے ساتھ گرم گرم استعمال ہو تو کیڑوں مکوڑوں کے ڈنک کے لیے دافع ہے، افیون کھانے والے کے زہر کو کم کرتا ہے، اگر کسی شخص کو باؤلے کتے نے کاٹا ہو تو اسے شہد میں پانی ملا کر پلایا جائے تو اسے باؤلے کتے کے کاٹے پر نفع دیتا ہے، زہریلی بوٹیاں وغیرہ کھانے کا اثر دور کرتا ہے۔

اگر تازہ گوشت شہد میں ڈبو کر رکھ دیا جائے تو تین ماہ تک اس میں بدبو پیدا نہیں ہو گی، اگر کھیرے، ککڑی، کدو، بینگن اور دوسرے تازہ پھل اس میں رکھے جائیں تو چھ مہینے تک عمدہ بہتر حال میں رہتے ہیں، شہد مردہ کے جسم کو بدبودار ہونے سے روکتا ہے، شہد کا نام حافظ، امانت دار اور امین ہے۔

شہد اگر ایسے جسم میں لگایا جائے جس میں جوئیں پڑی ہیں، تو یہ جوؤں اور لیکھوں کو مار ڈالے گا، شہد بالوں پر لگایا جائے تو بالوں کو بڑھاتا ہے، بالوں کو خوبصورت بنانے میں کردار ادا کرتا ہے، بالوں میں نرمی پیدا کرتا ہے۔

اگر شہد کو سرمچو کے ساتھ لگا کر آنکھوں میں لگایا جائے تو آنکھوں کے دھندلکوں کے لیے مفید ہے، اگر شہد کو دانتوں میں پیسٹ کیا جائے تو دانتوں پر چمک اور سفیدی پیدا کرتا ہے، دانتوں کی حفاظت کرتا ہے، مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے، بند رگوں کا منہ کھولتا ہے، ماہواری کے ایام کا خون اچھی طرح بہتا ہے۔

نہار منہ شہد چاٹنے سے بلغم ختم ہو جاتی ہے، معدہ کے اندرونی سطح کو ڈھانکنے والے ریشوں کو غسل دے کر صاف کر دیتا ہے اور معدہ سے تیزابیت کو نکالتا ہے، معدہ کو معتدل گرمی پہنچاتا ہے، معدے کو بند کر دینے والی نالی کو کھولتا ہے، اسی طرح جگر، گردے، مثانے کی بند نالیوں کو کھولتا ہے، تلی اور جگر کی بند نالیوں کو بھی کھولتا ہے، جگر اور تلی کو شوگر کی وجہ سے ہونے والے نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ شہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں وَهُوَ غِذَاءٌ مَعَ الْأَغْذِيَةِ، وَدَوَاءٌ مَعَ الْأَدْوِيَةِ، وَشَرَابٌ مَعَ الْأَشْرِبَةِ، وَحُلْوٌ مَعَ الْحَلْوَى، وَطِلَاءٌ مَعَ الْأَطْلِيَةِ، وَمُفَرِّحٌ مع المفرّحات، فما خلق شَيْءٌ فِي مَعْنَاهُ أَفْضَلُ مِنْهُ، وَلَا مِثْلُهُ، ولا قريبا مِنْهُ. (الطب النوی) شہد غذا کی غذا ہے، دوا کی دوا ہے، شربت کا شربت ہے، حلوہ کا حلوہ، اعلیٰ درجے کا طلاء ہے، فرحت بخش مشروب ہے، قدرت والے نے ان تمام چیزوں میں نفع بخش چیز شہد کی طرح پیدا ہی نہیں کی، نہ اس سے بہتر، نہ اس سے قریب۔ قدیم اطباء کا دستور علاج شہد ہی رہا ہے، شہد کے ارد گرد ہی ان کا علاج گھومتا تھا، قدیم اطباء کی کتابوں میں شکر کا کہیں پتا ہی نہیں چلتا، بلکہ شکر تو آج کے زمانے کی پیداوار ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہار منہ شہد کو پانی میں ملا کر پیا کرتے تھے، یہ صحت کے لیے ایک ایسا چھپا ہوا نسخہ ہے جسے بڑے بڑے زیرک اور عقل مند فاضلین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عُمْرُ الذُّبَابِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا، وَالذُّبَابُ كُلُّهُ فِي النَّارِ إِلَّا النَّحْلَ (مسند ابو یعلیٰ) مکھی کی عمر چالیس دن کی ہوتی ہے سوائے شہد کی مکھی کے، کئی مکھیاں آگ میں بھی ہوتی ہیں۔

انسان کی ابتدا اور انتہاء

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ {۷۰} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہ تمہاری روح قبض کرتا ہے اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس میں پہنچ کر وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا۔ بیشک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔

انسان کو خود اس کی اپنی خلقت (پیدائش) کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ کس طرح اللہ نے تمہیں لاغر اور ناتواں حالت میں ایک بچہ کی حیثیت سے پیدا کیا، پھر بتدریج تمہاری جسمانی حالت کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا گیا اور اس طرح تم بچپن سے لڑکپن، پھر جوانی سے بڑھاپے کی طرف چلتے چلے جاتے ہو۔

کچھ لوگ تو اس کے دوران میں ہی فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ جاتے ہیں جب وہ دوبارہ ایک بچہ کی طرح لاغر اور بے بس ہو جاتے ہیں مگر اللہ کی رضا سے وہ زندہ رہتے ہیں۔ کیونکہ موت وحیات اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہی اس پر قدرت رکھتا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس حال میں اور کتنی دیر زندہ رکھنا ہے۔ جب کہ نکمی عمر سے آنحضرت ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ خود انسان کے لیے اور تمام گھر والوں کے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ بہر حال یہ سب کچھ بھی رب العزت کی قدرت، عظمت اور علیم وخبیر ہونے کی بہت بڑی نشانی ہے۔ (مفہوم القرآن)

اللہ کے مملوک اللہ کے برابر نہیں

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ {۷۱} النحل

جواب اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے، اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے کہ وہ سب برابر ہو جائیں، تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور ان کے کفر کو بیان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے سب انسانوں کو رزق میں برابر نہیں کیا بلکہ بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ یہاں فضیلت سے مراد زیادتی ہے۔ یعنی وہ بعض کو زیادہ رزق دیتا ہے اور بعض کو کم۔

کسی کو اس نے ایسا غنی بنا دیا کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان ہے۔ غلام اور خادم ہیں وہ خود بھی اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اس کے غلاموں اور خدمت گاروں کو بھی اس کے ذریعہ رزق پہنچتا ہے، کسی کو اتنا فقیر و محتاج بنا دیا کہ وہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہے، کسی کو درمیانے حال میں رکھا کہ وہ اتنا غنی بھی نہیں کہ دوسروں پر خرچ کرے اور اتنا محتاج بھی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کی طرف دیکھے۔

اس قدرتی تقسیم کا ایک اثر یہ ہے کہ کوئی بھی غنی آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خادموں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ اس کے خادم اور غلام بھی مال کے اعتبار سے اس کے برابر ہو جائیں۔ مشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں سو جب یہ مشرکین اپنے مملوک غلاموں اور خادموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق و مملوک چیزیں اس کے برابر ہو جائیں۔ کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں؟ (تفسیر احسن البیان)

نعمتوں کا اعتراف اور شرک کی تردید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ

رَزَقْكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ {۷۲} وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ {۷۳} فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ {۷۴} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنا دیں، اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا فرما دیئے، اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کے لیے عطا فرمائیں، کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ وہ ایسوں کو پوجتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ان کے رزق کے کچھ بھی مالک نہیں اور نہ وہ ان کے بس میں ہے۔ بس تم اللہ کے لیے مثالیں مت گڑھو بلاشبہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً: اللہ تعالیٰ ان آیات میں انسان کو اپنی عظیم نعمتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ساتھ ہی شرک کی بے بنیاد حقیقت کو آشکار کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے انس و سکون حاصل کرو اور انہی بیویوں کے ذریعے تمہیں اولاد اور پھر پوتے پوتیاں عطا کیے۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ: اسی طرح اس نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا، جن میں گوشت، غلہ اور مختلف قسم کے پھل شامل ہیں، یہ سب نعمتیں اس کی ربوبیت اور کرم کی واضح نشانیاں ہیں۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ: مگر حیرت ہے کہ انسان ان کھلی ہوئی نعمتوں کو دیکھنے کے باوجود باطل معبودوں پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی بے شمار نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے، حالانکہ وہ نعمتیں ایسی کثرت سے ہیں کہ انسان ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا: پھر فرمایا کہ یہ مشرک لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ آسمانوں سے کوئی رزق دینے کی

قدرت رکھتے ہیں اور نہ زمین سے، درحقیقت وہ محض بے جان جمادات ہیں جن میں نہ زندگی ہے، نہ علم اور نہ اختیار، لہٰذا نہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اس کے باوجود انہیں معبود بنالینا عقل و فطرت دونوں کے خلاف ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ: اسی لیے اللہ تعالیٰ واضح ہدایت دیتا ہے کہ تم ان بے حقیقت بتوں کو اللہ کا ہمسر اور شریک نہ ٹھہراؤ، کیونکہ اللہ کے لیے کوئی مثال اور نظیر نہیں، وہی ذات ہے جو کمالِ علم اور صفاتِ جلال و جمال کی مالک ہے، جب کہ انسان اپنی محدود عقل کے باعث ان حقیقتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتا، پس انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کو پہچانے، اسی کی عبادت کرے اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

آقا اور غلام برابر نہیں ہو سکتے

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۷۵} النحل.

جواب ترجمہ: اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے۔ وہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب رزق دیا سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہیں۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے، جس میں اہل شرک کے عقیدے کی خرابی کو واضح کیا ہے، کہ ایک شخص ہے جو مملوک ہے، وہ کسی ایسی چیز میں تصرف کرنے سے عاجز ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور ایک وہ شخص ہے جو آزاد ہے، اس کے پاس رزق حلال بھی ہے جو اسے اللہ نے دیا ہے، وہ اس میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، وہ اس میں سے علانیہ بھی دیتا ہے اور پوشیدہ طور پر بھی

دیتا ہے، تو کیا کوئی عاقل و دانا شخص ان دونوں کے درمیان برابری قرار دے سکتا ہے؟

اسی طرح اللہ جل شانہ پیدا کرنے والا ہے، مالک ہے، وہ متصرف ہے، وہ اپنی مخلوق، اپنے غلاموں کے برابر نہیں ہے، تو تم لوگ ان کے درمیان کیسے برابری قائم کرتے ہو؟ تمام کامل تعریفیں اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، وہ حمد و ثناء کا مستحق ہے۔

مشرک کی بے بسی کی مثال

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۷۶} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے دو آدمیوں کی، ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اور) کوئی کام نہیں کر سکتا (اس لئے) وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے، وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا، کیا وہ (گونگا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے۔ (النحل)

اللہ تعالیٰ یہاں شرک کے باطل ہونے پر ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں کہ مثال کے طور پر دو آدمی ہیں، ان میں ایک گونگا ہے، جو نہ ہی کوئی بات سمجھتا ہے اور نہ ہی سمجھا سکتا ہے، نہ اسے اپنے نفع کا پتا ہے اور نہ دوسروں کے نفع کا پتا ہے، جو شخص اس کے سپرد کوئی کام کرتا ہے وہ اس کے لیے بوجھ بن جاتا ہے، جب کوئی شخص اسے کسی کام کے لیے روانہ کرتا ہے تو وہ کامیابی کے ساتھ واپس نہیں لوٹتا، خیر کے ساتھ واپس نہیں آتا۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کے حواس قائم ہیں، وہ اپنے لیے بھی مفید ہے اور دوسروں کے لیے بھی، وہ انصاف کی بات کرتا ہے، وہ ایک سیدھے راستے پر ہے جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں ہے، تو کیا یہ

دونوں لوگ اہل عقل و فہم کے ہاں برابر ہیں؟ جب یہ دونوں برابر نہیں تو پھر تم ان گونگے بہرے بتوں اور اللہ قادر کے درمیان کس طرح برابری کرتے ہو، اللہ تو وہ ذات ہے جو ہر عمدہ نعمت دینے والی ہے۔

اَبۡکَمُ کا ایک معنیٰ یہ ہے جو بات سمجھتا بھی نہیں ہے، سننے اور دیکھنے سے بھی محروم ہے، اہل علم کہتے ہیں کہ پیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے، وہ اپنی ذات کے لیے بھی مفید نہیں اور دوسروں کی ذات کے لیے بھی مفید نہیں ہے۔

قدرت الٰہی کی نشانیاں اور انسانی ذمہ داری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾ النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں، اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ قریب، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل پیدا فرمائے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں، اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں روکتا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو ایمان لاتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور بے پایاں نعمتوں کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ حقیقتوں کا علم صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، کوئی مخلوق اس علم میں اس کی شریک نہیں، قیامت کا معاملہ بھی انہی غیبی امور میں سے ہے اور اس کا برپا ہونا اللہ کے لیے اتنا

ہی آسان ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے اور جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: "ہو جا" اور وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا: یہاں انسان کو اپنی ابتدائی حالت یاد دلائی جاتی ہے کہ اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ: اس کے بعد اسی نے تمہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل عطا کیے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: تاکہ تم ان نعمتوں کو پہچان کر اپنے رب کا شکر ادا کرو، در حقیقت علم و شعور کی یہ تمام صلاحیتیں اللہ ہی کی عطا ہیں اور انہی کے ذریعے انسان حق کو پہچان سکتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ: اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ ایک اور واضح نشانی کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے آسمان کی فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا؟ وہ کس طرح اللہ کے عطا کردہ پروں اور اس کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے پر سمیٹتے اور پھیلاتے ہیں اور ہوا میں معلق رہتے ہیں۔

مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ: حقیقت یہ ہے کہ انہیں گرنے سے بچا کر فضا میں قائم رکھنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے، یقیناً اس حیرت انگیز نظم اور قدرت میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ حقیقت میں یہی لوگ ان نشانیوں سے سبق اور ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ؕ کا کیا مطلب ہے؟

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ {۸۰} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لیے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی، اور تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے جن کو تم سفر کرنے کے لیے اور مقام کرنے کے دن ہلکا پاتے ہو، اور اونوں اور اونٹوں کے بالوں اور دوسرے بالوں سے گھر کا سامان اور دوسری چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں۔

ان انعامات کا ذکر فرمایا جن سے ہر شخص ہر وقت مستفید ہوتا ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے ان کی اہمیت کا احساس بہت کم ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آسانیاں اور سہولتیں جن کو ہم خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ اگر ہم سے چھین لی جائیں تو زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے۔ اس آیت میں انہی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن سے ہم ہر وقت لطف اندوز ہوتے ہیں کہ دیکھو یہ کس کی کرم گستریاں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان سے دل نہ لگا بیٹھنا، انہیں ایک دن چھوڑنا ہو گا، مبادا اس دل بستگی کی وجہ سے چھوڑتے وقت تمہیں تکلیف ہو۔

تَسْتَخِفُّوْنَهَا: تَجِدُوْنَهَا خَفِيْفَةً یعنی تم ان کو ہلکا پھلکا پاتے ہو اور چمڑے وغیرہ کے بنے ہوئے خیمے بڑی آسانی سے سفر میں اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہو۔ اثاث: متاع البیت گھریلو استعمال کا سامان بستر سے چادریں لباس وغیرہ۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

سائے اور مکانات

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ

{۸۱} النحل.

جواب ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لیے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے بنادیئے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنادیں اور تمہارے لیے کرتے بنادیئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں جو تمہیں لڑائی میں بچاتی ہیں اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار ہو جاؤ۔

انسان کے لیے ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جارہا ہے، کہ اللہ نے تمہیں درختوں، عمارتوں، ٹیلوں اور پہاڑوں سے تمہیں سایہ مہیا کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں، کھوہ بنائی، رہائش گاہیں بنادیں جن میں ضرورت کے وقت اقامت اختیار کرتے ہو، اللہ ہی نے کاٹن اور اُون وغیرہ سے انسان کے لیے کپڑوں کا ساز وسامان بنایا، یہی لباس انسان کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ نے لوہا بنایا، اس لوہے سے میدان جنگ میں لڑائی کے دوران تکلیف دہ چیزوں سے بچا جاسکتا ہے، تیر و تفنگ سے بچا جاسکتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان نعمتوں سے مالامال کیا ہے، اسی طرح دین حق کے بیان کے ساتھ اس نعمت کی تکمیل بھی کرنا چاہتا ہے، تاکہ انسان اکیلے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اتباع اور پیروی کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

کفار کی رُوگردانی، شہادتِ انبیاء اور شہادتِ مصطفیٰ ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ{۸۲}يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ{۸۳}وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ{۸۴}وَإِذَا رَأَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ{۸۵}وَإِذَا رَأَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ{۸۶}وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ{۸۷}اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ{۸۸}وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ{۸۹} النحل

جواب ترجمہ: سو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان لوگوں کو اجازت نہ دی جائے گی جنہوں نے کفر کیا، اور نہ ان سے اس بات کی فرمائش کی جائے گی کہ اللہ کو راضی کر لیں۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

اور جن لوگوں نے شرک کیا جب اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے وہ شرکاء ہیں آپ کو چھوڑ کر ہم جن کی عبادت کرتے تھے، سو وہ ان کی طرف بات ڈالتے ہوئے کہیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو۔ اور اس دن اللہ کے حضور میں فرمان برداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افتراء پردازی کرتے تھے۔ وہ سب گم ہو جائے گی، جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم عذاب پر ان کا عذاب بڑھا دیں گے اس سبب سے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہو گا وہ ان کے خلاف گواہی دے گا، اور ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرمان برداروں کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے اور خوشخبری ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے منہ موڑتے ہیں تو آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچا دیں، ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ: چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مشرکین اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے رسول ﷺ کو بھیجا، مگر اس کے باوجود وہ ناشکری کرتے ہوئے ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور رسول کی تکذیب پر اصرار کرتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ اسی سرکشی اور انکار میں مبتلا ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا: یہاں قیامت کے دن کا منظر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر امت میں سے اسی امت کے رسول کو گواہ بنا کر کھڑا کرے گا، جو یہ شہادت دے گا کہ اس نے اپنی قوم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔

ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ: اس وقت کافروں کو نہ عذر پیش کرنے کی اجازت ہو گی اور نہ انہیں دنیا میں واپس لوٹنے کا موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں، کیونکہ آخرت عمل کی جگہ نہیں بلکہ حساب و جزا کا میدان ہے۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ: جب ظالم مشرکین عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی، بلکہ وہ اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ: اسی دن ایک اور عبرتناک منظر سامنے آئے گا کہ مشرکین اپنے ان معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں وہ دنیا میں اللہ کے سوا پوجتے تھے، وہ اللہ کے حضور عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! یہی وہ معبود ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پوجتے تھے، ایسی بات کرنے سے ان کا مقصد یہ ہو گا کہ اپنے گناہ کا بوجھ ان پر ڈال دیں۔

فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ: مگر اللہ تعالیٰ ان باطل معبودوں کو بولنے کی قدرت دے

گا اور وہ صاف کہہ دیں گے کہ تم اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہو، کیونکہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ عبادت کا حق حاصل ہے۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ: اس وقت مشرکین بے بس ہو کر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے اور ان کے وہ تمام باطل دعوے ختم ہو جائیں گے جن کے ذریعے وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ یہاں فرمایا گیا کہ جو لوگ خود بھی کفر میں مبتلا رہے اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتے رہے، ان کے لیے عذاب میں مزید اضافہ کر دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے نہ صرف خود گمراہی اختیار کی بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا سبب بنے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ: یہاں قیامت کے دن کا ایک اور اہم پہلو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دن ہر امت میں ایک رسول گواہی دینے کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ: اور اے میرے حبیب ﷺ! آپ کو تمام امتوں پر گواہ بنایا جائے گا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ: اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا جو ہر اس چیز کی وضاحت کرتا ہے جس کی انسان کو ہدایت کے لیے ضرورت ہے، خواہ وہ حلال و حرام کے احکام ہوں یا ثواب و عقاب کی حقیقتیں، یہ قرآن دراصل لوگوں کے لیے ہدایت، اہلِ ایمان کے لیے رحمت اور مومنوں کے لیے اس دائمی نعمت کی خوشخبری ہے جو آخرت میں ان کا انتظار کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ{۹۰}النحل

جواب ترجمہ: بلاشبہ اللہ عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش کاموں سے اور برائیوں سے اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں اپنی ذات کے بارے میں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ کی توحید کے بارے میں عدل وانصاف سے کام لیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، بندوں کے حق کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے، اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں احسان کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، جو جو فرائض شریعت نے ذمہ لگائے ہیں انہیں پورا کیا جائے، مخلوق کے فرائض اقوال وافعال کی صورت میں ادا کیے جائیں، اللہ تعالیٰ قریبی رشتہ داروں کو صلہ رحمی اور نیکی کے طور پر دینے کا حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے منع کرتا ہے جو قول وعمل کے لحاظ سے برا ہے، جسے شریعت ناپسند کرتی ہے، روکتی ہے، کفر ومعاصی سے شریعت روکتی ہے، لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنے سے شریعت منع کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اسی امر اور اسی نہی کے ذریعے انسان کو نصیحت کرتا ہے، انہیں ان کا انجام یاد دلاتا ہے، تاکہ وہ اللہ کے اوامر کو یاد کریں اور ان سے نفع اٹھائیں۔

ایفائے عہد کی تاکید اور عہد شکنی کی مذمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ{۹۱}وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ{۹۲}وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ{۹۳}النحل

جواب ترجمہ: اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد مت توڑو، اور تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو، بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو، بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے، اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بیان فرمادے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا تم جو اعمال کرتے تھے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو عہد و پیمان کی پابندی کا حکم دیتا ہے اور عہد شکنی کی سخت مذمت فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم اللہ کے نام پر کوئی عہد کرو یا لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ باندھو تو اسے پورا کرو، اور اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ: کیونکہ تم نے اللہ کو ان پر گواہ بنایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی اور وہ ہر عمل کے مطابق جزا یا سزا دینے والا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا: پھر عہد شکنی کی قباحت کو ایک نہایت بلیغ مثال کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو بے عقلی اور حماقت سے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، جیسے ایک نادان عورت محنت سے سوت کاتتی ہے، اسے مضبوطی سے بُن لیتی ہے،

مگر پھر خود ہی اسے کھول کر، اُدھیڑ کر برباد کر دیتی ہے، اس طرح اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے اور اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ : اسی طرح وہ لوگ بھی سراسر حماقت کا ارتکاب کرتے ہیں جو اپنے عہد و پیمان کو دھوکے اور فریب کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور اپنی قسموں کو اس لیے توڑ دیتے ہیں کہ کوئی قوم دوسری قوم سے زیادہ طاقتور یا بڑی ہو جائے۔

اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ: درحقیقت اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کرتا ہے کہ تم عہد کی وفاداری اختیار کرتے ہو یا اسے توڑ دیتے ہو۔

وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان تمام اختلافات کو واضح کر دے گا اور سچ اور جھوٹ، حق اور باطل کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ: یہاں فرمایا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا جو حق پر متفق ہوتی، لیکن اس نے اپنی حکمت کے تحت انسانوں کو اختیار دیا ہے، چنانچہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے عدل کے مطابق گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت اور توفیق عطا فرماتا ہے۔

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: البتہ یہ بات یقینی ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان سے اس کے تمام اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کا انجام مقرر ہو گا۔

عہد شکنی اور دوستوں کے ساتھ دھوکہ بازی

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے،

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ {۹۴} النحل

جواب ترجمہ: اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ جمنے کے بعد قدم پھسل

جائے اور تم اللہ کی راہ سے روکنے کا عذاب چکھو اور تمہارے لیے بڑا عذاب ہے۔

یہاں عہد شکنی اور دوستوں سے غدر اور دھوکہ بازی سے روکا جارہا ہے نیز عہد شکنی وغیرہ پر جو برے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف بھی ملت اسلامیہ کی توجہ مبذول کرائی جارہی ہے کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی عہد شکنی کا بہانہ مل جائیگا۔ نیز جب تمہاری عہد شکنی کا پردہ چاک ہوگا تو تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بد ظن ہو جائیں گے اور ان کا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جب اس دین کے پہلے ماننے والے ایسی خسیس حرکتیں کرتے ہیں تو ایسے دین کو دور سے ہی سو سلام، اس کے علاوہ دنیا میں تمہارا بھرم کھل جائیگا۔ اور تمہارے قول و قرار پر کسی کو اعتماد نہیں رہیگا۔ جس طرح تم اپنے معاملات اور معاہدات میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو تمہارے دوست بھی تمہارے ساتھ مخلصانہ برتاؤ نہیں کرینگے۔ یہ ساری خرابیاں جو تمہاری عہد شکنی پر مرتب ہوں گی ان کے تم ذمہ دار ہوگے۔ اور تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ قرآن حکیم کی یہ تعلیمات کتنی واضح ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو معاہدہ کی ہر قیمت پر پابندی کا کتنا صاف حکم دے رہا ہے۔ کتنی خوبی سے ان برے نتائج کی نشاندہی فرمائی۔ جو ایک مسلمان کی عہد شکنی پر مرتب ہوتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں۔ اب ہم اس کوتاہی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ذَوْقُ السُّوءِ فِي الدُّنْيَا هُوَ مَا يَحِلُّ بِهِمْ مِنَ الْمَكْرُوهِ (قرطبی) دنیا میں برائی (یا عذاب) کا مزہ کھنا یہ ہے کہ ان پر کوئی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیز نازل ہو جائے۔ ذوق السوء سے مراد وہ مصیبت تکلیف یا ناپسندیدہ حالات جو انسان پر آپڑتے ہیں۔

وفائے عہد کی قدر اور عمل صالح کا اجر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۹۵}

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۹۶}مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۹۷}النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ضرور ضرور ان کے اچھے کاموں کے عوض دیدیں گے۔ جس کسی مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مومن ہے تو ہم اسے ضرور اچھی زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کام کے عوض ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا : اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو یہ تنبیہ فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو دنیا کے کسی معمولی فائدے کے بدلے نہ بیچ ڈالیں، عہد شکنی کے بدلے جو تھوڑا سا دنیاوی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ حقیقت میں نہایت حقیر اور عارضی ہے۔

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: جب کہ اللہ کے پاس جو اجر اور انعام ہے وہ کہیں زیادہ بہتر اور دائمی ہے، دنیا میں اس کے نتیجے میں نصرت اور کامیابی مل سکتی ہے اور آخرت میں ہمیشہ کی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں، اس لیے اگر انسان حقیقت کو سمجھ لے تو وہ کبھی اللہ کے عہد کو معمولی فائدے کے لیے ترک نہیں کرتا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ : اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا کی حقیقت سمجھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، خواہ مال ہو یا لذتیں اور آسائشیں، وہ سب فنا ہونے والا ہے، چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، عقل کا تقاضا یہی ہے کہ فانی چیز کے مقابلے میں باقی رہنے والی نعمت کو ترجیح دی جائے۔

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: چنانچہ جو لوگ صبر کے ساتھ

اپنے عہد کو نبھاتے ہیں اور اسے نہیں توڑتے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر عطا فرمائے گا، بلکہ اس کی رحمت کا معاملہ یہ ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک بڑھا دیا جاتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً : یہاں ایک عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ایک پاکیزہ اور خوشگوار زندگی عطا فرمائے گا، یہ زندگی دراصل دل کے اطمینان، اللہ کی تقدیر پر رضا، قناعت اور نیکی کی توفیق سے عبارت ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ اجر عطا کیا جائے گا، یوں ایمان اور عملِ صالح انسان کے لیے دنیا میں سکون اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

تلاوتِ قرآن اور شیطان

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ {۹۸} اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ {۹۹} اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ {۱۰۰} النحل

جواب ترجمہ: سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک تجویز کرتے ہیں

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ : یعنی جب آپ کتاب اللہ کی قرأت کا ارادہ کریں، جو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ شرف کی حامل اور جلیل ترین کتاب ہے، اس کتاب

میں دلوں کی اصلاح اور بہت سے علوم پنہاں ہیں، بندہ جب فضیلت والے امور کی ابتدا کرتا ہے تو شیطان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ بندے کو ان کے مقاصد اور معانی سے دور کر دے، شیطان کے شر سے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے لئے التجا کرے، چنانچہ کتاب اللہ کی قرأت کرنے والا تعوذ کے معانی میں تدبر کے ساتھ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے کہ وہ شیطان کے شر کو اس سے دور رکھے گا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ: قرآن کریم کی قرأت و تلاوت کرنے والا شخص شیطان کے وسوسوں اور ردی افکار کو دور جھٹکنے کی پوری کوشش کرے اور ان وسوسوں کو دفع کرنے کے لئے مضبوط ترین سبب استعمال کرے اور وہ ہے ایمان اور توکل کے زیور سے آراستہ ہونا اس لئے کہ شیطان لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ اسے کوئی تسلط حاصل نہیں۔ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ " ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر " جس کا کوئی شریک نہیں يَتَوَكَّلُوْنَ "بھروسہ کرتے ہیں" پس اللہ تبارک و تعالیٰ توکل کرنے والے اہل ایمان سے شیطان کے شر کو دور ہٹا دیتا ہے اور شیطان کو ان پر کوئی اختیار نہیں رہتا۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ: یعنی شیطان کا تسلط صرف انہی لوگوں پر ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں" اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی سے نکل کر شیطان کی اطاعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو شیطان کی سرپرستی میں دے دیتے ہیں، شیطان ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُبھارتا رہتا ہے اور انہیں جہنم کے راستوں پر لے جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی)

قرآن کریم بطور معجزہ اور اعتراض کفار کا جواب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

يَعْلَمُوْنَ {۱۰۱}قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ{۱۰۲}النحل

جواب ترجمہ: اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو مخاطبین کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے، بلکہ ان ہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں۔(اے میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ان لوگوں کو مضبوط کرے جو ایمان لائے اور یہ کلام ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس اعتراض کا ذکر فرماتا ہے جو وہ نزولِ قرآن کے بارے میں کرتے تھے، ارشاد ہوتا ہے کہ جب ہم ایک آیت کے بدلے دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس موقع پر کیا نازل کرنا مناسب ہے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے یہ بات خود گھڑ لی ہے، دراصل ان کا مطلب یہ تھا کہ جب رسولِ اکرم ﷺ پہلے کے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح کسی حسی معجزے کے بجائے قرآن کی آیات پیش کرتے تو وہ اس کو قبول کرنے کے بجائے یہ الزام لگاتے کہ یہ سب آپ کی اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آیات اور معجزات کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس زمانے اور کس قوم کے لیے کون سا معجزہ زیادہ مناسب ہے، اللہ کا علم کامل اور بے مثال ہے، اس کے علم کا کسی کے علم سے کوئی مقابلہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کامل علم و حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کو ایسا معجزہ عطا کیا جائے جو وقتی اور محدود نہ ہو بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہو، چنانچہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے معجزات حسی نوعیت کے تھے جو ایک خاص زمانے تک محدود رہے اور انہیں صرف اسی وقت کے لوگ دیکھ سکے،

اس کے برعکس قرآن کریم ایک دائمی اور زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کو چیلنج دیتا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ یہ معجزہ نہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے بلکہ اس میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور ان کی تعلیمات کا ذکر بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔

مشرکین اس واضح دلیل کے باوجود انکار کرتے ہوئے کہتے تھے اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا مُفۡتَرٍ یعنی آپ ﷺ نے یہ سب باتیں خود گھڑ لی ہیں اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس الزام کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کو نہیں جانتے، اس ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگرچہ ایمان لانے والے تعداد میں کم تھے، مگر حقیقت کو سمجھنے اور پہچاننے والے وہی تھے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں "آیت" سے مراد قرآن کی وہ آیات لی ہیں جن میں نسخ کا معاملہ پیش آتا ہے، یعنی ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم آجانا، لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں مراد سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حسی معجزات کے مقابلے میں قرآن کے دائمی معجزہ کا آنا ہے، اس رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے وقتی اور محدود معجزات کے بجائے ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا جو قیامت تک باقی رہے اور تمام انسانوں کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت کی روشن دلیل بن کر قائم رہے، یوں قرآن کریم اپنی حقیقت میں ایک دائمی معجزہ ہے جو ہر زمانے میں انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتا اور اس کی صداقت کی گواہی دیتا رہتا ہے۔

قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ منکرین کے اعتراضات کا واضح جواب دیں، فرمایا گیا کہ (اے میرے حبیب ﷺ) آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس قرآن کو روح الامین، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں، یہ کتاب ایسی سچی اور برحق ہے جس میں نہ کسی قسم کی غلطی کا احتمال ہے، نہ اس میں تحریف یا تبدیلی کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: قرآن کے تدریجی نزول میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں، جب اس کی نئی آیات نازل ہوتی تھیں یا بعض احکام میں تبدیلی آتی تھی تو اس سے اہلِ ایمان کے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہوتا تھا، یوں ہر نیا نزول ان کے یقین کو تازگی بخشتا اور انہیں دین پر ثابت قدم رکھتا تھا۔

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ: اسی کے ساتھ یہ قرآن اہلِ ایمان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے جو انہیں حق کی راہ دکھاتا ہے اور ان کے لیے خوشخبری بھی ہے کہ اگر وہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم اجر اور دائمی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

عجمی عربی کو کیسے سکھا سکتا ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ {۱۰۳} النحل.

جواب ترجمہ: اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، حالانکہ وہ آدمی جس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے۔

شانِ نزول: اسباب النزول میں مرقوم ہے کہ دو غلام تھے جو عین التمر کے نصرانی لوگوں میں سے تھے ان میں سے ایک نام یسار تھا اور دوسرے کا نام جبر تھا یہ دونوں تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ تھے یہ دونوں غلام اپنی زبان میں اپنی کتابیں پڑھتے تھے رسول اللہ ان کے پاس سے گزرتے تھے تو ان کی قرأت یعنی ان کی کتابوں کا پڑھنا سنتے تھے مشرک لوگ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان غلاموں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اللہ نے یہ آیت نازل کر کے مشرکوں کی تکذیب کر دی، لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ، مگر جس کی طرف (تعلیم) کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ (اسباب النزول نیشاپوری)

شاہ محمد مظہر اللہ دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہاں مشرکین مکہ کا دوسرا اعتراض قرآن کی نسبت اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایک آدمی محمد ﷺ کو یہ قرآن سکھاتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ایک رومی غلام مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اکثر رہا کرتا اور قرآن مجید سیکھا کرتا تھا۔ مشرک کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ اس سے سیکھ کر ہم سے بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ افترا اس آیت کو نازل کر کے باطل کر دیا کہ جس شخص کی زبان عربی نہیں ہے اس شخص کو اللہ کے رسول کا استاذ قرار دیتے ہیں۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید فصیح و بلیغ زبان عربی میں نازل ہوا ہے پھر یہ کس طرح عجمی شخص کی تعلیم قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ مشرکین مکہ خود عربی زبان کے بڑے ماہر اور نہایت فصیح و بلیغ ہیں، پھر بھی ایک سورۃ اس قرآن کی سورۃ جیسی نہیں بنا سکتے اور غیر زبان والے کو بتلاتے ہیں کہ محمد ﷺ اس سے قرآن کی آیتیں سیکھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا جو کلام آیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی کے نازل ہوا ہے۔ (تفسیر مظہر القرآن)

ایمان سے محرومی اور جھوٹ کے اصل مرتکب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ {۱۰۴} اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ {۱۰۵} النحل

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہی لوگ جھوٹ کا افتراء کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ واقعی جھوٹے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ: یہاں اللہ تعالیٰ کفار کے اس الزام کی حقیقت واضح فرماتا ہے جو وہ رسولِ اکرم ﷺ پر لگاتے تھے، فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ

کی آیات کو یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، اور اپنی اس ضد و ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کی توفیق نہیں دیتا، ان کا یہ انکار دراصل ان کے اپنے دلوں کی سرکشی کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ کا انکار کیا اور اس کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: یہاں کفار کے اس الزام کی تردید فرمائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن خود گھڑ لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہرگز جھوٹ گھڑنے والے نہیں ہیں، بلکہ جھوٹ گھڑنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، کیونکہ جو شخص نہ اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور نہ اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے، اس کے لیے جھوٹ بولنا آسان ہو جاتا ہے، اس طرح قرآن واضح کر دیتا ہے کہ جھوٹ کا اصل الزام انہی منکرین پر عائد ہوتا ہے، کیونکہ کذب و افتراء ان کی عادت بن چکا ہے، جب کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت سراسر صدق و امانت سے معمور ہے۔

جن سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا گیا

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ {۱۰۶} ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ {۱۰۷} اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ {۱۰۸} لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ {۱۰۹} ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۱۰} النحل

جواب ترجمہ: جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا مگر جس شخص پر زبردستی کی

گئی اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے لیکن جس نے دل کھول کر کفر اختیار کر لیا سو ان پر اللہ کا غصہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا اور بلاشبہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی، اور یہ لوگ واقعی غافل ہیں۔ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو بلاشبہ آپ کا رب ان چیزوں کے بعد بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے والد یاسر کو ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے علاوہ بلال رضی اللہ عنہ کو خباب رضی اللہ عنہ کو اور سالم رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا (اور انہیں سزا دی) البتہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو انہوں نے دو انٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ان کی شرم گاہ پر نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا انہیں یہ کہا گیا کہ تم نے مردوں کی خاطر اسلام قبول کیا ہے یہ کہہ کر انہیں قتل کر دیا اور ان کے ساتھ ان کے خاوند کو بھی قتل کر دیا، اسلام کی تاریخ میں یہ پہلے شہید ہونے دو افراد ہیں۔

رہا عمار تو انہوں نے مجبوراً انہیں وہ کچھ کہہ دیا جس کا انہوں نے مطالبہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ عمار کافر ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گز نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، عمار سر سے لے کر قدموں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے، ایمان اس کے گوشت اور خون میں سرایت کر چکا ہے، عمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آنسو پونچھنے لگے اور فرماتے گئے اگر انہوں نے تجھے دوبارہ پکڑ لیا تو دوبارہ وہی کچھ کہہ دو جو کچھ پہلے کہہ چکے ہو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت مکہ کے ایمان لانے والے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مدینے میں رہنے والے لوگوں نے انہیں لکھ بھیجا کہ تم ہجرت کرو کیونکہ ہم تم کو اپنے میں سے نہیں

سمجھتے، جب تک تم ہجرت کر کے ہمارے پاس نہیں آتے چنانچہ مکہ کے مسلمان مدینے کے ارادے سے نکلے لیکن قریش نے ان کو راستے میں پکڑ لیا اور ان کو مجبور کر کے فتنے اور آزمائش میں ڈال دیا، انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ (اسباب النزول نیشاپوری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حال کو بیان فرماتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے اس ارتداد کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی عارضی زندگی اور اس کے معمولی فائدوں کو ترجیح دے دی، دنیا کے چند روزہ مفادات کی خاطر انہوں نے دائمی نعمتوں والی آخرت کو نظر انداز کر دیا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ: پھر ان لوگوں کے بارے میں ربانی فیصلہ سنا دیا گیا کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا، کیونکہ انہوں نے خود کفر اور گمراہی کو اختیار کیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ: یہاں ان کی روحانی حالت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل نصیحت کو سمجھنے سے محروم ہو گئے ہیں، ان کے کان حق کو سن کر فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں رہے اور ان کی آنکھیں اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود حقیقت تک نہیں پہنچ پاتیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ: یہی لوگ دراصل غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، جو نہ اپنی سعادت کے اسباب کو پہچانتے ہیں اور نہ اس عذاب کو یاد رکھتے ہیں جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: اسی بنا پر قیامت کے دن یہی لوگ سب سے بڑے خسارے میں ہوں گے، کیونکہ انہوں نے ایمان کی نعمت کھو دی اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال دیا، اگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہتے تو جنت کی دائمی نعمتوں کے مستحق بنتے، مگر انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا: یہاں اللہ تعالیٰ ان کمزور اور مظلوم اہلِ ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے امید اور رحمت کی بشارت سناتا ہے جنہیں مشرکین نے سخت اذیتیں دیں اور دین کے معاملے میں آزمائش میں ڈالا، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن سے سخت مجبوری کے عالم میں کلمۂ کفر کہلوالیا گیا، حالانکہ ان کے دل ایمان پر مطمئن تھے، پھر انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی، اس کے راستے میں جہاد کیا اور ان مشکلات پر صبر کیا۔

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رب ان آزمائشوں کے بعد یقیناً بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، کیونکہ انہوں نے کفر کا کلمہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ جبر اور مجبوری کے تحت کہا تھا، یوں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ذریعے ان مظلوم اہلِ ایمان کو معافی اور رحمت کی خوشخبری عطا فرماتا ہے۔

قیامت کے دن روح اور جسم کا جھگڑا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ {۱۱۱} النحل

جواب ترجمہ: جس دن کہ ہر جان اپنے ہی لئے جھگڑتی آئے گی اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا (اس دن کافروں کا کیا حال ہوگا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ روز قیامت لوگوں میں خصومت یہاں تک بڑھے گی کہ روح و جسم میں جھگڑا ہوگا، روح کہے گی یاربّ نہ میرے ہاتھ تھا کہ میں کسی کو پکڑتی، نہ پاؤں تھا کہ چلتی، نہ آنکھ کہ دیکھتی، جسم کہے گا یاربّ میں تو لکڑی کی طرح تھا نہ میرا ہاتھ پکڑ سکتا تھا، نہ پاؤں چل سکتا تھا، نہ آنکھ دیکھ سکتی تھی، جب یہ روح نوری شعاع کی طرح آئی تو اس سے میری زبان بولنے لگی، آنکھ بینا ہوگئی، پاؤں چلنے لگے جو کچھ کیا اس نے کیا، اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان

فرمائے گا کہ ایک اندھا اور ایک لولا دونوں ایک باغ میں گئے، اندھے کو تو پھل نظر نہیں آتے تھے اور لولے کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا تو اندھے نے لولے کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح انہوں نے پھل توڑے تو سزا کے وہ دونوں مستحق ہوئے۔ اس لئے روح اور جسم دونوں ملزم ہیں۔ (خزائن العرفان)۔

انکار رسالت کی کڑی سزا

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ اس بستی سے کونسی بستی مراد ہے؟ اور اللہ نے بھوک اور خوف کا لباس ان لوگوں کو کیوں پہنایا؟

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ{۱۱۲} النحل

جواب ترجمہ: اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی۔ یہ بستی امن والی تھی اطمینان والی تھی اس کا رزق ہر جگہ سے بڑی فراغت کے ساتھ اس کے پاس آتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا۔

اس بستی سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جو امن کا گہوارہ اور اطمینان کی جگہ تھی، اس بستی میں کسی کو پریشان نہیں کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے جہلا بھی اس کا احترام کرتے تھے حتیٰ کہ اس بستی میں کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کے قاتل کو بھی دیکھتا تو اس کا جذبہ انتقام جوش نہیں مارتا تھا، حالانکہ ان میں عربی حمیت و تکبر بہت زیادہ تھا۔ مگر مکہ مکرمہ میں کامل امن تھا جو کسی اور شہر میں نہ تھا۔

اسی طرح اس کو کشادہ رزق سے بھی نوازا گیا تھ، مکہ مکرمہ ایسا شہر تھا جہاں کھیتیاں تھیں نہ باغات بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کو آسان کر دیا تھا، ہر سمت سے ان کو رزق پہنچتا تھا۔ پس ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا، جس کی صداقت اور امانت کو وہ خوب جانتے تھے جو انہیں کامل ترین امور کی طرف دعوت دیتا تھا اور انہیں بری باتوں سے روکتا تھا۔ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا اور اللہ

کی نعمت کی ناشکری کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو امن و اطمینان کے برعکس بدامنی کا مزہ چکھایا، انہیں بھوک کا لباس پہنا دیا جو خوشحالی کی ضد ہے اور اس پر خوف طاری کر دیا جو امن کی ضد ہے۔ یہ سب ان کی بداعمالیوں، ان کے کفر اور ان کی ناشکری کی پاداش میں تھا۔ (تفسیر السعدی)

نعمت الٰہی کی ناقدری: شکر گزاری کا حکم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ {۱۱۳} فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ {۱۱۴} النحل

جواب ترجمہ: اور البتہ ان کے پاس انہیں میں سے رسول آیا سو اس نے انہیں جھٹلایا۔ لہٰذا انہیں ذاب نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔ سو اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں رزق حلال پاک عطا فرمایا اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ کے پاس انہی میں سے ایک رسول تشریف لائے، جنہیں وہ پہلے ہی سے امانت و صداقت کے اوصاف کے باعث خوب پہچانتے تھے، یہ رسول حضرت محمد ﷺ تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس پیغام کو جھٹلا دیا جو ان کے رب کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس تکذیب اور سرکشی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ بھوک اور خوف کی سختیوں میں مبتلا ہو گئے، درحقیقت انہوں نے اپنے اوپر خود ہی ظلم کیا، کیونکہ شرک اختیار کر کے اور اللہ کے رسول کی تکذیب کر کے انہوں نے اپنی جانوں کو ہلاکت کے راستے میں ڈال دیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ اس رزق میں سے کھائیں جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے، بشرطیکہ وہ حلال اور پاکیزہ ہو۔

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ: ساتھ ہی یہ بھی ہدایت دی کہ اللہ کی نعمتوں کا

شکر ادا کریں؛ یعنی دل سے اس کا اقرار کریں کہ یہ سب نعمتیں اسی کی عطا ہیں اور انہیں اسی کی رضا کے راستے میں خرچ کریں، اگر تم واقعی اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تو تم پر لازم ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر کرو اور شکر گزاری کا حق ادا کرد۔

حلال و حرام کی حدود، اللہ پر جھوٹ باندھنے کی وعید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۱۵} وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ {۱۱۶} مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۱۱۷} وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ {۱۱۸} النحل

جواب ترجمہ: تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا افتراء کرو، بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ تھوڑا سا نفع ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان پہلے آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ: اللہ تعالیٰ نے انسان کی پاکیزہ زندگی کے لیے کھانے پینے کے بارے میں چند واضح حدود مقرر فرمائی ہیں، چنانچہ اس نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو طبعاً ناپاک اور انسانی صحت و فطرت کے لیے نقصان دہ ہیں، ان میں وہ

جانور شامل ہیں جو بغیر ذبح کے مر جائیں، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے جائیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: البتہ یہ حرمت اس وقت ہے جب انسان اختیار اور وسعت کی حالت میں ہو، اگر کوئی شخص شدید مجبوری اور اضطرار میں مبتلا ہو جائے، یہاں تک کہ جان بچانے کے لیے ان میں سے کسی چیز کے کھانے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہے اور وہ محض ضرورت کے تحت اتنا ہی کھائے جتنا جان بچانے کے لیے کافی ہو، نہ کہ رغبت اور لذت کے لیے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے، جو بندے کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے آسانی پیدا فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ: اس کے ساتھ ہی قرآن کریم ایک نہایت سنگین جرم سے بھی خبر دار کرتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا، مشرکین مکہ اپنی خواہشات اور خود ساختہ رسوم کے مطابق بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے دیتے تھے اور پھر اسے اللہ کا حکم بنا کر پیش کرتے تھے، قرآن نے اس طرزِ عمل کو سختی سے رد کیا اور فرمایا کہ اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ نہ کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ اللہ پر بہتان باندھو۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ نہ کبھی اپنی مطلوبہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی انجامِ بد سے بچ سکتے ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: ایسے لوگوں کو دنیا میں خواہشات کی پیروی کے سبب تھوڑا سا فائدہ اور عارضی آسائش تو حاصل ہو جاتی ہے، لیکن یہ فائدہ نہایت حقیر اور وقتی ہے، اصل انجام آخرت میں ظاہر ہو گا، جہاں ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ: اللہ تعالیٰ یہ واضح فرماتا ہے کہ بعض

احکام جو خاص طور پر یہود پر عائد کیے گئے تھے، وہ دراصل ان کے اپنے اعمال کی سزا تھے، چنانچہ ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں جن کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الانعام میں آچکا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: یہ حرمت اللہ کی طرف سے کسی ظلم کی بنا پر نہیں تھی، بلکہ خود انہوں نے اپنی سرکشی، نافرمانی اور بغاوت کے ذریعے اپنے اوپر یہ سزا لازم کرلی تھی، یوں حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

توبہ اور اعمال کی درستگی کے بعد مہربانی

سوال آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی اپنے بندوں سے عفو و درگزر کی وضاحت کیجیے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۱۹} النحل

جواب ترجمہ: پھر بھی تمہارا رب ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کرلیا اور اس کے بعد توبہ کرلی، اور اپنی اصلاح کرلی تو ان سب باتوں کے بعد بھی تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

جو لوگ انجانے میں گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے، انہیں اس کے انجام کا علم نہیں تھا، انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کام اللہ کی ناراضگی کا سبب بن سکتا ہے، ہر وہ گناہ گار چاہے جس نے غلطی سے گناہ کرلیا یا جان بوجھ کر گناہ وہ ایک لحاظ سے اس سے جاہل تھا، باوجودیکہ وہ اسے حرام سمجھتا تھا، پھر اس نے اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرلیا، اپنے کو ٹھیک کرلیا، اپنے اعمال کو درست کرلیا، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ اور ان کے ذاتی احوال کی اصلاح کے بعد انہیں معاف کردے گا، ان پر مہربانی کردے گا۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اس کی سزا کو جانتے تھے یا وہ مراد ہیں جو غلبہ شہوت کے باعث انجام کار پر غور و فکر

نہیں کرتے تھے، پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے ان برے اعمال سے جو انہوں نے کیے تھے توبہ کرلی پھر اپنے اعمال کو درست کرلیا تھا، یا درستگی میں داخل ہوگئے تھے، بعض حضرات نے اصلاح سے یہ مراد لیا ہے کہ انہوں نے توبہ پر استقامت اختیار کرلی تھی۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات

سوال ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جو صفات ذکر کی گئی ہیں، انہیں بیان کیجیے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ {۱۲۰} شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۱۲۱} وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ {۱۲۲} النحل.

جواب ترجمہ: بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرلی تھی اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اس نے انہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچا دیا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو یقیناً ان کا شمار صالحین میں ہے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ صفات بیان کی گئی ہیں ① وہ نیکی کے کاموں میں امام و پیشوا تھے، ② وہ اللہ کے اطاعت گزار تھے۔ ③ وہ اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے تھے۔ ④ وہ ایسے یکسو تھے کہ دین اسلام سے کسی دوسری طرف میلان اور جھکاؤ نہیں رکھتے تھے۔ ⑤ وہ توحید پرست تھے مشرک نہ تھے۔ ⑥ وہ شاکر تھے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے۔ ⑦ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیغامات لوگوں تک پہنچانے کے لیے چن لیا تھا۔ ⑧ اللہ نے انہیں صراط مستقیم پر گامزن کر دیا تھا۔ ⑨ جس طرح وہ دنیا کی زندگی کے برگزیدہ اور چنیدہ تھے اسی طرح آخرت میں ان کا شمار نیکوکاروں میں اور بلند مرتبے والے لوگوں میں ہوگا۔

اتباعِ ملت ابراہیمی کا حکم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ {۱۲۳} النحل

جواب ترجمہ: پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجیے جو سب کو چھوڑ کر ایک طرف ہو رہے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ ہدایت عطا فرماتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں، جو خالص توحید اور شرک سے مکمل بیزاری پر قائم ہے، درحقیقت عرب کے مشرکین اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور اپنے نسبی تعلق کو باعثِ شرف سمجھتے تھے، قرآنِ کریم اسی دعوے کو بنیاد بنا کر انہیں حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس دین کی طرف نبی اکرم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، وہی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، لہٰذا اگر تم رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت کرتے ہو اور شرک پر اصرار کرتے ہو تو گویا تم خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی مخالفت کر رہے ہو اور اس نسبتِ شرف کو بھی جھٹلا رہے ہو جس پر تمہیں ناز ہے۔

اسی طرح تمہارا بیت اللہ سے تعلق، اس کے مناسک کی پابندی اور اس گھر کی عظمت پر فخر، جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے جائے رجوع اور امن کا مرکز بنایا، یہ سب اسی وقت بامعنی ہو سکتا ہے جب تم اس توحیدی ملت کو اختیار کرو جس پر ابراہیم علیہ السلام قائم تھے۔

نکات: اس آیت کے بیان میں چند اہم نکات قابلِ توجہ ہیں ①: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں، یعنی شرک سے اجتناب اور خالص توحید، یہ محض انسانی فکر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے اور یہ وہی راستہ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا، لہٰذا جن شخصیت پر تم فخر کرتے ہو، اسی کے دین کی پیروی کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے، اس لیے داعیٔ حق سے دشمنی اور مخالفت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا، کیونکہ وہ اسی ملتِ ابراہیمی کی طرف بلا رہا ہے جو شرک سے یکسر منحرف اور خالص توحید کی طرف مائل تھی۔

② آیت میں ثُمَّ کا استعمال ایک خاص بلاغت رکھتا ہے۔ اصل میں ثمّ زمانے کے اعتبار سے تاخیر کو ظاہر کرتی ہے، لیکن عربی اسلوب میں اسے مرتبے اور شان کی بلندی ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

یہاں اس لفظ کے ذریعے یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہے، یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو بھی وحی کے ذریعے ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی شان بھی نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ آپ سید البشر اور تمام انسانیت کے لیے باعثِ فخر ہیں، گویا اس بیان میں دونوں جلیل القدر ہستیوں کی عظمت کا اظہار ہے، البتہ رسولِ اکرم ﷺ کو اس شرف میں زیادہ کامل حصہ حاصل ہے۔

③ آیت میں أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ میں "اَن" بیانیہ ہے، یعنی یہ لفظ وحی کے مضمون کو واضح کرتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے فرمان أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ کی وضاحت یہ ہے کہ اس وحی کا مقصد اور مفہوم یہی تھا کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے، اس جملے میں مشرکین کے لیے ایک بلیغ تنبیہ ہے کہ جس ہستی کو تم اپنا پیشوا اور جدِّ امجد قرار دیتے ہو، وہ ابتدا سے لے کر اپنی پوری مبارک زندگی تک شرک سے مکمل طور پر پاک رہے، لہٰذا اگر تم واقعی ان سے نسبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو لازم ہے کہ ان کی طرح خالص توحید کو اختیار کرو اور شرک سے مکمل اجتناب کرو۔

یہودیوں کا مقدّس دن ہفتہ

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ {۱۲۴} النحل

جواب ترجمہ: ہفتہ کے دن کے احکام تو ان لوگوں پر لازم کیے گئے تھے جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور یقین رکھو کہ تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔

ہفتہ کا دن کی تعظیم ان لوگوں پر فرض کر دی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا، یہ لوگ یہودی تھے، انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے فارغ کر دیں، انہوں نے جمعہ کا دن قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بجائے انہوں نے ہفتہ کے دن کو اختیار کیا، چنانچہ اللہ نے اس دن میں ان پر سختی کر دی، اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز ان میں فیصلہ کرے گا، جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے، کہ وہ ذات عالی اطاعت گزاروں کو، بات ماننے والوں کو اجر و ثواب دے گی اور گناہ گاروں کو، نافرمانوں کو، سرکشوں کو سزا دے گی کیونکہ ان لوگوں نے اس کی حرمت کو پائمال کیا تھا۔

بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ ہر سات دن میں ایک روز یعنی جمعہ کے دن کوئی کام اور پیشہ نہ کریں صرف عبادت کیا کریں چھ دن اپنے پیشے کیا کریں۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم (عبادت کیلئے مخصوص) وہ دن چاہتے ہیں جس روز اللہ سارے عالم کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا، یعنی ہفتہ کا دن، اللہ نے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا اور سختی کر دی (کہ اس کے پابند رہیں)۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے جمعہ کے دن کو پیش کیا (یعنی جمعہ کا دن عیسائیوں کیلئے مقرر کیا) کہنے لگے ہم کو تو یہ بات پسند نہیں کہ ہماری عید کے بعد بھی ان (یہودیوں) کی عید ہو جائے غرض عیسائیوں نے (عبادت کیلئے) اتوار کا دن پسند کر لیا آخر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن اس

امت کو دے دیا اور اس امت نے عطاء الٰہی کو قبول کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو اس دن کی برکات بھی عطا فرمادیں۔ (مظہری)

دعوت و تبلیغ اور حکمت

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ {۱۲۵} وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ {۱۲۶} النحل.

جواب ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں آیت (۱۲۵) میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا سر تا سر حکمت اور موعظہ حسنہ ہے حکمت یعنی دانائی کی باتیں۔ موعظہ حسنہ یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن و خوبی کے ساتھ کی جائیں، اس کے بعد فرمایا وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، اور اگر بحث و نزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو لیکن ایسی بحث و نزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظ حسنہ کا طریقہ ہے اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو، پس ہر بحث و نزاع جو احسن طریقہ پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہو گی۔

احسن طریقہ سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو، اپنی بات کی پچ نہ ہو، مخالف کے اندر

یقین پیدا کرنا ہو، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو، اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا ؟ ایسا اسلوب، ایسا طریق خطاب، ایسا لب ولہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل ورسوا کرنے والے ہوں۔ کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوت حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی سے محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا، ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا۔

بد قسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے۔ ہم اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے لیئے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے ہیں، اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے ؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسر حق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے لیکن چونکہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے کبھی اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے، حق اور انصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے بحث و نزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے، اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہو گا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث و نزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے، دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا۔ لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے۔ اور جونہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی، عین اس کی ضد ہو گئی، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے، ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں، ہم جب کبھی کسی سے بحث کریں گے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلب حق ہے اور جونہی حق سامنے آجائے ہمارا فرض ہے کہ

اعتراف کرلیں، بلکہ بحث کریں گے ہی، اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو فریق مخالف کو ہرانا ہے، اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے، تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بدزبانی پر اتر آئیں گی، مارنے مرنے کے لیے تیار ہوں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے۔

قرآن کہتا ہے یہ جدل کا طریقہ ہے، دعوت کا طریقہ نہیں ہے اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے، جدل کی نہیں ہے، اگر جدل کرنا ہی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جاسکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو، یعنی راست بازی، دیانت، شیریں زبانی، اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے، آگے چل کر سورۃ عنکبوت میں بھی تمہیں یہی حکم ملے گا: وَلَا تُجَادِلُوا اَهلَ الكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِی هِیَ اَحسَن (ترجمان القرآن) وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ظلم و زیادتی کے مقابلے میں عدل و اعتدال کا اصول بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی لو جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے، اس سے تجاوز نہ کرو، تاہم اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا :وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ یعنی اگر تم صبر اختیار کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

مفسرین کے نزدیک سورۃ النحل کی اکثر آیات مکی ہیں، تاہم بعض اہلِ علم کے نزدیک آخری تین آیات، جن میں یہ آیت بھی شامل ہے مدنی ہیں اور ان کا مدنی ہونا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو عملی طور پر بدلہ لینے یا دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہونے کی قدرت ہجرت کے بعد حاصل ہوئی، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں قتال کی اجازت دی، جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا : أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا یعنی جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اس لیے لڑنے کی اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

اس پس منظر میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دشمن تمہارے ایمان کی وجہ سے تمہیں اذیت

پہنچائے، تمہارے گھروں اور اموال پر حملہ کرے یا تم پر ظلم کرے اور تم اپنے حق کے دفاع میں ان سے بدلہ لینا چاہو تو تمہیں صرف اسی قدر بدلہ لینے کی اجازت ہے جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے، یہاں تمہارے عمل کو بھی "عقاب" کہا گیا ہے، حالانکہ حقیقت میں دشمن کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ ابتداءً ظلم و زیادتی تھی اور تمہارا جواب دراصل اس ظلم کا ازالہ اور دفاع ہے، قرآن کے اسلوب میں اسے لفظی مناسبت (مشاکلت) کے طور پر "عقاب" یا "اعتداء" کہا گیا ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا : فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ دراصل یہ ظلم نہیں بلکہ ظلم کے مقابلے میں انصاف اور اپنا حق حاصل کرنا ہے۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صبر کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے، اس صبر کا مفہوم یہ ہے کہ انتقام کی اجازت ہونے کے باوجود اخلاقی حدود کو پامال نہ کیا جائے، مثلاً زخمی دشمن کو قتل نہ کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو نشانہ نہ بنایا جائے، انسانی شرافت اور حرمت کو پامال نہ کیا جائے اور دشمن کی طرح لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے، تاریخِ اسلام میں غزوۂ اُحد کا واقعہ اس کی مثال ہے، جب سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مشرکین نے نہایت سنگ دلانہ طریقے سے ان کے جسم مبارک کی بے حرمتی کی، اس منظر کو دیکھ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید رنج ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے ان پر غلبہ دیا تو میں اس کے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کے ساتھ ایسا ہی کروں گا، لیکن بعد میں وحی کے ذریعے اس عمل سے منع کر دیا گیا اور مُثلہ (لاشوں کی بے حرمتی) سے روک دیا گیا۔

صبر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب مسلمان دشمن پر غالب ہو جائیں تو بھی انہیں فوراً جنگ میں نہ کودنا چاہیے بلکہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت پیش کرنی چاہیے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاصدوں اور امیروں کو یہی ہدایت دی کہ دشمن کے سامنے پہلے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے ساتھ امن و عدل کا معاملہ کیا جائے اور اگر وہ جنگ کریں تو پھر مقابلہ کیا جائے۔

اگر ان آیات کو مکی قرار دیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو اگرچہ

عمومی طور پر کمزور اور مظلوم حالت میں صبر کا حکم دیا گیا تھا، تاہم ان میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو طاقت اور جرأت میں نمایاں تھے، جیسے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، ان کی قوت اور بے باکی کا حال یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کھلے عام قریش کا مقابلہ کیا اور ان کے ظلم کا ڈٹ کر جواب دیا، اسی طرح ان کی ہجرت بھی علانیہ اور جرأت مندانہ انداز میں ہوئی۔

اس کے باوجود مسلمانوں کو عمومی طور پر صبر اور تحمل کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، اس کے دو بڑے اسباب تھے، ایک یہ کہ طاقتور مسلمان تعداد میں کم تھے، اگر وہ مسلسل تصادم میں پڑ جاتے تو دشمن ان پر ٹوٹ پڑتا اور دعوتِ اسلام کا کام متاثر ہو جاتا، دوسرا یہ کہ اس مرحلے میں اصل مقابلہ تلوار کا نہیں بلکہ صبر، استقامت اور اخلاقی قوت کا تھا، تاکہ مظلوم مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر صاحبِ مروّت دلوں میں حق کی طرف میلان پیدا ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت کو نہایت زور کے ساتھ بیان فرمایا، آیت میں قسم، تاکید کے حروف اور ضمیر کے ذریعے اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ صبر اپنی ذات میں ایک بڑی خیر اور عظیم فضیلت ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی دعوت اور زندگی کے مختلف مراحل میں صبر اختیار کرنے کی تلقین کی گئی، تاکہ حق کا پیغام حکمت، بردباری اور اخلاقِ عالیہ کے ساتھ لوگوں تک پہنچتا رہے۔

صبر، تسلی اور معیت الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ {۱۲۷} اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ {۱۲۸} النحل

جواب ترجمہ: اور آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا بس اللہ ہی کی توفیق ہے، اور ان پر غم نہ کیجیے اور

یہ لوگ جو کچھ تدبیر کرتے ہیں اس کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جایئے۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوبی کا طریقہ اختیار کرنے والے ہوں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول حضرت محمد ﷺ کو دعوت و تبلیغ کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات کے مقابلے کے لیے تین اہم ہدایات عطا فرمائی ہیں۔

① صبر کی تلقین: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ یعنی آپ صبر اختیار کریں، اور یاد رکھیں کہ آپ کا صبر اللہ ہی کی توفیق اور مدد سے ممکن ہے، عام انسانوں کے لیے صبر کا مفہوم نفس کو قابو میں رکھنا اور مصیبت کے وقت ضبط سے کام لینا ہے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے لیے اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ دعوتِ حق کے راستے میں آنے والی اذیتوں کو کشادہ دلی، مطمئن قلب اور اللہ کے حکم پر کامل رضا کے ساتھ برداشت کریں، حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قوتِ صبر بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے فضل و اعانت ہی سے پیدا ہوتی ہے اور وہی بہترین مددگار اور حقیقی نصرت دینے والا ہے۔

② کفار کی گمراہی پر حد سے زیادہ غم نہ کرنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ بھی ہدایت دی کہ آپ کفار کے انکار اور ایمان سے محرومی پر اس قدر رنجیدہ نہ ہوں کہ دل پر بوجھ بن جائے۔ نبی کریم ﷺ اپنی امت کی ہدایت کے لیے نہایت درجہ فکر مند رہتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہدایت دینا اللہ کے اختیار میں ہے، اس لیے ان کی ہٹ دھرمی پر دل کو غم واندوہ سے مغلوب نہ ہونے دیں۔

③ دشمنوں کی سازشوں سے دل تنگ نہ کرنا: اسی طرح آپ کو یہ بھی فرمایا گیا کہ کفار کی چالوں اور مکر و فریب سے آپ کا سینہ تنگ نہ ہو، دعوتِ حق کا راستہ آزمائشوں اور مخالفتوں سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے داعی کو چاہیے کہ وہ ان سازشوں کو اپنے مشن کے لیے رکاوٹ نہ سمجھے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ہے اور اس کے ارادے کے سامنے کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد سورۃ النحل کا اختتام ایک نہایت دل نشین اور امید افزا حقیقت کے بیان پر ہوتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ: یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی اس کی خاص معیت کے مستحق ہیں جو احسان کے مقام پر فائز ہیں، تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو اللہ کے خوف اور اس کی رضا کی طلب سے بھر لے اور اپنے آپ کو اس کے غضب سے بچانے کی کوشش کرے اور احسان یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال کو خلوص، حسنِ نیت اور کامل اخلاص کے ساتھ انجام دے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ معیت محض علم اور نگرانی کی نہیں بلکہ خاص نصرت، تائید اور سرپرستی کی معیت ہے، ایسے لوگوں کو دنیا میں عزت اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ان کا مددگار اور کارساز بن جاتا ہے۔ یوں سورۃ النحل اپنے اختتام پر اہلِ ایمان کو یہ عظیم بشارت دیتی ہے کہ تقویٰ اور احسان کے راستے پر چلنے والے کبھی تنہا نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہر حال میں ان کے ساتھ رہتی ہے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی، جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

اضافات وترمیمات جدیدہ: ۸ مارچ ۲۰۲۶ء ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۴۷ء بعد نماز فجر

سورۃ الاسراء (تعارف)

سوال سورۃ الاسراء کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃُ الإسراء قرآنِ حکیم کی ان جلیل القدر مکی سورتوں میں سے ہے جو اپنے مضامین کی گہرائی، اُسلوب کی بلندی اور پیغام کی جامعیت کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے، اگرچہ بعض اہلِ علم نے چند آیات کے مدنی ہونے کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے، مفسرین کی ایک جماعت نے اسے ابتدائی دورِ مکہ میں نازل ہونے والی مضبوط اور مؤثر سورتوں میں شمار کیا ہے، جو اپنے اندر دعوتِ حق کی اساسیات کو نہایت مؤکد انداز میں پیش کرتی ہیں۔

اس سورت کا آغاز ایک عظیم الشان اور معجزانہ واقعہ، یعنی واقعۂ اسراء کے ذکر سے ہوتا ہے: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی یہی واقعہ اس سورت کا مرکزی عنوان بھی ہے، جس میں رسولِ اکرم ﷺ کو رات کے ایک مختصر حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا، تاکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں دکھائی جائیں اور آپ ﷺ کے مقامِ رفیع وشامخ کا اظہار ہو۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کے متعدد اسماء اہلِ علم کے ہاں معروف ہیں، جن میں ہر نام اس کے کسی خاص پہلو کی ترجمانی کرتا ہے، ① سورۃ الإسراء: اس لیے کہ اس کی پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کا صریح ذکر موجود ہے۔ ② سورۃ بنی اسرائیل: کیونکہ اس کے آغاز اور اختتام میں بنی اسرائیل کے حالات، ان کے عروج وزوال اور ان کی تاریخی سرگزشت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ③ سورۃ سبحان: اس نسبت سے کہ اس کا آغاز لفظ "سبحان" سے ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کامل تنزیہ اور قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے۔ اہلِ علم نے صراحت کی ہے کہ "سورۃ بنی اسرائیل" کے نام سے اس سورت کو موسوم کرنا بھی شرعاً درست اور معتبر ہے۔

اہم مضامین و مباحث: سورۃ الإسراء اپنے اندر عقائد، عبادات، اخلاق اور تاریخ کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے، جس کے چند نمایاں موضوعات درج ذیل ہیں:

واقعۂ اسراء کی تفصیل و حکمت: رسول اللہ ﷺ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جانا محض ایک معجزہ ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے مقامِ نبوت کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی روشن دلیل ہے، اس سفر میں آپ ﷺ کو آسمانوں، فرشتوں، جنت و دوزخ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مقامات کا مشاہدہ کرایا گیا، تاکہ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کے مصداق اللہ کی نشانیاں آپ ﷺ پر منکشف ہوں۔

بنی اسرائیل کے عروج و زوال کا بیان: اس سورت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم ادوار کو بیان کرتے ہوئے ان کے دو عظیم فسادات اور ان پر نازل ہونے والی سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں دراصل امتِ محمدیہ کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان موجود ہے کہ جب قومیں سرکشی اختیار کرتی ہیں تو ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اخلاقی و معاشرتی ہدایات: سورۃ الاِسراء میں نہایت جامع انداز میں ان اخلاقی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جو ایک صالح معاشرے کی بنیاد ہیں، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، قتلِ ناحق کی حرمت، مال کے ضیاع سے اجتناب، وعدوں کی پاسداری، تکبر سے اجتناب اور ناپ تول میں انصاف، یہ سب وہ ہدایات ہیں جو انسانی زندگی کو اعتدال اور توازن عطا کرتی ہیں۔

قرآنِ کریم کی عظمت و حقانیت: اس سورت میں قرآنِ مجید کو ہدایت، رحمت اور شفا قرار دیتے ہوئے اس کی حقانیت اور اعجاز پر زور دیا گیا ہے، یہ کتاب اہلِ ایمان کے لیے نورِ ہدایت ہے، جبکہ منکرین کے لیے مزید گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو درپیش آزمائشیں اور کفار کے اعتراضات: کفارِ مکہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب، ان کے بے بنیاد اعتراضات اور آپ ﷺ کو راہِ حق سے ہٹانے کی کوششوں کا ذکر بھی اس سورت میں نمایاں ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی فرمائی اور آپ کو صبر و استقامت کی تلقین کی۔

اہلِ کتاب میں سے اہلِ علم کا ایمان لانا: سورت میں ان اہلِ کتاب کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو علم و بصیرت رکھتے تھے اور جب انہوں نے قرآن کو سنا تو اس کی حقانیت کو پہچان کر سجدہ ریز ہو گئے، یہ اس

بات کی دلیل ہے کہ حق کا نور بالآخر دلوں کو منور کر ہی دیتا ہے۔

المختصر: سورۃ الإسراء ایک جامع سورت ہے جو عقیدہ، تاریخ، اخلاق اور دعوت، چاروں میدانوں میں رہنمائی فراہم کرتی ہے، یہ سورت انسان کو اللہ کی معرفت، رسول کی اطاعت اور ایک متوازن و پاکیزہ زندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے اور ساتھ ہی گزشتہ اَقوام کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین بھی کرتی ہے۔

معراج النبی ﷺ

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز رحمت کائنات، فخر موجودات، سرور عالمیان، آقائے دوجہاں ﷺ کی معراج کے بارے میں لکھیے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ {۱} (الاسراء)

جواب ترجمہ: پاک ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ اسے ہم اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھائیں۔ بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اسراء کا معنی رات کو لے جانا، رات کو چلنا ہے، لیکن یہاں اس کا معنی صرف جانا اور چلنا ہے کیونکہ رات بعد میں صراحۃً مذکور ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ لیلاً سے یہ بتلانا مقصود ہو کہ رات کے ایک تھوڑے سے حصہ میں اتنا بڑا سفر کرا دیا گیا، کیونکہ رات کے کچھ حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک چالیس رات کا لمبا سفر طے ہو گیا۔

مسجد حرام کعبہ کی مسجد کو کہتے ہیں، اس سے مراد یا تو مسجد ہے اور یا حرم ہے، پہلی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں مسجد حرام میں حجر میں تھا کہ جبریل میرے پاس براق لائے۔ (تفسیرات احمدیہ ملاجیون) اور دوسری کی تائید میں یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ عشاء کے

بعد ام ہانی کے گھر میں سو رہے تھے کہ آپ کو وہاں سے بیت المقدس اور پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کرا دی گئی، مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے، اسے مسجد اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت اس سے پرے کوئی مسجد نہ تھی۔

الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ: کا مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کا ارد گرد ظاہری و باطنی برکات سے مالا مال ہے کیونکہ یہ:

① یہ مہبط وحی رہا ہے یعنی یہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی رہی ہے۔

② موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ رہا ہے۔

③ اس کے ارد گرد نہریں بہتی ہیں۔

④ پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔ وغیرہ۔ (تفسیرات احمدیہ، ملا جیون)

لِنُرِيَهٗ میں لام تعلیل جو کہ اسراء کی علت بیان کرنے کے لیے ہے، یعنی نبی ﷺ کو اس لیے یہ سفر کرایا گیا تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھلائیں۔ مثلاً:

① رات کے نہایت قلیل وقت میں بہت بڑا سفر کرا دینا۔

② بیت المقدس کی زیارت۔ ③ انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہونا اور آپ کو نظر آنا۔

④ آپ کا انبیاء علیہم السلام کے مقامات پر ٹھہرنا اور ان سے مطلع ہونا۔

آیت میں ایک سے زائد التفاتات واضح نظر آرہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس آیت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو مسجد حرام سے صرف بیت المقدس تک لے جایا گیا، اسی لیے اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ بیت المقدس تک معراج قطعی ہے، کتاب اللہ سے ثابت ہے اور آسمان دنیا تک مشہور احادیث سے ثابت ہے اور اس سے اوپر ساتوں آسمانوں، جنت، دوزخ وغیرہ تک احادیث آحاد سے ثابت ہے، پہلی کا منکر یقیناً کافر ہے، دوسری کا انکار کرنے والا بدعتی ہے اور گمراہ ہے اور تیسری کا منکر فاسق ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ملا جیون)

ہمارے نزدیک یہ بات قابل اشکال ہے کیونکہ بیت المقدس سے اوپر بھی معراج کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ نجم میں فرماتے ہیں:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ⑤ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ⑥ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ⑨ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ⑪ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ⑫ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ⑬ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ⑭ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ⑮ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ⑰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ⑱ (النجم)

اسے بڑے طاقت ور اور زبردست قوتوں والے نے سکھایا، پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا اور وہ آسمان کے اونچے کناروں پر تھا، پھر نزدیک ہو کر نیچے آگیا، یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے بھی کم کا فرق رہ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر جو وحی کی سو کی، جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا، اب کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا، اس نے اسے ایک دفعہ اور بھی اترتے ہوئے دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنت الماویٰ ہے، جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی، بیشک اس نے اپنے پروردگار کے بڑے نمونوں میں سے کچھ نمونے دیکھے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی شَدِيدُ الْقُوَىٰ سے دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلے پر تھے، خواہ شَدِيدُ الْقُوَىٰ سے مراد جبریل ہوں یا اللہ تعالیٰ ہوں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک دفعہ اور بھی آپ نے اسے جنت اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور اپنے پروردگار کی قدرت کے نمونوں میں سے بڑے بڑے نمونے دیکھے، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ساتوں آسمان سے اوپر ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ شَدِيدُ الْقُوَىٰ سے مراد جبریل ہوں، اس صورت میں آیت یہ بتلاتی ہے کہ نبی ﷺ نے جبریل کو دو مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا، ایک مرتبہ زمین پر اور ایک مرتبہ آسمان پر دیکھا، اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہے

کہ حسین و جمیل اور طاقتور جبریل نے محمد ﷺ کو تعلیم دی جبریل اپنی اصلی صورت میں آسمان کے بلند کنارہ پر ظاہر ہوئے تو نبی انہیں دیکھ کر پریشان ہوگئے، یہ دیکھ کر جبریل نبی ﷺ کے قریب ہوگئے، نبی سے بات کرنے کے لیے اوپر سے نیچے آگئے، اپنی اصلی صورت کو چھوڑ کر انسانی صورت اختیار کرلی اور نبی کے پاس آکر بیٹھ گئے، حتی کہ دونوں کے درمیان دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

پھر جبریل نے اللہ تعالیٰ کے بندے محمد ﷺ کو پیغام پہنچایا جو پہنچا دیا، محمد ﷺ کے قلب مبارک نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا یعنی جبریل کو اصلی شکل میں دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا، اے منکرین! کیا تم محمد کے ساتھ ان کی دیکھی ہوئی چیز پر جھگڑتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں، بیشک اس نے ایک دفعہ اور بھی جبریل کو فرشتوں کی صورت میں دیکھا، یہ واقعہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس معراج کی رات کو پیش کیا۔

سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان سے اوپر ایک بیری کا درخت ہے، جو مخلوقات کے علم کی انتہا ہے اور اسی کے پاس وہ جنت ہے جس کا متقین کو وعدہ دیا گیا ہے، جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو فرشتے اور ارواح گھیرے میں لے کر ڈھانپے ہوئے تھے، اس وقت محمد ﷺ کی نگاہ مبارک نہ تو دائیں بائیں متوجہ ہوئی اور نہ ہی ادھر ادھر ہوئی بلکہ اپنی جگہ مستقر رہی، اس رات محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کے عجائبات میں سے عرش، کرسی اور دیگر کئی عجائبات ملاحظہ فرمائے۔ (تفسیرات احمدیہ ملاجیون)

اور دوسرا معنیٰ جو مذکورہ معنیٰ سے زیادہ بہتر ہے یہ ہے کہ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور اس صورت میں ذُوْ مِرَّةٍ، يَدُ اللّٰهِ اور وَجْهُ اللّٰهِ کی طرح متشابہات میں سے ہے اور فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى، کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے نہایت قریب ہوگئے، کیونکہ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب دو دوستوں میں دوستی کا رشتہ مضبوط ہو جاتا تو وہ دونوں اپنی کمانیں جوڑ لیتے اور دونوں کمانوں سے بیک وقت ایک ایک تیر پھینکتے، اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک کا دوست دوسرے کا دوست ہے اور ایک کا دشمن دوسرے کا

دشمن ہے، گویا مقبول رسول مقبول الٰہی اور مغضوب رسول مغضوب الٰہی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

اور فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو احکام دیے جو دیئے، لیکن وہ احکام اور وہ وحی کیا ہے اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جو کچھ وحی کیا گیا ہے اسے صیغہ راز میں رکھا، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! ایک میں ہوں اور ایک تم ہو اور باقی تمام کائنات میں نے تمہاری خاطر پیدا کی ہے، اس پر آپ نے فرمایا اے اللہ ایک میں ہوں اور ایک تو ہے اور باقی ساری کائنات میں نے تیری خاطر ترک کر دی ہے، بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ میں سکوت اختیار کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج دل سے ذات باری تعالیٰ کا دیدار کیا، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے دل نے جو ذات باری تعالیٰ کو دیکھا تو جھوٹ نہیں دیکھا۔

آپ ﷺ نے ایک دفعہ اور بھی ذات باری تعالیٰ کا دیدار کیا جب آپ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے، اسی کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے شب معراج میں دو بار دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔

جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو کبریائی باری تعالیٰ اور اس کی عظمت ڈھانپے ہوئے تھی، اس وقت حضرت محمد ﷺ کی نگاہ پاک نے ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف ذرہ بھی التفات نہیں کیا، آپ نے جنت عرش، کرسی اور اپنے پروردگار کے دیگر کئی ایک عجائبات ملاحظہ کیے۔

آیت اپنے دونوں معنوں کے لحاظ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ ساتوں آسمانوں اور اس کے اوپر معراج برحق ہے، نیز یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہیں، اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ معراج آسمانی قرآن سے ثابت نہیں تو یہ عقیدہ باطل ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ملاجیون)

اور اگر یہ کہا جائے کہ جو آیت بیت المقدس تک معراج پر دلالت کرتی ہے وہ محکم اور قطعی ہے اور سورۃ نجم والی آیت کئی معانی کا احتمال رکھتی ہے تو یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ سورۃ نجم والی

آیت بھی ثبوت معراج میں قطعی الدلالت ہے اگرچہ فی ذاتھا وہ دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔

ہاں دوسری آیت کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے ذات باری تعالیٰ یا جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس زمین پر سے اپنی جگہ رہتے ہوئے دیکھا، اس کے برعکس پہلی آیت میں لفظ اسراء موجود ہے، سورۃ نجم والی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا جسم مبارک آسمانوں پر گیا، لیکن پہلی آیت میں لفظ عبد مذکور ہے جو جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

معراج کی رات میں اختلاف ہے کون سی رات ہے اور اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ ① یہ رات ربیع الاول میں ہے۔ ② یہ رات ربیع الآخر میں ہے۔ ③ رمضان میں ہے۔ ④ شوال میں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ ۲۷ رجب کی رات کو نبوت کے بارہویں سال ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ (تفسیرات احمدیہ)

یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ اس وقت: ① آپ سو رہے تھے۔ ② آپ جاگ رہے تھے۔ ③ یہ واقعہ خواب کا ہے۔ ④ معراج صرف روحانی ہے، صحیح یہ ہے کہ حالت بیداری میں جسم وروح سمیت آپ نے ساتوں آسمانوں کی سیر کی، جنت کی سیر کی، دوزخ کو دیکھا عرش وکرسی اور دیگر عجائبات کو ملاحظہ فرمایا۔

واقعہ معراج کا مختصراً تذکرہ یوں ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ ام ہانی کے گھر آرام فرمارہے تھے، ام ہانی خواجہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن تھیں، ان کا اصل نام فاختہ تھا، اتوار کی رات تھی، ستائیس رجب کی تاریخ تھی، نبی کریم ﷺ عشاء کے وقت جو دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو گئے، ابھی تھوڑی تھوڑی آنکھ لگ رہی تھی کی اچانک چھت پھٹی اور اس چھت سے فرشتوں کے سردار حضرت جبریل امین علیہ السلام اترے، ان کے ساتھ میکائیل اور اسرافیل علیہ السلام تھے، ان کے علاوہ ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے تھے، جبریل امین نے اپنے پر سے حضرت نبی کریم ﷺ کو جگایا، پھر آپ ﷺ کو مسجد الحرام کی طرف لے گئے، حطیم میں پہنچ کر نبی

کریم ﷺ لیٹ گئے، لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی، پھر جبریل اور میکائیل نے آپ ﷺ کو جگایا، پھر نبی کریم ﷺ کو زمزم کے چشمہ کی طرف لے گئے، یہاں جبریل نے آپ ﷺ کو لٹا کر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا، آپ ﷺ کا دل مبارک نکال کر اسے زمزم کے پانی سے تین بار دھویا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا، یہ طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا، اس ایمان و حکمت کو آپ ﷺ کے دل مبارک میں رکھ کر آپ ﷺ کے سینے کو پہلے کی طرح کر دیا گیا، آپ ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی۔

علامہ جامی نے اس منظر کو اشعار میں یوں قلم بند کیا ہے

درین شب آن چراغ چشم بینش... سزای آفرین از آفرینش

چو دولت شد ز بدخواہان نہانی... سوی دولت سرای ام ہانی

بہ پہلو تکیہ بر مہد زمین کرد... زمین را مہد جان نازنین کرد

دلش بیدار چشمش در شکر خواب... ندیدہ چشم بخت این خواب در خواب

در آمد ناگہان ناموس اکبر... سبک روتر ازین طاؤس اخضر

بروما لید پر کای خواجہ برخیز... کہ امشب خوابت آمد دولت انگیز

برون بر یکزمان زین خوابکہ رخت... تو بخت عالمی بیخواب بہ بخت

ترجمہ: اس رات وہ (نبی کریم ﷺ) جو دیدۂ بصیرت کے چراغ تھے، ساری کائنات کی طرف سے ستائش و آفرین کے مستحق تھے۔ جب آپ ﷺ دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگئے، تو امّ ہانی رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ (گھر) کی جانب تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے زمین کے بستر پر پہلو ٹیکا، مگر اسی سے زمین کو شرف ملا کہ وہ جانِ عزیز کا گہوارہ بن گئی۔ آپ ﷺ کا دل بیدار تھا اور آنکھیں شیریں نیند میں تھیں، ایسی نیند تو خود بخت کی آنکھ نے بھی خواب میں نہ دیکھی ہوگی۔ اچانک ناموسِ اکبر (حضرت جبریل علیہ السلام) حاضر ہوئے، جو سبز طاؤس (مور) سے بھی زیادہ سبک رفتار تھے۔ انہوں نے اپنے پَر حضور ﷺ پر پھیرتے ہوئے عرض کیا: اے میرے آقا! بیدار ہو جایئے، کیونکہ آج کی یہ

رات آپ کے لیے سعادتیں لانے والی ہے، اور آپ کی نیند بھی دولت و برکت کا پیام لے کر آئی ہے۔ اس خواب سے فوراً باہر تشریف لائیے، کہ آپ تو پوری کائنات کی خوش بختی ہیں، اور بیداری میں آپ کا بخت اور بھی بلند ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں جبریل کی طرف اٹھا، میں نے ان سے کہا کہ میرے بھائی جبریل، آپ کو کیا ہوا؟ جبریل امین نے کہا، اے محمد! میرے رب نے مجھے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے، مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس آج کی رات آؤں اور ایسی بزرگی لاؤں کہ آپ ﷺ سے پہلے اس قدر شرافت و بزرگی کا اظہار کسی کے لیے نہیں کیا گیا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کسی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے گا، (دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ آسمانوں سے آنے والا یہ پروٹوکول اس سے پہلے بھی کسی کے لیے نہ تھا اور آپ ﷺ کے بعد بھی کسی کے لیے نہیں ہو گا) کیا آپ چاہتے ہیں کہ آج کی رات اپنے رب سے بات کریں اور اس کی طرف دیکھیں؟ آج کی رات آپ ﷺ کو آپ کے رب کے عجائبات دکھائے جائیں گے اور اس کی قدرت اور عظمت دکھائی جائے گی۔ (روح البیان)

تفسیر روح البیان کے مطابق نبی کریم ﷺ نے شق صدر سے پہلے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سینے کے اوپر سے لے کر پیٹ کے نیچے تک سینہ مبارک چاک کیا، یہ شق صدر کسی آلہ کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ صرف جبریل امین کے اشارے کے ساتھ سینہ کھلتا جاتا تھا، اس شق صدر سے آپ ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت نہیں ہوئی، نہ ہی خون نکلا، یہ خرق عادت معجزہ تھا۔

اس عمل سے فارغ ہونے کے بعد ایک براق لایا گیا، براق جنت سے آنے والے ایک جانور کا نام ہے، یہ خچر سے قدرے چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا تھا، اس کی رنگت سفید تھی، اس براق کے رخسار انسانی رخسار جیسے تھے، اس کے پائے اونٹ کے پائے جیسے تھے، اس کی گردن گھوڑے کی گردن جیسی

تھی، اس کے اوپر زین سفید موتیوں کی تھی، اس کے رکاب سبز زبرجد کے تھے، اس کی لگام سرخ یاقوت کی تھی، جس سے روشنی چمک رہی تھی، اس میں مذکر اور مؤنث کی کوئی نشانی نہیں تھی، نبی کریم ﷺ نے اس براق کی تعریف میں فرمایا کہ میں نے اس جیسا خوبصورت جانور نہیں دیکھا، میں اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس پر سوار ہونے کا شوق رکھتا تھا، میں نے اس کے بارے میں جبریل سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ براق ہے، آپ اس پر تشریف رکھیے تاکہ اپنے رب کی دعوت پر حاضر ہو سکیں، اس کی رفتار بہت ہی تیز تھی، اہل سیرت لکھتے ہیں کہ اس براق کا ایک قدم وہاں وہاں پڑتا تھا جہاں جہاں نگاہ پڑتی تھی۔

جبریل نے براق کی لگام تھامی، میکائیل نے اس کی رکاب تھامی، اسرافیل نے اس براق کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھا، حضرت نبی کریم ﷺ اس پر سوار ہوئے تو براق حرکت کرنے لگا، جبریل امین علیہ السلام نے اس حرکت پر براق کو کہا کہ کیا تجھے حیاء نہیں آتی، براق سے جبریل نے کہا کہ اے براق! تیری پیٹھ پر آج نبی کریم ﷺ سوار ہیں، آج تک تیری پیٹھ پر نبی کریم ﷺ سے زیادہ عزت، شرافت، عظمت اور بزرگی والا کوئی شخص سوار نہیں ہوا، شرم کے مارے براق کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا، اس کے بعد حضرت نبی اکرم ﷺ کو لے کر روانہ ہو گیا، اس سفر میں دونوں عزت دار فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام ساتھ تھے، ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ براق پر آگے تشریف فرما تھے اور جبریل امین آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، مگر تفسیر روح البیان کے مطابق فرشتے براق پر سوار نہیں ہوئے، کیونکہ آج آپ ﷺ کو ہی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ ﷺ اس براق کے اکیلے سوار تھے۔

آپ ﷺ دوران سفر ایسی زمین کے اوپر سے گزرتے گئے جہاں کھجوروں کے بہت زیادہ درخت تھے، ایک موقع پر جبریل نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہاں اتر کر نماز (نفل) ادا کر لیں، نبی کریم ﷺ نے وہاں اتر کر نماز ادا کی، اہل سیرت نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مدینہ شریف تھی۔

اس کے بعد آپ ﷺ پھر براق پر سوار ہوئے، راستے میں ایک اور جگہ ایسی آئی جہاں پھر جبریل نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہاں بھی اتر کر نماز (نفل) ادا کیجیے، یہ وادی سینا تھی، جہاں شجرہ موسیٰ کے پاس آپ ﷺ نے اتر کر (نفل) نماز ادا کی، یہ وہ مقام تھا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سردی کے موسم میں آگ لینے گئے تھے کہ اللہ نے انہیں جوتے اتارنے کا حکم دیا تھا، یہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔

اس کے بعد جب براق مدین کی سرزمین سے گزرا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ یہاں بھی اتر کر (نفل) نماز ادا کیجیے، چنانچہ آپ ﷺ نے مدین میں براق سے اتر کر (نفل) نماز پڑھی، مدین وہ جگہ ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہائش پذیر تھے۔

پھر آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے، براق چل پڑا، پھر براق بیت اللحم سے گزرا، بیت اللحم وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، یہاں پہنچ کر جبریل امین نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہاں بھی اتر کر (نفل) نماز پڑھیے، چنانچہ آپ ﷺ نے یہاں بھی اتر کر (نفل) نماز پڑھی۔ (نسائی، بیہقی، بزار، طبرانی، خصائص الکبریٰ)

آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اُس قلابہ میں باندھ کر جس میں سابقہ انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، آپ ﷺ نے مسجد الاقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ (خصائص الکبریٰ للسیوطی ج ۱، ص ۲۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے براق کو اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ (مسلم)

ایک روایت کے مطابق حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اپنی انگلی سے ایک پتھر میں سوراخ کیا، اس کے ساتھ براق کو باندھا، شیخ المحدثین حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت اپنی کتاب سیرت مصطفےٰ ﷺ میں نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ براق کے باندھنے میں

دونوں حضرات شریک ہوں، ممکن ہے کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے وہ سوراخ بند ہو گیا ہو، اس لیے جبریل امین علیہ السلام نے اس کو انگلی سے کھول دیا ہو۔

خصائص الکبریٰ میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بیان کیا گیا واقعہ موجود ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں میرے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جمع کیے گئے، پھر مجھے حضرت جبریل نے آگے کیا، پھر میں نے ان کی امامت کروائی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنا واقعہ یوں بیان فرمایا کہ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَصَلَّيْتُ فِيهِ بِالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ إِمَامًا (جریر) پھر ہم چلے یہاں تک کہ ہم بیت المقدس پہنچ گئے، پھر میں نے اس میں نبیوں اور رسولوں کو امام بن کر نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں میں اور جبریل دونوں داخل ہوئے اور دونوں نے دو رکعت (تحیۃ المسجد) ادا کی۔ (سنن الکبریٰ)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں نقل فرمایا کہ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے، پھر ایک مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی، ہم صف باندھ کر کھڑے ہو گئے، اسی انتظار میں تھے کہ کون امامت کروائے؟ حضرت جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا، میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو جبریل امین نے کہا کہ يَا مُحَمَّدُ أَتَدْرِي مَنْ صَلَّى خَلْفَكَ قُلْتُ لَا قَالَ صَلَّى خَلْفَكَ كُلُّ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ تَعَالَى اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، جبریل امین نے کہا کہ آپ ﷺ کے پیچھے ہر نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تھا۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص ۲۵۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی آمد پر فرشتے بھی آسمان سے نازل ہوئے اور حضور ﷺ نے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سب کی امامت کرائی، جب نماز پوری ہو گئی تو ملائکہ نے جبریل امین

سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں؟ جبرئیل امین نے کہا یہ محمد ﷺ ہیں، فرشتوں نے کہا کہ کیا ان کے پاس بلانے کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ جبریل نے کہا کہ ہاں! فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں زندہ سلامت رکھے، بڑے اچھے بھائی ہیں، بڑے اچھے خلیفہ ہیں اور بہترین تشریف لانے والے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۲۸۵)

تفسیر روح البیان کے مطابق فرشتوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے آپ ﷺ کا استقبال کیا جن کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی، پھر آپ ﷺ بیت المقدس کے دائیں دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

ارواح انبیاء کرام سے ملاقات اور ان کی طرف سے تحمید: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی روح سے ملاقات کی تو اس نے اللہ جل شانہ کی حمد وثناء ان الفاظ میں کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اتَّخَذَنِی خَلِیلًا وَأَعْطَانِی مُلْکًا عَظِیمًا وَجَعَلَنِی أُمَّةً قَانِتًا یُؤْتَمُّ بِی وَأَنْقَذَنِی مِنَ النَّارِ وَجَعَلَهَا عَلَیَّ بَرْدًا وَّسَلَامًا (الخصائص الکبری ج ا ص ۲۸۵) تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ ذات جس نے مجھے دوست بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے امام وپیشوا بنایا، میری اقتدا کی جاتی ہے، مجھے جلتی آگ سے بچایا، اس آگ کو مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح نے اللہ تعالیٰ کی یوں تعریف کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی کَلَّمَنِی تَکْلِیمًا وَّجَعَلَ هِلَاكَ آلِ فِرْعَوْنَ وَنَجَاةَ بَنِی إِسْرَائِیلَ عَلَی یَدَیَّ وَجَعَلَ مِنْ أُمَّتِی قَوْمًا یَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ یَعْدِلُونَ (الخصائص الکبری ج ا ص ۲۸۵) تمام کامل تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے میرے ساتھ کلام کیا، جس نے آل فرعون کو میری بدولت ہلاکت کی وادی میں پہنچایا، جس نے بنی اسرائیل کو میری وساطت سے نجات دی، جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو حق بات کی راہنمائی کرتے اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی روح سے ملاقات ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی یوں تعریف کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ لِی مُلْکًا عَظِیمًا وَّعَلَّمَنِی الزَّبُورَ وَأَلَانَ لِی الْحَدِیدَ وَسَخَّرَ لِی الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ

وَالطَّيرَ وَأَعطَانِي الحِكمَةَ وَفَصلَ الخِطَابِ (خصائص الکبریٰ) تمام کامل تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے مجھے بڑی بادشاہی سے نوازا، جس نے مجھے زبور سکھائی، جس نے میرے لیے لوہا نرم کیا، جس نے پہاڑوں کو میرے تابع کیا، جو تسبیح کرتے ہیں، جس نے پرندوں کو میرے تابع کیا، جس نے مجھے حکمت عطاء کی، جس نے مجھے انداز خطابت عطاء فرمایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی روح سے ملاقات ہوئی تو اس نے اللہ کی یوں تعریف کی الحَمدُ للہ الَّذِی سَخَّرَ لی الرِّیَاحَ وَسَخَّرَ لِی الشَّیَاطِینَ یَعمَلُونَ مَا شِئتُ مِن محَارِیبَ وَتَمَاثِیلَ وَجِفَانٍ کَالجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِیَاتٍ وَعَلَّمَنِی مَنطِقَ الطَّیرِ وَآتَانِی مِن کُلِّ شَیءٍ فَضلاً وَّسَخَّرَ لی جُنُودَ الشَّیَاطِینَ وَالإِنسَ وَالطَّیرَ وَفَضَّلَنی عَلی کَثِیرٍ مِّن عِبَادِہِ الْمُؤمِنِینَ وَآتَانی مُلکاً عَظِیماً لَا یَنبَغِی لأَحَدٍ مِّن بَعدِی وَجَعَلَ مُلکی مُلکاً طَیِّباً لَیسَ فِیہِ حِسَاب

تمام کامل تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے میرے لیے ہواؤں کو مسخر کیا، جس نے جنات کو میرے تابع کیا، جو میں چاہتا وہ بناتے تھے، اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کر دیتے تھے، تصویریں بناتے تھے، بڑے بڑے حوض تعمیر کرتے تھے جیسے لگن، زمین میں جمی ہوئی دیگیں، اس نے مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں، اس نے مجھے اپنے فضل سے ہر چیز سے نوازا ہے، میرے لیے اس نے شیطانی، انسانی اور پرندوں کے لشکر مسخر کیے ہیں، مجھے اپنے ایمان والے بہت سے بندوں پر فضیلت عطاء کی ہے، اس نے مجھے بڑی بادشاہی سے نوازا ہے، جو میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں، اس ذات نے میری بادشاہی کو پاکیزہ بنایا ہے، جس میں کوئی حساب نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح سے ملاقات ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی یوں تعریف کی، الحَمد للہ الَّذِی جَعَلَنی کَلِمَتَہُ وَجَعَلَ مَثَلی مَثَلَ آدَمَ خَلَقَہُ مِن تُرَاب ثُمَّ قَالَ لَہُ کُن فَیَکُونُ وَعَلَّمَنِی الْکِتَابَ وَالْحِکمَۃَ وَالتَّورَاۃَ وَالإِنجِیلَ وَجَعَلَنِی أَخلُقُ مِنَ الطِّینِ کَھَیئَۃِ الطَّیرِ فَأَنفُخُ فِیہِ فَیَکُونُ طَیراً بِإِذنِ اللہ وَجَعَلَنِی أُبرِءُ الأَکمَہَ وَالأَبرَصَ وَأُحیِی الْمَوتَی

بِإِذْنِهِ وَرَفَعَنِی وَطَهَّرَنِی وَأَعَاذَنِی وَأُمِّی مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ فَلَمْ یَکُنْ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْنَا سَبِیلٌ (الخصائص الکبریٰ لعلامہ جلال الدین سیوطی)

تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا ہے، جس نے مجھے آدم علیہ السلام کی مثل بنایا ہے، انہیں مٹی سے پیدا فرمایا اور ان کے لیے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے، مجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی، مجھے ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندوں کی طرح بناتا ہوں، پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، مجھے ایسا بنایا کہ میں مادر زاد کو درست کر دیتا ہوں، کوڑھی کو ٹھیک کر دیتا ہوں، میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں، مجھے اس ذات نے اٹھایا، مجھے اس نے پاک کیا، مجھے اور میری ماں کو اس نے شیطان مردود سے پناہ عطاء کی، پھر شیطان کو ہم پر گمراہ کرنے کی کوئی سبیل نہ رہی۔

ان جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مقدسہ نے اللہ کی تعریفیں کیں تو آخر میں فخر الرسل، شفیع المذنبین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ کی تعریف میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَرْسَلَنِی رَحْمَةً لِّلْعَالَمِینَ وَکَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیراً وَّنَذِیراً وَأَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیهِ بَیَانُ لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّجَعَلَ أُمَّتِی خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَ أُمَّتِی أُمَّةً وَّسَطاً وَجَعَلَ أُمَّتِی هُمُ الْأَوَّلِینَ وَالآخِرِینَ وَشَرَحَ لِی صَدْرِی وَوَضَعَ عَنِّی وِزْرِی وَرَفَعَ لِی ذِکْرِی وَجَعَلَنِی فَاتِحاً وَخَاتِماً (الخصائص الکبریٰ لجلال الدین سیوطی ۱/۲۸۶)

تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ ذات جس نے مجھے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے، جس نے مجھے سب انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، جس ذات نے مجھ پر فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب) نازل کی، اس کتاب میں ہر چیز کا بیان موجود ہے، جس ذات نے میری امت کو بہترین امت بنایا ہے، جو لوگوں کے نفع کے لیے نکالی گئی ہے، جس نے میری امت کو درمیانی امت بنایا ہے، جس نے میری امت کو اولین اور آخرین ہونے کا اعزاز بخشا ہے، جس

ذات نے میرے سینے کو کھول دیا ہے، جس ذات نے میرے بوجھ کو کم کر دیا ہے، جس ذات نے میرے تذکرے کو بلند کر دیا ہے، جس نے مجھے فاتح بنایا ہے، جس نے مجھے خاتم النبیین بنایا ہے۔

آپ ﷺ کے اس فصیح و بلیغ خطبے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روئے سخن تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ خوبیاں اور فضائل ہیں جن کی بدولت محمد ﷺ تم سب پر فوقیت و فضیلت رکھتے ہیں۔

دودھ کا پیالہ نوش جاں کیا: جب آپ ﷺ ان امور سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر قدم رنجہ ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے، جن کے منہ ڈھکے ہوئے تھے، ایک ایسا پیالہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، جس میں پانی تھا، آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اس میں سے نوش کیجیے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس پیالے میں سے تھوڑا سا پیا، پھر آپ ﷺ کی خدمت میں دوسرا پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، اس کے بعد آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اس میں سے نوش کیجیے، آپ ﷺ نے اس میں سے اتنا پیا کہ سیراب ہو گئے، پھر اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں ایک تیسرا پیالہ پیش کیا گیا، جس میں شراب تھی، اس کے بعد آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ پی لیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں شراب نہیں پینا چاہتا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ شراب عنقریب آپ ﷺ کی امت پر حرام کر دی جائے گی، اگر آپ ﷺ شراب کے پیالے میں سے پیتے تو آپ ﷺ کی امت میں سے آپ ﷺ کی پیروی اور اتباع کرنے والے تھوڑے سے لوگ ہی ہوتے۔ (الخصائص)

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی کچھ روایات ذکر کی ہیں، کہ جبریل امین نے آپ ﷺ کے دودھ کو پسند کرنے پر فرمایا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو پالیا ہے، اگر آپ ﷺ پانی کو پسند کرتے تو خود بھی غرق ہو جاتے اور اپنی امت کو بھی غرق کر دیتے، اگر آپ ﷺ شراب کو پسند کرتے تو خود بھی گمراہ ہو جاتے اور اپنی امت کو بھی گمراہ کر دیتے، ابن کثیر کے مطابق اس کے بعد آپ ﷺ نے انبیاء

کرام کو امامت کروائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی، حضرات انبیاء سے ملاقات کروائی گئی، سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے تک چلے گئے، جنت ودوزخ دکھائی گئی، غرضیکہ آپ ﷺ نے بہت کچھ مشاہدہ کیا۔

عجائبات سفر معراج: سفر معراج کے دوران آپ ﷺ نے عجائبات وغرائب کا مشاہدہ فرمایا، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کے ذیل میں ایک واقعہ ان عجائبات وغرائب کا نقل فرمایا ہے بیت المقدس پہنچنے سے پہلے دوران سفر حضرت نبی کریم ﷺ کا گزر ایک بڑھیا پر ہوا، جو راستے کے ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ

اے جبریل! یہ کون ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ اے محمد! چلیے، چنانچہ آپ ﷺ اتنا چلے جتنا اللہ نے چاہا کہ آپ ﷺ چلیں، اس کے بعد آپ ﷺ کو راستے سے ہٹی ہوئی ایک چیز نے اپنے طرف بلایا اور کہا کہ اے محمد، ادھر آؤ۔ جبریل امین نے کہا کہ اے محمد ﷺ چلیے، چنانچہ آپ ﷺ اتنا چلے جتنا اللہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ چلیں، اس کے بعد آپ ﷺ کا ایک مخلوق پر گزر ہوا، اس مخلوق نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ، اے اول آپ پر سلام ہو، اے آخر آپ پر سلام ہو، اے حاشر آپ پر سلام ہو، جبریل امین نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے محمد! ﷺ ان کے سلام کا جواب دیجیے، دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا، اسی طرح تیسری بار بھی ہوا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچ گئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۱)

پھر جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ وہ جس بڑھیا پر ہمارا گزر ہوا تھا جو راستے کی ایک جانب بیٹھی ہوئی تھی وہ یوں سمجھیے کہ دنیا کی مثال تھی، یعنی دنیا کی عمر اب اتنی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی رہ گئی ہے۔ جو آپ ﷺ نے راستے سے ہٹ کر دیکھا، جو چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اس کی طرف مائل ہو جائیں وہ اللہ کا دشمن شیطان تھا، جو آپ ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا تھا، اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر سے گزر: ابن مردویہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لَمَّا أُسرِيَ بِي مَرَرْتُ بِمُوسَى وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبرِهِ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۲۸۰) جب مجھے رات کو لیجایا گیا تو میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔

مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَمَّا أُسرِيَ بِي مَرَرتُ عَلَى مُوسَى وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبرِهِ عِندَ الكَثِيبِ الأَحمَرِ، جب مجھے معراج کی رات لیجایا گیا تو میں موسیٰ کی قبر پر گزرا، اس حال میں کہ موسیٰ سرخ ٹیلے کے قریب اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

کنگھی کرنے والی شہیدہ کی خوشبو: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَمَّا كَانَتِ اللَّيلَةُ الَّتِي أُسرِيَ بِي فِيهَا، أَتَتْ عَلَيَّ رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَا هَذِهِ الرَّائِحَةُ الطَّيِّبَةُ؟ فَقَالَ: هَذِهِ رَائِحَةُ مَاشِطَةِ ابْنَةِ فِرْعَونَ وَأَولَادِهَا. قَالَ: قُلْتُ: وَمَا شَأْنُهَا؟ قَالَ: بَينَمَا هِيَ تُمَشِّطُ ابْنَةَ فِرْعَونَ ذَاتَ يَومٍ، إِذْ سَقَطَتِ الْمِدْرَى مِن يَدَيهَا، فَقَالَتْ: بِسمِ اللهِ. فَقَالَتْ لَهَا ابْنَةُ فِرْعَونَ: أَبِي؟ (مسند احمد)

جس رات میں مجھے معراج کرائی گئی، اس میں مجھ پر ایک پاکیزہ خوشبو کا ہلہ آیا، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ پاکیزہ خوشبو کیا ہے؟ جبریل نے کہا، یہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے، میں نے پوچھا، اس کا قصہ کیا ہے؟ جبریل نے بتایا کہ یہ عورت ایک دن فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی، اچانک اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی، تو اس نے کہا، بسم اللہ (اللہ کے نام کے ساتھ) اس پر اسے فرعون کی بیٹی نے کہا کہ کیا اس سے مراد میرے ابو (فرعون) ہیں؟ اس لڑکی سے جب سوال کیا گیا تھا کہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے جواب دیا تھا کہ میرا اور تیرا رب وہ ہے جو آسمان میں ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَيْلَةً أُسرِيَ بِي وَجَدتُ رِيحًا طَيِّبَةً فَقُلتُ يَا جبرئيلُ مَا هَذِهِ قَالَ هَذِهِ الْمَاشِطَةُ وَزَوجُهَا وَابنَتُهَا بَينَا هِيَ تَمشِطُ ابْنَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ سَقَطَ الْمِشْطُ مِن يَدِهَا فَقَالَت تَعِسَ فِرْعَوْن فَأُخْبِرت أَبَاهَا فَقَتَلَهَا (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۲۶۱) جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں نے ایک پاکیزہ خوشبو پائی تو میں نے جبریل سے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل نے کہا، یہ کنگھی کرنے والی، اس کے خاوند اور اس کی بیٹی کی خوشبو ہے، وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی، اچانک اس کے ہاتھ سے کنگھی گر پڑی، اس کے بعد اس نے کہا فرعون کی ستیاناس ہو، یہ بات اس نے اپنے باپ کو بتا دی جس پر اس نے اس کنگھی والی کو قتل کر دیا۔

مجاہدین کی شان: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فَأَتَى على قوم يَزرَعُونَ فِي يَوم وَيَحصُدُونَ فِي يَوم كُلَّمَا حَصَدُوا عَادَ كَمَا كَانَ فَقَالَ النَّبِي يَا جبرئيلُ مَا هَذَا قَالَ هَؤُلَاءِ الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ تضَاعَفُ لَهُم الْحَسَنَةُ بِسَبعِمِائَة ضعف وَمَا أَنفَقُوا مِن شَيءٍ فَهُوَ يخلفه (الخصائص الکبریٰ) میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو ایک ہی دن میں کھیتی باڑی کرتے اور ایک ہی دن میں کاشت کر لیتے تھے، جب بھی وہ کاشت کرتے تو وہ کھیتی پھر بڑھ جاتی جیسے پہلے تھی، جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کیا ماجرا ہے؟ جبریل نے فرمایا یہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں، ان کی نیکیاں سات سو نیکیوں تک بڑھ جاتی ہیں، جو کچھ یہ لوگ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں انہیں اور زیادہ دے دیتا ہے۔

بڑا بول باعث ندامت و شرمندگی: خصائص کبریٰ میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کے واقعات میں ایک ایسا واقعہ لائے ہیں جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑا بول باعث ندامت و شرمندگی ہوتا ہے ثُمَّ أَتَى على حجر صَغِير يخرج مِنْهُ ثَوْر عَظِيم فَجعل الثور يُرِيد ان يرجع من حَيْثُ خرج فَلَا يَستَطِيع فَقَالَ مَا هَذَا يَا جبرئيل قَالَ هَذَا الرجل يتَكَلَّم بِكَلِمَة

عَظِيمَة ثمّ يندم عَلَيْهَا فَلَا يَسْتَطِيع ان يردهَا (الخصائص الکبریٰ) آپ ﷺ معراج کے سفر میں ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس تشریف لائے، اس میں سے ایک بڑا سا بیل نکل رہا ہے، بیل نکلنے کے بعد دوبارہ اس میں داخل ہونا چاہتا ہے، جہاں سے وہ نکلا ہے، مگر وہ دوبارہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا، پوچھا، اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو بہت بڑا بول بولتا ہے، پھر وہ اس بڑے بول پر شرمندہ اور نادم ہوتا ہے، مگر دوبارہ اس بات کو واپس کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ہر آسمان پر محمد ﷺ اور ابو بکر کا نام: ابو یعلیٰ موصلی، طبرانی نے اوسط میں، ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْلَةً أسرِي بِي عُرج بِي الى السَّمَاء مَا مَرَرْت بسماء إِلَّا وجدت اسْمِي فِيهَا مَكْتُوبًا مُحَمَّد رَسُول الله وَأَبُو بكر الصّديق خَلْفِي (الخصائص الکبریٰ) جس رات مجھے آسمانوں کی طرف لیجایا گیا، تو میں جس آسمان پر گیا وہاں اپنا نام محمد رسول اللہ اور ابو بکر کا نام اپنے نام کے پیچھے لکھا ہوا دیکھا۔

اسی طرح بزار نے ابن عمر سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں جس آسمان سے سے گزرا وہاں اپنا نام محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔

چمکتی تلوار پر اسمائے مبارکہ: علامہ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مفرد میں، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابن عساکر نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا رَأَيْتُ لَيْلَةً أسرِي بِي فِي الْعَرْش فِرندَة خضرَة فِيهَا مَكْتُوب بِنور أَبيض لَا إِلَه إِلَّا الله مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ أَبُو بَكر الصّديق عمر الْفَارُوق جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں نے عرش پر ایک سبز رنگ کی چمکتی تلوار دیکھی، جس پر سفید نور کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما لکھا ہوا تھا۔

یاجوج اور ماجوج دوزخی ہیں: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بَعَثَنِي الله لَيْلَةً أسرِي بِي إِلَى يَأْجُوج وَمَأْجُوج فَدَعوتُهُم إِلَى

دِينِ اللهِ وَعِبَادَتِهِ فَأَبَوا أَن يُّجِيبُونِي فَهُم فِي النَّارِ مَعَ مَن عَصَى وُلدِ آدَمَ وَوُلدِ إِبْلِيسَ (مردویہ، الخصائص) معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے یاجوج اور ماجوج کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کے دین کی طرف اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دوں، تو یاجوج اور ماجوج نے میری دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، پس یہ ان لوگوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے جنہوں نے اولاد آدم میں سے نافرمانی کی اور اولاد ابلیس میں سے جنہوں نے نافرمانی کی۔

شدت میں نرمی کی وجہ: سنن ابی داؤد اور بیہقی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ، وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مِرَارٍ، وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مِرَارٍ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتَّى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا، وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ مَرَّةً، وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ مَرَّةً (ابوداؤد، بیہقی)

نمازیں پچاس تھیں، جنابت کا غسل سات مرتبہ کرنا تھا، پیشاب کپڑے پر لگنے کی وجہ سے کپڑے کو سات مرتبہ دھونا تھا، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں، غسل جنابت ایک ہی مرتبہ کر دیا گیا، کپڑے پر پیشاب لگنے کی وجہ سے اسے ایک ہی بار دھونا کر دیا گیا۔

قیامت کا تذکرہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لَمَّا كَانَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَقِيَ إِبْرَاهِيمَ، وَمُوسَى، وَعِيسَى فَتَذَاكَرُوا السَّاعَةَ، فَبَدَءُوا بِإِبْرَاهِيمَ فَسَأَلُوهُ عَنْهَا، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مِنْهَا عِلْمٌ، ثُمَّ سَأَلُوا مُوسَى، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مِنْهَا عِلْمٌ، فَرُدَّ الْحَدِيثُ إِلَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، فَقَالَ: قَدْ عُهِدَ إِلَيَّ فِيمَا دُونَ وَجْبَتِهَا، فَأَمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ، فَذَكَرَ خُرُوجَ الدَّجَّالِ، قَالَ: فَأَنْزِلُ، فَأَقْتُلُهُ فَيَرْجِعُ النَّاسُ إِلَى بِلَادِهِمْ فَيَسْتَقْبِلُهُمْ يَأْجُوجُ، وَمَأْجُوجُ وَهُمْ {مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ} (الأنبياء: ۹۶)، فَلَا يَمُرُّونَ بِمَاءٍ إِلَّا شَرِبُوهُ، وَلَا بِشَيْءٍ إِلَّا أَفْسَدُوهُ، فَيَجْأَرُونَ

إِلَى اللهِ، فَأَدْعُو اللهَ أَنْ يُمِيتَهُمْ، فَتَنْتُنُ الْأَرْضُ مِنْ رِيحِهِمْ، فَيَجْأَرُونَ إِلَى اللهِ، فَأَدْعُو اللهَ، فَيُرْسِلُ السَّمَاءَ بِالْمَاءِ، فَيَحْمِلُهُمْ فَيُلْقِيهِمْ فِي الْبَحْرِ، ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ، وَتُمَدُّ الْأَرْضُ مَدَّ الْأَدِيمِ، فَعُهِدَ إِلَيَّ مَتَى كَانَ ذَلِكَ، كَانَتِ السَّاعَةُ مِنَ النَّاسِ، كَالْحَامِلِ الَّتِي لَا يَدْرِي أَهْلُهَا مَتَى تَفْجَؤُهُمْ بِوِلَادَتِهَا قَالَ الْعَوَّامُ: وَوُجِدَ تَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالَى: حَتَّى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ {مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ} (الأنبياء: ۹۶) (سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

جس رات حضرت نبی کریم ﷺ کو معراج ہوئی آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، ان سب نے قیامت کا ذکر کیا تو حضرت ابراہیم سے سب نے پوچھا (یہ جان کر کہ وہ سب میں بزرگ ہیں ان کو ضرور علم ہوگا) لیکن انہیں قیامت کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا، پھر سب نے حضرت موسیٰ سے پوچھا ان کو بھی علم نہ تھا۔ آخر حضرت عیسیٰ سے پوچھا انہوں نے کہا مجھ سے وعدہ ہوا ہے قیامت سے کچھ پہلے کا (یعنی قیامت کے قریب دنیا میں جانے کا) لیکن قیامت کا ٹھیک وقت تو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

پھر انہوں نے دجال کے نکلنے کا حال بیان کیا اور کہا کہ میں اتروں گا اور اس کو قتل کروں گا پھر لوگ اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ جائیں گے اتنے میں یاجوج اور ماجوج ان کے سامنے آئیں گے اور ہر بلندی سے وہ چڑھ دوڑیں گے جس پانی پر وہ گزریں گے اس کو پی ڈالیں گے اور ہر ایک چیز کو خراب کر دیں گے آخر لوگ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑائیں گے عاجزی سے (ان کو دفع کرنے کیلئے میں دعا مانگوں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو مار ڈالے (وہ مر جائیں گے) اور زمین بدبودار ہو جائے گی ان کے پاس پھر لوگ گڑگڑائیں گے اللہ کی درگاہ میں میں اللہ سے دعا کروں گا تو وہ پانی بھیجے گا جو ان کی لاشیں اٹھا کر سمندر میں بہالے جائے گا پھر پہاڑ اکھاڑ ڈالے جائیں گے اور زمین کھینچی جائے گی اور صاف ہموار ہو گی (اس میں پہاڑ اور ٹیلے اور سمندر گڑھے وغیرہ نہیں رہیں گے) پھر مجھ سے کہا گیا جب یہ باتیں ظاہر ہوں تو

قیامت لوگوں سے ایسی قریب ہو گی جیسے عورت حاملہ کا جننا، اس کے گھر والے نہیں جانتے کس وقت ناگہاں وہ جنتی ہے۔

عوام بن حوشب نے کہا اس واقعہ کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ، یعنی جب کھل جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے چڑھ دوڑیں گے۔

سابقہ انبیاء کی طرف سے خوش آمدید: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس براق لائی گئی، پھر میں اس پر سوار ہوا، جب براق کسی پہاڑی کے اوپر سے گزرتی تو اس کی پچھلی ٹانگیں اٹھ جاتی تھیں، جب نیچے کی طرف اترتی تو اس کی اگلی ٹانگیں اٹھ جاتی تھیں، براق ہمیں ایک بدبودار زمین کی طرف لے گیا، پھر ہم نے ایک پاکیزہ زمین کو عبور کیا، میں نے جبریل امین سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دوزخ کی زمین ہے، اور یہ جنت کی زمین ہے، پھر میں ایک آدمی کے پاس پہنچا جو نماز پڑھ رہا تھا، اس نے جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل! یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ جبریل امین نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس شخص نے مرحبا کہا اور میرے لیے برکت کی دعا کی، اور اس نے کہا کہ اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کیجیے۔

میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون ہے؟ جبریل امین نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر ہم چلے، اس کے بعد ہم نے ایک آواز سنی، وہ آواز غصہ میں بھری ہوئی تھی، پھر ہم ایک آدمی کے پاس آئے، اس نے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ آپ کے بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس نے سلام کیا، اور میرے لیے برکت کی دعا کی، اس نے کہا کہ اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کیجیے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون ہے؟ جبریل امین نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں، میں نے پوچھا کہ یہ کس کے سامنے اتنا اونچا بول رہے تھے، جبریل امین نے بتایا کہ یہ اپنے رب کے سامنے اپنے کو ملامت کر رہے تھے، ان کی گرمی گفتار محسوس کی جا رہی تھی، پھر ہم چل

پڑے، اس کے بعد ہم نے چراغ اور روشنیاں دیکھیں، میں نے پوچھا، جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے بتایا، یہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درخت ہے، آپ اس کے قریب ہو جایئے، چنانچہ میں اس کے قریب ہو گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحبا کہا، میرے لیے برکت کی دعا کی، اس کے بعد ہم بیت المقدس پہنچ گئے۔ (الخصائص الکبریٰ)

حوران خلد آشیاں کے سلام: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَمَّا أُسْرِيَ بِي دَخَلْتُ الْجَنَّةَ مَوْضِعًا يُسَمَّى الْبَيْدَجَ عَلَيْهِ خِيَامُ اللُّؤْلُؤِ، وَالزَّبَرْجَدِ الْأَخْضَرِ، وَالْيَاقُوتِ الْأَحْمَرِ، فَقُلْنَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ مَا هَذَا النِّدَاءُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الْمَقْصُورَاتُ فِي الْخِيَامِ يَسْتَأْذِنُونَ رَبَّهُنَّ فِي السَّلَامِ عَلَيْكَ، فَأَذِنَ لَهُنَّ فَطَفِقْنَ يَقُلْنَ: نَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ أَبَدًا، نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَظْعَنُ أَبَدًا، وَقَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَةَ {حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ} (الرحمن: ۷۲) (البعث والنشور للبیہقی)

جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں جنت میں ایسے مقام میں داخل ہوا جسے بیدج کہا جاتا ہے، جس میں موتیوں، سبز زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے تھے، حوروں نے کہا السلام علیک یارسول اللہ! میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ آواز کیا ہے؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ خیموں میں بند حوریں ہیں، جو اللہ سے اس بات کی اجازت مانگ رہی ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک کہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دی تو وہ کہنا شروع ہو گئیں، کہ ہم خوش و خرم ہیں کبھی ناراض نہ ہو گی، ہم ہمیشہ قیام کریں گی، ہمارا کبھی کوچ نہ ہو گا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی، حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ۔

ابراہیم علیہ السلام کا امت محمد کو پیغام: ترمذی، ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اقْرَأْ أُمَّتَكَ

مِنِّي السَّلَامُ وَاَخبِرهُم اَنَّ الجَنَّة طِيبَةُ التُربَةِ عُذبَةُ المَاءِ وَأَنَّهَا قِيعَان وَأَنَّ غُرَاسَهَا سُبحَانَ الله وَالحَمدُ لله وَلَا إِلٰهَ إِلَّا الله وَالله اَكبَر وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللهِ العَلِي العَظِيم (ترمذی، خصائص الکبری)

میں نے معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، تو انہوں نے فرمایا، اے محمد! اپنی امت کو میرا سلام کہیے اور انہیں جنت کی پاکیزہ مٹی کی خبر دیجیے، جس کا پانی میٹھا ہے، وہاں چٹیل زمین ہے، اس کے درخت سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہیں۔

تین اعزازات والقابات: بزار، ابن قانع اور ابن عدی نے حضرت عبد اللہ بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَيلَةً أسرِي بِي أنتهيت الى قصر من لؤلؤة فِرَاشُه ذهب يَتَلَألأُ نُوراً وَأعطيتُ ثَلَاثًا إِنَّك سيدُ الْمُرسلِينَ وَإِمَامُ الْمُتَّقِينَ وقائدُ الغر المحجَّلِينَ جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں موتیوں کے بنے ایک محل کے پاس پہنچ گیا، اس کا بچھونا سونے کا تھا جو چمک رہا تھا، اس وقت مجھے تین اعزازات سے نوازا گیا، ان میں ایک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم متقی لوگوں کے پیشوا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمکتی پیشانی والے لوگوں کے قائد ہیں۔ امام بغوی اور ابن عساکر نے محل کی جگہ قفص کے الفاظ نقل کیے ہیں، قفص کا معنیٰ پنجرہ ہے۔

ابو نعیم نے محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لَمَّا عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاء فَانتَهَى إِلَى مَكَان من السَّمَاء وقف بِهِ وَبعث الله ملكاً فَقَامَ من السَّمَاء مقَاماً مَا قَامَه قَبلَ ذَلِك قيل لَهُ علِّمه الْأَذَانَ فَقَالَ الْملك الله اكبر الله اكبر فَقَالَ الله صدق عَبدِي أَنا الله الْأَكْبَر فَقَالَ الْملك أشهد ان لَا إِلَه إِلَّا الله فَقَالَ الله صدق عَبدِي أَنَا الله لَا إِلَه إِلَّا انا فَقَالَ الْملك أَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُول الله فَقَالَ الله صدق عَبدِي أَنا أَرسلتهُ وَأَنا اخترته وَأَنا ائتمنته فَقَالَ حَيَّ على الصَّلَاة فَقَالَ الله صدق

عَبدِی دَعَا إِلَی فریضتی وحقی فَمن أَتَاهَا مُحتَسِبًا کَانَت کَفَّارَةٌ لِّکُل ذَنب فَقَالَ الْمَلَکُ حَیّ عَلی الْفَلَاح فَقَالَ اللّٰہُ صَدَقَ عَبدِی أَنَا اَقَمتُ فَرِیضَتَهَا وعدتها ومواقیتها ثُمَّ قیل لرَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیهِ وَسلم تقدم فَتقدم فَأم اهل السَّمَاء فتم لَهُ شرفه علی سَائِر الْخلق

جب نبی کریم ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ ﷺ آسمان میں ایک جگہ پر جا کر ٹھہر گئے، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا، وہ آسمان میں ایک ایسی جگہ پر ٹھہرا جہاں وہ اس سے پہلے نہیں ٹھہرا تھا، اسے کہا گیا کہ انہیں اذان سکھایئے، چنانچہ فرشتے نے کہا، اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے سچ کہا، میں ہی اللہ ہوں، سب سے بڑا ہوں، فرشتے نے کہا، اشھد ان لا الہ الا اللہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے سچ کہا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، فرشتے نے کہا اشھد ان محمد ارسول اللہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے سچ کہا، میں نے ہی اسے بھیجا ہے، میں نے ہی اسے چنا ہے، میں نے ہی امانت اس کے سپرد کی ہے، پھر جب فرشتے نے کہا حی علی الصلاۃ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے سچ کہا، اس نے میرے فرض کی طرف دعوت دی، میرے حق کی طرف دعوت دی، جو شخص اس فریضہ کی طرف آیا، ثواب کی نیت سے، تو یہ اس کے لیے ہر گناہ کا کفارہ ہے۔ جب فرشتے نے کہا حی علی الفلاح تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندے نے سچ کہا، میں اس فریضہ کو، اس کے وعدے کو، اسے کے اوقات کو قائم رکھوں گا، پھر نبی کریم ﷺ کے لیے کہا گیا آگے بڑھیے، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے، آسمان والوں کی امامت کروائی، یوں آپ ﷺ کی عظمت وبزرگی تمام مخلوقات پر تام ہوگئی۔ ابن مردویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اذان معراج کی رات سکھائی گئی اور نماز بھی معراج کی رات فرض کی گئی۔

ہر آسمان پر حجامہ کرانے کا حکم: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مَا مَرَرْت علی مَلأ من الْمَلَائِکَة لَیْلَةَ أُسرِیَ بِی إِلَّا قَالُوا مُر أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ جس

رات مجھے لیجایا گیا تو میں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھے یہ کہا کہ اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ حجامہ کروائیں۔ (مسند احمد، حاکم، ابن مردویہ)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ كَانَ لِابْنِ عَبَّاسٍ، غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُونَ فَكَانَ اثْنَانِ مِنْهُمْ يُغِلَّانِ عَلَيْهِ وَعَلَى أَهْلِهِ وَوَاحِدٌ يَحْجُمُهُ وَيَحْجُمُ أَهْلَهُ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ العَبْدُ الحَجَّامُ، يُذْهِبُ الدَّمَ، وَيُخِفُّ الصُّلْبَ، وَيَجْلُو عَنِ البَصَرِ وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عُرِجَ بِهِ مَا مَرَّ عَلَى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ وَقَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُونَ فِيهِ يَوْمَ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَقَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُودُ وَالحِجَامَةُ وَالمَشْيُ وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهُ العَبَّاسُ وَأَصْحَابُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَدَّنِي؟ فَكُلُّهُمْ أَمْسَكُوا، فَقَالَ: لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِمَّنْ فِي البَيْتِ إِلَّا لُدَّ غَيْرَ عَمِّهِ العَبَّاسِ قَالَ عَبْدٌ: قَالَ النَّضْرُ: اللَّدُودُ: الوَجُورُ (ترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تین غلام تھے جو پچھنے لگاتے تھے۔ ان میں سے دو تو اجرت پر کام کیا کرتے اور ایک ان کا اور ان کے گھر والوں کا حجامہ کیا کرتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرتے تھے کہ فرمایا حجامہ کرنے والا غلام کتنا بہترین ہے۔ خون کو لے جاتا ہے۔ پیٹھ کو ہلکا کر دیتا ہے اور نظر کو صاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تو فرشتوں کے جس گروہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ انہوں نے یہی کہا کہ حجامہ ضرور کیا کریں۔ فرمایا پچھنے لگانے کے لئے بہترین دن سترہ، انیس اور اکیس تاریخ ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ بہترین علاج سعوط، لدود، حجامہ اور مشی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں حضرت عباس اور بعض صحابہ نے دوا ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر موجود شخص کے منہ میں (بطور قصاص) دوا ڈالی

جائے۔ پس آپ ﷺ کے چچا عباس کے علاوہ سب حاضرین کے منہ میں دوائی ڈالی گئی۔ نضر کہتے ہیں کہ لدود، وجود کو کہتے ہیں یعنی منہ کی جانب سے حلق میں پہنچائی جانے والی دوائی پلانا۔

خوفناک مناظر: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِرِجَالٍ تُقَطَّعُ جُلُودُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: الَّذِينَ يَتَزَيَّنُونَ لِلزِّينَةِ. قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِجُبٍّ مُنْتِنِ الرِّيحِ، فَسَمِعْتُ فِيهِ أَصْوَاتًا شَدِيدَةً، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: نِسَاءٌ كُنَّ يَتَزَيَّنَّ لِلزِّينَةِ، وَيَفْعَلْنَ مَا لَا يَحِلُّ لَهُنَّ، ثُمَّ مَرَرْتُ عَلَى نِسَاءٍ وَرِجَالٍ مُعَلَّقِينَ بِثُدِيِّهِنَّ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الْغَمَّازَاتُ اللَّمَّازَاتُ وَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ} (الهمزة: ۱) (شعب الایمان)

جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا گزر کچھ ایسے مردوں پر ہوا جن کی چمڑیاں آگ کی قینچیوں کے ساتھ کاٹی جارہی تھیں، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بناؤ سنگھار کرتے تھے خوبصورت بننے کے لیے، فرمایا کہ پھر میں ایک بدبودار کچے کنویں کے پاس سے گزرا، اس میں میں نے سخت قسم کی آوازیں سنیں، میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو خوبصورت بننے کے لیے بناؤ سنگھار کرتی تھیں اور ایسے کام کرتی تھیں جو ان کے لیے حلال نہ تھے، پھر میں ایسی عورتوں اور مردوں کے پاس سے گزرا جو اپنے پستانوں کے بل لٹکے ہوئے تھے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ چغلی کھانے والیاں، بہتان تراشی کرنے والیاں، پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے والیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الھمزہ میں ارشاد فرمایا تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) طعنے دینے اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔

شیاطین کی حرکتیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي، لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِي، فَإِذَا رَعْدٌ وَبَرْقٌ وَصَوَاعِقُ، وَأُتِيتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ، فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ، فَقُلْتُ:

مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا، فَلَمَّا نَزَلْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا نَظَرْتُ أَسْفَلَ مِنِّي، فَإِذَا أَنَا بِرَهج وَدُخَانٍ وَأَصْوَاتٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذِهِ الشَّيَاطِينُ يَحُومُونَ عَلَى أَعْيُنِ بَنِي آدَمَ، لَا يَتَفَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَوْلَا ذَالِكَ لَرَأَوُا الْعَجَائِبَ (ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، مسند احمد، ابن مردویہ)

میں نے معراج کی رات میں دیکھا کہ جب ہم ساتویں آسمان کی طرف پہنچ گئے تو میں نے اوپر دیکھا، تو وہاں کڑک، بجلی اور گرج تھی، میں ایسی قوم کے پاس آیا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں، جن میں سانپ ہیں، جو ان کے پیٹوں کے باہر سے دکھائی دیتے ہیں، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں، جب میں آسمان دنیا کی طرف اترا تو اپنے نیچے کی طرف دیکھا تو وہاں گرد و غبار، دھواں اور آوازیں اٹھ رہی تھیں، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ شیاطین ہیں، جو لوگوں کی آنکھوں پر تصرف کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں غور و فکر نہیں کرتے اگر وہ ایسا نہ کریں تو لوگ عجائب و غرائب کا مشاہدہ کریں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَمَّا عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ دَخَلْتُ جَنَّةَ عَدْنٍ، فَوُضِعَ فِي كَفِّي تُفَّاحَةٌ، قَالَ: فَانْفَلَقَتْ عَنْ حَوْرَاءَ مَرْضِيَّةٍ كَأَنَّ أَشْفَارَ عَيْنَيْهَا مَقَادِيمُ أَجْنِحَةِ النُّسُورِ، فَقُلْتُ: لِمَنْ أَنْتِ؟ فَقَالَتْ: أَنَا لِلْخَلِيفَةِ الْمَقْتُولِ مِنْ بَعْدِكَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ (فضائل الصحابہ بن حنبل)

جب مجھے آسمان کی طرف لیجایا گیا تو میں جنت عدن میں داخل ہوا، پھر میری ہتھیلی پر ایک سیب رکھا گیا، پھر وہ سیب پھٹا تو اس میں سے مرضیہ نامی ایک حور نکلی، جس کی آنکھوں کے کنارے گدھ کے اگلے پروں کی طرح تھے، میں نے پوچھا، تو کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شہادت کا رتبہ پانے والے خلیفہ عثمان بن عفان کے لیے ہوں۔

امت محمدیہ کی شان: کنز العمال کی روایت میں ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَمَّا أُسْرِي

بِي إِلَى السَّمَاءِ قَرَّبَنِي رَبِّي تَعَالَىٰ حَتَّى كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ تَعَالَىٰ كَقَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ لَا بَلْ أَدْنَىٰ قَالَ يَا حَبِيبِي يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَبِّ قَالَ هَلْ غَمَّكَ أَنْ جَعَلْتُكَ آخِرَ النَّبِيِّينَ قُلْتُ يَا رَبِّ لَا قَالَ حَبِيبِي هَلْ غَمَّ أُمَّتِكَ أَنْ جَعَلْتُهُمْ آخِرَ الْأُمَمِ قُلْتُ يَا رَبِّ لَا قَالَ أَبْلِغْ أُمَّتَكَ عَنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي جَعَلْتُهُمْ آخِرَ الْأُمَمِ لَأَفْضَحُ الْأُمَمَ عِنْدَهُمْ وَلَا أَفْضَحُهُمْ عِنْدَ الْأُمَمِ (کنز العمال)

جب مجھے معراج کی رات آسمان کی طرف لیجایا گیا، تو مجھے میرے رب تعالیٰ نے قریب کیا، یہاں تک کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دو کمانوں کا فرق رہ گیا یا اس سے بھی قریب ہو گئے، بلکہ اس سے بھی قریب ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے حبیب! اے محمد! میں نے کہا، میں حاضر ہوں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا آپ اس بارے میں غم گین ہیں کہ میں نے آپ کو آخر النبیین بنایا ہے؟ میں نے کہا، اے میرے رب! نہیں، اللہ نے پھر پوچھا، اے میرے حبیب! کیا آپ اس پر غم گین ہیں کہ میں نے آپ کی امت کو آخر الامم بنایا ہے؟ میں نے کہا کہ اے میرے رب! نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام پہنچایئے اور انہیں خبر دیجیے کہ میں نے انہیں آخر الامم بنایا ہے، میں امتوں کو ان کے ہاں رسوا کروں گا مگر اس امت کو باقی امتوں کے سامنے رسوا نہیں کروں گا۔

سرخ وسفید گلاب کی پیدائش: ابو شجاع دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الفردوس میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ سفید گلاب معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے پیدا ہوا، سرخ گلاب جبریل کے پسینے سے پیدا ہوا، زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا ہوا۔ (مسند الفردوس)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ لَمَّا عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ بَكَتِ الْأَرْضُ مِنْ بَعْدِي فَنَبَتَ اللَّصَفُ مِنْ مَائِهَا، فَلَمَّا أَنْ رَجَعْتُ قُطِرَ مِنْ عَرَقِي عَلَى الْأَرْضِ فَنَبَتَ وردٌ أَحْمَرُ، أَلَا مَنْ أَرَادَ أَنْ يَشُمَّ رَائِحَتِي فليشمَّ الْوَرْدَ الْأَحْمَرَ (الفردوس بماثور الخطاب،

الجلیس الصالح، روح البیان، المقاصد الحسنہ) جب مجھے آسمانوں کی طرف معراج کرائی گئی تو زمین میرے جانے کے بعد رونے لگی، تو اس کے پانی سے ایک سفید پھول والا کانٹے دار درخت پیدا ہوا، جب میں واپس آیا تو میرے پسینے کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا جس سے سرخ گلاب پیدا ہوا، جو شخص میری خوشبو سونگھنے کا خواہش مند ہو وہ سرخ گلاب سونگھے۔

ابوالفرج نہروانی نے کہا کہ یہ خبر بہت سے لوگوں سے نشر ہوئی ہے، یہ ان بہت سی چیزوں میں سے ایک ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اعزاز واکرام بخشا، یہ چیز آپ ﷺ کی فضیلت اور عظمت شان پر دلالت کرتی ہے، اگرچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اسے درست تسلیم نہیں کیا ہے، مسند الفردوس اور مقاصد الحسنہ کے الفاظ اگرچہ ایک جیسے ہیں مگر دونوں میں تضاد ہے، پہلی مسند الفردوس میں ہے کہ سفید گلاب آپ ﷺ کے پسینے سے پیدا ہوا جب کہ حضرت انس والی مرفوع روایت میں ہے کہ سرخ گلاب آپ ﷺ کے پسینے سے پیدا ہوا۔ ابوالخیر محمد السخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المقاصد الحسنہ میں یہ روایت لائے ہیں، پھر اس پر علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول پیش کیا کہ وہ اسے کہتے ہیں کہ یہ روایت درست نہیں ہے، پھر اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ اسے موضوع کہتے ہیں۔

ابوالفرج نہروانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ساری باتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے بہت ہی انصاف پر مبنی بات کہی ہے، جو دل کو لگتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ان بہت سی باتوں کے مقابلے میں کم ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت بخشی ہے، جو آپ ﷺ کی فضیلت، آپ ﷺ کو اپنے رب کی طرف سے ملنے والی علوشان پر دلالت کرتی ہے۔ (الجلیس الصالح، مجلس ۹۵)

شب معراج کی پانچ سواریاں: یہ آقا مدنی کریم ﷺ کی شرافت، کرامت، بزرگی اور عظمت کا کس قدر اظہار ہے کہ انہیں زمین سے زمین تک، پھر زمین سے آسمان تک، پھر پہلے آسمان سے ساتویں آسمان تک اور ساتویں سے سدرۃ المنتہیٰ تک، سدرۃ سے مقام قاب قوسین تک عظیم الشان اوروی آئی پی (یعنی ویری امپارٹنٹ پرسن) کا پروٹوکول دیا گیا، آپ ﷺ کے لیے اس یادگاری رات میں پانچ سواریوں کا انتظام کیا گیا۔

① ان میں ایک براق تھی، جو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لائی۔
② دوسرے نمبر پر معراج (جنتی سیڑھی) جو مسجد الاقصیٰ سے آسمان اول تک لائی۔
③ تیسری سواری فرشتوں کے پر تھے جو آپ ﷺ کو یہاں سے ساتویں آسمان تک لائے۔
④ چوتھی سواری جبریل امین کے پر تھے جو ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک لائے۔
⑤ پانچویں سواری رفرف تھی جو قاب قوسین تک لائی۔

یہ اعزاز تھا، یہ پروٹوکول تھا، آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، مراد المشتاقین، نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کا، ورنہ اللہ کو براق کی، فرشتوں کے پروں کی، جبریل کے پروں کی، رفرف کی اور معراج (سیڑھی) لانے کی بالکل کوئی ضرورت نہ تھی، وہ اللہ اپنے کن کے اشارے سے فیکون کا جواب پاتا ہے، وہ آنکھ جھپکنے کی مدت میں کہیں سے کہیں پہنچا دینے پر قادر ہے، شب معراج میں ان پانچ سواریوں کا انتظام محض آپ ﷺ کی شرافت، کرامت، بزرگی، عظمت اور شان کے اظہار کے لیے کیا گیا، ورنہ وہ قادر وقدیر ذات ہوا کے دوش پر اٹھوا کر اپنے تحت پر لا سکتی تھی۔

معراج رات کو کیوں کرائی گئی؟ حضرت نبی کریم ﷺ کو معراج رات کو کرائی گئی اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو ذہنوں میں ابھرتا ہے، دن کے اجالے میں بھی معراج کرائی جا سکتی تھی تاکہ سب لوگوں کے سامنے ایک بات کھل جاتی کہ آپ ﷺ کس شان بان کے ساتھ براق پر سوار ہو کر برق رفتاری اور سبک خرامی کے ساتھ زمینی فاصلے عبور کرتے ہوئے آسمانوں کی بلندیوں کو چیرتے ہوئے عرش بریں پر جا پہنچے، اہل علم و عرفان کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کو معراج پر لے جانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی عظمت اور رفعت کو مزید چار چاند لگائے جائیں، اس لیے کہ رات میں تنہائی اور خلوت ہوتی ہے، رات میں اختصاص ہوتا ہے، دن میں عموم ہوتا ہے، رات میں بادشاہوں کی مجالست ہوتی ہے، رات کی تاریکی میں بادشاہ صرف اپنے ان لوگوں کو اپنے پاس بلاتا ہے جو انتہائی مقربین ہوتے ہیں۔

رات کی تاریکی ہی میں اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کے ایک طبقے کو شرافت اور بزرگی سے نوازا ہے، رات دن کے لیے اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، دن کے برعکس رات کی تاریکی میں کسی اہم ترین مقصد کو پایا جاسکتا ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک مسافر رات کی تاریکی میں جو منزل سفر طے کر سکتا ہے وہ دن کے اجالے میں طے نہیں کر سکتا، اسی لیے ایک روایت میں ایسا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم پر رات کے ابتدائی حصہ میں سفر کرنا لازم ہے، اس لیے کہ رات میں زمین کی مسافت مختصر ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کے ابتدائی حصہ میں سفر شروع کر دیتا ہے اور جو رات کے ابتدائی حصہ میں سفر شروع کر دیتا ہے وہ اپنی منزل کو پالیتا ہے۔

رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کو اس لیے معراج کرائی گئی کیونکہ عالم نور میں سے جو چیز اس کی طرف چڑھتی ہے وہ عالم ظلمت سے اوپر چڑھنے والی چیز سے زیادہ شک وشبہ سے دور ہوتی ہے، اور یہ بات عجائبات وغرائب میں بہت زیادہ بلیغ ہے۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو سراج کہا جاتا ہے سراج کا معنیٰ ہے چراغ، روشنی اور سراج رات کی تاریکی ہی میں روشن کیا جاتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کو بدر منیر کہا جاتا ہے، اور بدر اندھیری رات میں ہی خوب روشنی پھیلا کر اسے روشن کر دیتا ہے۔ یہ سارے انسانی تخیلات وتصورات ہیں، اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو رات کی تاریکی میں معراج کیوں کرائی اس کا حقیقی علم اسی عالی ذات کے پاس ہے، کوئی انسان اسے اپنے طور پر نہیں جان سکتا ہے، اللہ تعالیٰ تو صرف اتنا آگاہ فرماتے ہیں کہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھانا چاہتے تھے۔

خدائی لشکر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات اللہ کی سلطنت میں ایسے مردوں کی شکلیں دیکھیں جو ابلق گھوڑوں پر تھے، اسلحہ سے لیس تھے، ان میں سے ایک کی لمبائی ایک ہزار کی مسافت کی ہے، اور گھوڑے بھی اسی طرح ہیں، ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے ہیں، ان کا اگلا سرا معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی پچھلا سرا دکھائی دیتا ہے، آپ ﷺ نے

جبریل امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے فرمایا، کیا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا کہ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر: ۳۱) اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اترتا ہوں اور اوپر چڑھتا ہوں تو ان لشکروں کو گزرتے ہوئے دیکھتا ہوں، مجھے پتا نہیں چلتا کہ یہ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟ (روح المعانی)

عجائبات وغرائب کے زیر عنوان یہ واقعات بندہ فقیر نے مختلف کتب سے جمع کیے ہیں، ان کی ترتیب کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، ممکن ہے کہ ایک واقعہ بعد میں ہوا ہو اور ہم نے اسے پہلے لکھ دیا ہے، اس لیے کوئی پڑھنے والا پریشان نہ ہو، بلکہ وہ ان واقعات کو حقائق کی عینک سے دیکھے اور مطالعہ کرے، عبرت حاصل کرے اور ان سبق آموز واقعات سے سبق حاصل کرے، سفر معراج کے یہ عجیب وغریب واقعات ہیں جو سیرت کی کتب میں موجود ہیں، کسی کتاب میں ایک واقعہ ہے، کسی میں دو ہیں اور کسی میں تین ہیں، مگر سب واقعات یکجا کسی کتاب میں ملنا مشکل ہے، اسی طرح ان واقعات کی ترتیب کا بھی کسی جگہ ذکر نہیں ہے، ہاں سیاق وسباق سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ جنت کا ہو سکتا ہے، یہ واقعہ دوزخ دیکھنے سے متعلق ہے، یہ واقعہ آسمانوں کے درمیان خلاء میں رونما ہوا ہوگا، قیاس اور قیافہ سے ہی ان واقعات کو دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ بہر حال جہاں اور جس موقع پر بھی یہ واقعات پیش آئے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم انہیں یقین کی آنکھ سے دیکھیں اور اطمینانی دل سے ان کا مطالعہ کریں۔

امام الانبیاء ﷺ کی امامت: حضرت نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی، جس میں آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں قل یاایھا الکافرون کی تلاوت کی اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز صرف ذکر ودعا پر مشتمل تھی، اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سات صفیں تھیں، تین صفیں ان میں ان کی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مرسلین بنایا، قاضی زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الروض میں فرمایا کہ یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اس میں اس بات کو ظاہر کر دیا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے امام اور پیشوا ہیں، البتہ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو نماز پڑھائی یا ارواح مع ان کے اجساد کے انہیں نماز پڑھائی؟ اس میں بھی اختلاف ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ نماز معراج سے پہلے پڑھائی تھی یا معراج کے بعد پڑھائی تھی؟ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کے بعد پڑھانے کو درست قرار دیا ہے، جب کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے معراج سے پہلے نماز پڑھانے کو درست قرار دیا ہے، دوسری روایات کو سامنے رکھتے ہوئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی کی بات کو ترجیح ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے پہلے ہی انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی تھی۔ ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آسمان پر وہاں کے مقیمین کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ (روح المعانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء اور معراج رات کے ایک حصہ میں ہوا تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی بھی رات کے ایک حصہ میں ہی ہوئی تھی، مگر اس بعض کی مقدار معین نہیں کی جاسکتی کہ کون سا حصہ تھا؟

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس رات میں جو کچھ بھی ہوا وہ سب عجائبات اور غرائب میں سے ہے۔ بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس طرح نیند کی وجہ سے پہلے گرم تھا اسی طرح تھا۔ (روح المعانی)

رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کی بلندیوں پر: اس کے بعد کے مناظر بخاری شریف میں یوں بیان کیے گئے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شب میرے گھر کی چھت پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا، پھر جبریل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر ایک طشت سونے کا حکمت و ایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے میرے سینہ میں ڈال دیا، پھر سینہ کو بند کر دیا۔

اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان کی طرف لے گئے، جب میں آسمان دنیا پر پہنچا، تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دے، اس نے کہا کون ہے؟ وہ بولے

جبریل علیہ السلام ہے، پھر اس نے کہا، کیا تمہارے ساتھ کوئی (اور بھی) ہے، جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں! میرے ہمراہ محمد ﷺ ہیں، اس نے کہا وہ بلائے گئے تھے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں! جب دروازہ کھول دیا گیا، تو ہم آسمان دنیا کے اوپر چڑھے، یکایک ایک ایسے شخص پر نظر پڑی، جو بیٹھا ہوا تھا، اس کی داہنی جانب کچھ لوگ تھے اور اس کی بائیں جانب (بھی) کچھ لوگ تھے، جب وہ اپنے داہنی جانب دیکھتے تو ہنس دیتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو دیتے، انہوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا کہ مَرحَبًا بالنَّبی الصَّالح وَالابن الصَّالح میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آدم ہیں اور یہ لوگ ان کے دائیں اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب جنت والے ہیں اور بائیں جانب دوزخ والے، اسی لئے جب وہ اپنی داہنی جانب نظر کرتے ہیں، تو ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں، تو رونے لگتے ہیں۔

یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے اور اس کے داروغہ سے کہا کہ (دروازے) کھول دے، تو ان سے داروغہ نے اسی قسم کی گفتگو کی، جیسے پہلے نے کی تھی، پھر (دروازہ) کھول دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے آسمانوں میں آدم علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی اور یہ نہیں بیان کیا کہ ان کے مدارج کس طرح ہیں، سوا اس کے کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں اور ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں پایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر جب جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گذرے تو انہوں نے کہا مرحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالح وَالأَخ الصَّالح (آپ ﷺ فرماتے ہیں) میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا مَرحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالح وَالأَخ الصَّالح میں نے (جبریل سے) پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر میں عیسیٰ علیہ السلام کے

پاس سے گذرا تو انہوں نے کہا مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ میں نے پوچھا یہ کون ہے ؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے کہا مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے اوپر لے گئے، یہاں تک کہ میں ایک ایسے بلند مقام میں پہنچا، جہاں (فرشتوں کے) قلموں کی کشش کی آواز میں نے سنی۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، جب میں یہ فریضہ لے کر لوٹا، تو موسیٰ علیہ السلام پر گذرا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ نے آپ کے لئے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں، انہوں نے (یہ سن کر) کہا کہ اپنے اللہ کے پاس لوٹ جایئے، اس لئے کہ آپ کی امت (اس قدر عبادت کی) طاقت نہیں رکھتی، تب میں لوٹ گیا، تو اللہ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا۔

پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا کہ اللہ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی کہا کہ اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے، کیونکہ آپ کی امت (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتی، پھر میں نے رجوع کیا تو اللہ نے ایک حصہ اس کا (اور) معاف کر دیا۔

پھر میں ان کے پاس لوٹ کر آیا اور بیان کیا تو وہ بولے کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جائیں، کیونکہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ پھر میں نے اللہ سے رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا کہ اچھا (اب) یہ پانچ (رکھی) جاتی ہیں اور یہ (در حقیقت با اعتبار ثواب کے) پچاس ہیں، میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی۔

پھر میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا، انہوں نے کہا پھر اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے، میں نے کہا (اب) مجھے اپنے پروردگار سے بار بار کہتے ہوئے شرم آتی ہے، پھر مجھے روانہ کیا گیا، یہاں تک کہ میں

سدرۃ المنتہیٰ پہنچایا گیا اور اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے، میں نہ سمجھا کہ یہ کیا ہیں؟ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا (تو کیا دیکھتا ہوں) کہ اس میں موتی کی لڑیاں ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے۔ (بخاری)

رحمتِ دو عالم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر: سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں مگر بیری کا درخت کیا ہے؟ اس کا تصور بالکل اسی طرح ناممکن ہے جس طرح جنت کی راحتوں اور جہنم کی تکلیفوں کا اندازہ اس دنیا میں لگانا مشکل ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان اپنے مشاہدہ کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنت ایسی ہے کہ نہ کسی کان نے سنا نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے دل پر اس کا تصور بھی گذرا ہے۔

اسی طرح سدرہ بیری کا ایک درخت ہے اس کی صحیح کیفیات کا علم اللہ کو ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ یہ آسمان پر تمام بھلائیوں اور احکامات الٰہی کا ایک ایسا سنگم ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی احکامات آتے ہیں پہلے وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے ملائکہ زمین پر لاتے ہیں اسی طرح اس دنیا کے تمام اعمال پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے اللہ کے حکم پر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اتنا بڑا اور تناور درخت ہے جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور اس کا پھیلاؤ ساتویں آسمان تک ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ وہ ہے جس کے پاس "جنت الماویٰ" یعنی وہ جنت ہے جس میں اہل ایمان کو رکھا جائے گا اور اہل ایمان و صاحبان تقویٰ کے لئے بہترین قیام ہو گی۔ (حسن بصری)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی ارواح کو رکھا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ جنت نہیں ہے جو آخرت میں ملنے والی ہے غرضیکہ جب نبی کریم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے لے جائے گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ چیزیں جو سونے کے پروانوں کی طرح روشن و منور تھیں وہ اس بیری کے درخت سے چمٹی اور لپٹی ہوئی ہیں۔

روایات کے مطابق یہ فرشتے تھے جو اس درخت سے اتنی بڑی مقدار میں لپٹے ہوئے تھے کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آرہا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرشتوں کو معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاء سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آج کی رات یہاں تشریف لارہے ہیں تو فرشتوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بھی نبی کریم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی، معلوم ہوا کہ اس رات اللہ کی خصوصی تجلیات کا ظہور تھا جس کی بنا پر اللہ کے فرشتے بھی آپ کی آمد کے منتظر تھے۔

جب حضرت جبریل اس مقام پر پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ میں اس سے ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں گا تو اللہ کی تجلی مجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو مجھے بادل کی طرح کی چیز نے گھیر لیا او میں سجدہ میں گر گیا۔ پھر اللہ کی طرف سے رف رف سواری بھیجی گئی اور میں رنگ و نور کے درمیان آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ (تفسیر بصیرت قرآن)

تفسیر روح البیان میں حضرت نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی منقول ہے کہ مجھے حضرت جبریل سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے، سدرہ وہ درخت ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر، جنت کے کنارے پر واقع ہے، زمین والوں میں سے نیک بخت لوگوں کے اعمال لے کر فرشتے یہاں تک پہنچتے ہیں، اس کی طرف عرش سے احکامات اترتے ہیں، رحمانی انوارات یہاں اترتے ہیں، اس درخت کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح ہیں، شکل یعنی گولائی میں نہ کہ بڑا ہونے میں۔

بعض روایات کے مطابق سدرہ کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں کہ ایک ایک پتے کے سائے میں ساری مخلوق آجائے، اس کے سائے میں ایک سوار ستر سال تک چلتا رہے تو سایہ ختم نہیں ہو سکتا، سدرہ کا پھل بڑے مٹکے کی طرح ہے، یہ درخت ایسا ہے جو دونوں جہان کے درمیان برزخی حد ہے، اس کی ٹہنیاں اہل جنت کے لیے اللہ کی نعمت ہیں، اس کی جڑیں اہل دوزخ کے لیے زقوم ہیں۔ (روح البیان)

ایک روایت میں اس درخت کے پتے کا یوں ذکر فرمایا گیا کہ تَكَادُ الوَرَقَةُ تُغَطِّي هٰذِهِ الأُمَّةِ (سیرۃ حلبیہ) قریب ہے کہ اس درخت کا ایک پتا اس امت کو ڈھانپ لے۔

ایک روایت میں ہے کہ لَو أَنَّ الوَرَقَةَ الوَاحِدَةَ ظَهَرَت لَغَطَّت هٰذِهِ الدُّنيَا (السیرۃ الحلبیہ) اگر ایک پتا ظاہر ہو جائے تو اس دنیا کو ڈھانک لے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی ٹہنیاں کرسی کے نیچے ہیں، حضرت وھب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرش اور کرسی دونوں ہی ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔

یہاں رسول کریم ﷺ نے فرشتوں کو نماز پڑھائی، بیت المقدس میں انبیاء کرام کے امام تھے، یہاں فرشتوں کے امام بنے، یوں آپ ﷺ کی اہل زمین اور اہل آسمان پر فضیلت ظاہر ہوئی۔ (روح البیان) اس درخت کی جڑوں سے چار نہریں نکلتی ہیں، دو نہریں ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری نہریں نیل (مصر کا دریا) و فرات (کوفہ کا دریا) تھیں، علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت نیل و فرات کی شاداب وادیوں کو اپنا وطن بنائے گی، یعنی یہاں کے باشندے نسلاً بعد نسل مسلمان ہوں گے، یہ نہیں کہ ان دونوں نہروں کے پانی کا منبع جنت میں ہے اور باطنی دو نہریں کوثر اور نہر رحمت ہیں، دریائے نیل کی مٹھاس اور شیرینی کو بحر اخضر کی نمکینی ختم کر دیتی ہے، ورنہ مٹھاس کی وجہ سے کوئی اس کا پانی پی نہیں سکتا تھا۔

دریائے فرات کی تاریخ میں ایک ایسا وقت گزرا جب اس میں ایک انار دیکھا گیا، جو اونٹ جتنا موٹا تھا، اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ جنتی انار تھا، صاحب روح البیان کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ انار ان باغات کا ہو جنہیں جنان الارض کہا جاتا ہے، ورنہ جنت کا پھل زمین پر کیسے پایا جا سکتا ہے، علامہ ابن الجوزی نے اسے روایات واہیہ میں شمار کیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَا مِن يَوم إِلَّا وَيَنزِلُ مَاء مِّنَ الجَنَّةِ فِي الفَرَاتِ (سیرۃ حلبیہ) کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ فرات میں جنت سے پانی نہ اترتا ہو۔

سدرہ کی جڑ میں ایک چشمہ ہے، جسے سلسبیل کہا جاتا ہے، اس سے دو نہریں نکلتی ہیں، ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نہر الرحمۃ، سیرت حلبیہ کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس نہر میں غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری اگلی پچھلی ساری معاف کر دیں۔ (سیرت الحلبیہ)

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں، وہ نیل، فرات، سیحون اور جیحون ہیں، اسی طرح طبرانی میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں، ایک وہ جس کا پانی بدبودار نہیں ہے، ایک دودھ کی جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہے، ایک شراب کی جس میں پینے والوں کے لیے لذت ہے، ایک خالص شہد کی، علامہ حلبی کہتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تضاد اور تناقض نہیں ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے شہد کی نہر کہا گیا ہے وہ دریائے نیل ہے، کیونکہ دریائے نیل اگر حبشیوں کے دریا میں ملنے سے پہلے بحر الاخضر میں نہ ملتا تو اس کا پانی مٹھاس کی وجہ سے پیا نہیں جا سکتا تھا، اس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اس میں نمکینی آگئی ہے، دودھ کی نہر جیحون ہے، شراب کی نہر فرات کی نہر ہے، پانی کی نہر سیحون کی نہر ہے۔ (سیرت حلبیہ)

سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پتنگوں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، سدرہ کے ہر پتے پر فرشتے موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ان کے علاوہ دوسرے فرشتے بڑی تعداد میں بڑے شوق کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے اس درخت کے پاس زیارت کے لیے آتے ہیں، جس طرح انسان خانہ کعبہ کی طرف شوق ذوق کے ساتھ آتے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اپنی اصل شکل میں دیکھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا، جبریل امین کے چھ سو پر تھے، ہر ایک پر نے آسمان کے کناروں کو ڈھانکا ہوا تھا، ان کے پروں سے یاقوت اور موتی بکھر رہے تھے، اسی طرح ایک بار جبریل امین کو ان کی اصلی شکل میں زمین پر دیکھا تھا۔

جس سفر کی ابتدا ام ہانی کے گھر سے ہوئی تھی، جو سفر مدینہ شریف، مدین، بیت اللحم کے راستوں سے گزرتا ہوا بیت المقدس اور بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کو طے کرتے کرتے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تھا، اس سارے سفر میں نورانی مخلوق کے اہم ترین فرد حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کے ہمراہ رہے، مگر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر جبریل کے چلتے قدم رک گئے، آگے بڑھنے کی بجائے جبریل پیچھے ہٹنے لگے، جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا أَفِي مِثْلِ هَذَا الْمَقَامِ يَتْرُكُ الْخَلِيلُ خَلِيلَهُ، کیا ایسی جگہ پر پہنچ کر کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟

حضرت جبریل امین علیہ السلام فرمانے لگے کہ اگر میں یہاں سے آگے بڑھوں تو جل جاؤں، ایک روایت کے مطابق جبریل امین نے فرمایا کہ لَوْ دَنَوْتُ أُنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ (تفسیر کبیر للرازی) اگر یہاں سے ایک پورا بھی آگے بڑھوں تو میرے سارے پر جل جائیں۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی منظر کی یوں عکاسی کی ہے

چناں کرم در تیہ قربت براند... کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام... کہ اے حامل وحی بر تر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی... عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند... بماندم کہ نیروی بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم... فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ: یوں قربِ الٰہی کے اس سفر میں آپ ﷺ اس مقام تک آگے بڑھے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریل علیہ السلام وہیں رک گئے۔ حضور بیت الحرام کے سردار (نبی کریم ﷺ) نے فرمایا: اے وحی کے امین! ذرا اور آگے بڑھو۔ جب تم نے مجھے دوستی میں مخلص پایا ہے، تو پھر ساتھ چھوڑ کر میری لگام کیوں کھینچ رہے ہو؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اب اس سے آگے بڑھنے کی مجھے مجال نہیں، میں یہیں رک گیا ہوں کہ میرے پروں میں آگے جانے کی طاقت نہیں رہی، اگر میں ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں، تو تجلی الٰہی کی روشنی میرے پروں کو جلا ڈالے گی۔

رحمتِ کائنات ﷺ جنت میں: سدرۃ المنتہیٰ کے بعد آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی، جس کے گنبد موتیوں کے اور مٹی مشک کی تھی، اس کے انار ڈولوں کی طرح تھے، اس کے پرندے اونٹوں کی طرح تھے، جنت میں آپ ﷺ نہر کوثر تک پہنچ گئے، اس کے برتن سونے اور چاندی کے تھے، اس نہر میں سے آپ ﷺ نے پانی پیا، جو شہد سے زیادہ میٹھا تھا، مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت کے داروغہ رضوان کو دیکھا، جب رضوان نے مجھے دیکھا تو میری وجہ سے خوش ہو گیا، مجھے مرحبا کہا، اس نے مجھے جنت میں داخل کیا اور جنت کے عجائبات مجھے دکھائے، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہے، کسی کان نے سنا نہیں ہے، میں نے جنت میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مراتب اور درجات دیکھے، جنت میں میں نے نہریں اور چشمے دیکھے۔

میں نے ایسی آوازیں سنیں جو کہہ رہی تھیں کہ آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ہم رب العالمین پر ایمان لائیں، میں نے پوچھا، اے رضوان! یہ آوازیں کیا ہیں؟ رضوان نے کہا کہ یہ آوازیں فرعونی جادوگروں اور ان کی بیویوں کی ہیں۔

اس کے بعد میں نے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ کی آوازیں سنیں، تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ رضوان نے کہا کہ یہ حاجیوں کی روحیں ہیں۔ میں نے تکبیر سنی، تو رضوان نے کہا کہ یہ مجاہدین کی آوازیں ہیں۔ میں نے تسبیح سنی تو رضوان نے کہا کہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، میں نے نیکوکاروں کے محلات بھی دیکھے۔ (روح البیان)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَا فِي الدُّنْيَا شَجَرَةٌ حُلْوَةٌ وَلَا مُرَّةٌ إِلَّا وَهِيَ فِي الْجَنَّةِ حَتَّى الْحَنْظَلَةُ (ابن کثیر، روح) دنیا میں میٹھا اور کڑوا کوئی پھل ایسا نہیں ہے جو جنت میں نہ ہو یہاں تک کہ ایلوا بھی جنت میں ہے۔ تفسیر بغوی میں اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ صرف اتنی بات ہے کہ جنت میں حنظل (یعنی ایلوا) میٹھا ہو گا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وَالَّذِی نَفسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَقطِفُ رَجُل ثَمَرَةً مِّنَ الْجَنَّة فَتَصِلُ إِلَی فِیهِ حَتَّی یُبَدِّلَ اللهُ مَکَانَهَا خَیراً مِنهَا (تفسیر در منثور) اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، آدمی جنت کا پھل چنے گا تو وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اس سے بہتر بدل دیں گے۔ جنت کے تمام ہی پھل میٹھے ہوں گے، اگرچہ سب ہی دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے۔

جنت کی آواز: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ میں وادی جنت میں آپ ﷺ کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ثُمَّ أَتَی عَلَی وَادٍ فَوَجَدَ رِیحًا طَیِّبَةً بَارِدَةً وَرِیحَ مِسكٍ وَسَمِعَ صَوتًا فَقَالَ یَا جبرئیلُ مَا هٰذَا قَالَ هَذَا صَوتُ الْجَنَّةِ تَقُولُ یَا رَبِّ إِیتِنِی بِمَا وَعَدتَنِی فَقَدْ کَثُرَتْ غُرَفِی وَاستَبرَقِی وَحَرِیرِیْ وَسُنْدُسِی وَعَبقَرِیِّ وَلُؤلُؤِیْ وَمَرجَانِیْ وَفِضَّتِیْ وَذَهَبِیْ وَأَکوَابِیْ وَصِحَافِیْ وَأَبَارِیقِیْ وَمَرَاکِبِیْ وَعَسَلِیْ وَمَائِیْ وَلَبَنِیْ وَخَمرِیْ فَآتِنِی مَا وَعَدتَنِیْ فَقَالَ لَكِ کُلُّ مُسلِمٍ وَّمُسلِمَةٍ وَّمُؤمِنٍ وَّمُؤمِنَةٍ قَالَت رَضِیتُ (الخصائص)

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر تشریف لائے، جہاں آپ ﷺ نے خوشبودار، ٹھنڈی ہوا کے ہلے محسوس کیے، مشک کی خوشبو پائی اور ایک آواز سنی تو پوچھا، اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ جنت کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے، اے میرے رب! میرے ساتھ جو تو نے وعدہ کیا ہے وہ مجھے دے دے، میرے بالاخانے بڑھ گئے ہیں، میرے ریشم، حریر (سلک)، سندس (دیبا، ریشم، اطلس) میرے عبقر (نفیس اور عمدے کپڑے)، میرے موتی، میرے مرجان (مونگا، موتی)، میری چاندی، میرا سونا، میرے پیالے، میرے طشت، میرے لوٹے، میری سواریاں، میرا شہد، میرا پانی، میرا دودھ، میری شراب بہت بڑھ چکی ہے، اس لیے تو نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ مجھے عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر مسلمان مرد، ہر مسلمان عورت، ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت تیرے لیے ہے، جنت کہتی ہے میں راضی ہوں۔

جنت کے دروازے پر کلمہ طیبہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَكْتُوب عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ (ابن عساکر، الخصائص) جنت کے دروازے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح علامہ ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ عَلَيْهَا وَرَقَةٌ إِلَّا مَكْتُوبٌ عَلَيْهَا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ جنت میں کوئی پتہ دار درخت ایسا نہیں ہے جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا ہوا ہو۔

جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل: طبرانی اور حاکم میں شیخین کی شرط پر ایک صحیح روایت ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَمَّا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ أَتَيْتُ عَلَى قَصرٍ مِّن ذَهَبٍ مُرَبَّعٍ مُشرَفٍ، فَقُلْتُ: لِمَن هٰذَا القَصرُ؟ فَقَالُوا: لِعُمَرَ بنِ الخَطَّابِ جب میں جنت میں داخل ہوا تو ایک محل پر آیا، جو سونے کا تھا، چوکور تھا، بلند تھا، میں نے پوچھا کہ یہ عالی شان محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب کا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ قَرَأَ بَعْدَ كُلِّ صَلَاةٍ مَّكْتُوبَةٍ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ عَشرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللهُ لَهُ قَصراً فِي الْجَنَّةِ، وَمَن قَرَأَهَا عِشرِينَ مَرَّةً بَنَى اللهُ لَهُ قَصرَينِ فِي الْجَنَّةِ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورت الاخلاص پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائیں گے، جو بیس مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا إِذاً تَكْثُرَ قُصُورُنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: فَضلُ اللهِ أَوسَعُ مِن ذٰلِكَ پھر تو یا رسول اللہ! ہمارے محلات بہت زیادہ ہو جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ (طبرانی، حاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ قَصرًا فَقُلْتُ: لِمَن هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: لِعُمَرَ بنِ الخَطَّابِ، ثُمَّ سِرْتُ هُنَيْئَةً

فَرَأَيْتُ قَصْرًا هُوَ أَحْسَنُ مِنَ الْقَصْرِ الْأَوَّلِ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَإِنَّ فِيهِ لَمِنَ الْحُورِ الْعَيْنِ، فَمَا مَنَعَنِي أَنْ أَدْخُلَهُ إِلَّا مَا عَرَفْتُ مِنْ غَيْرَتِكَ يَا أَبَا حَفْصٍ، فَبَكَى عُمَرُ وَقَالَ: أَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ؟

میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک محل دیکھا، پھر میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ محل کس کا ہے؟ جبریل نے فرمایا، یہ محل عمر بن الخطاب کا ہے، پھر میں کچھ دیر چلا تو اس سے بھی خوبصورت محل دیکھا، پھر میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ محل کس کا ہے؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ عمر بن الخطاب کا ہے، اس محل میں حور العین تھی، آپ ﷺ نے حضرت عمر کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو حفص! تیری غیرت کی وجہ سے میں اس محل میں داخل نہیں ہوا، حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ پر غیرت کروں؟ (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بلایا، پھر ان سے فرمایا يَا بِلَالُ بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ، مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي أَنِّي دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ، فَسَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ؟» قَالَ: مَا أَحْدَثْتُ إِلَّا تَوَضَّأْتُ، فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهَذَا (فضائل الصحابہ)

اے بلال! تم کس عمل کے باعث جنت میں مجھ سے آگے ہوئے؟ میں رات کو جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے تیرے قدموں کی چاپ سنائی دی، بلال حبشی نے عرض کیا، میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا پھر اسی وجہ سے تمہارے قدموں کی آواز مجھے جنت میں سنائی دی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دخلت الْجَنَّةَ فَسَمِعَ فِي جَانِبِهَا وَجْسًا قَالَ يَا جِبْرِيلُ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا بِلَالٌ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ جَاءَ

النَّاسُ قَدْ أَفْلَحَ بِلَالٌ (الاحادیث المختارہ)

میں جنت میں داخل ہوا تو جنت کی ایک طرف کسی کی پوشیدہ سی آواز سنائی دی، تو میں نے جبریل امین سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے بتایا کہ یہ مؤذن بلال کے قدموں کی آواز ہے، جب لوگ آگئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال حبشی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ بلال کامیاب ہو گیا۔

حضرت جعفر طیار اور امیر حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ الْبَارِحَةَ فَنَظَرْتُ فِيهَا وَإِذَا جَعْفَرٌ يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ وَإِذَا حَمْزَةُ مُتَّكِئٌ عَلَى سَرِيرٍ (الاحادیث المختارہ) میں رات کو جنت میں داخل ہوا تو میں وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر فرشتوں کے ساتھ اڑ رہا ہے، امیر حمزہ چارپائی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

حضرت ام انس رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ خَشْفَةً بَيْنَ يَدَيَّ فَإِذَا هِيَ الْغُمَيْصَاءُ ابْنَةُ مِلْحَانَ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (فضائل الصحابہ لاحمد) میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، یہ غُمیصاء بنت ملحان تھیں، جن کو ام انس کہا جاتا ہے۔

نہر کوثر کا سفید اور میٹھا پانی: حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے معراج کے واقعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے ساتویں آسمان کی پشت پر لیجایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ایسی نہر پر پہنچ گیا، جس پر یاقوت، موتی اور زبرجد کے خیمے تھے، اس پر ایک سبز رنگ کا پرندہ تھا، جو بہت ہی موٹا تھا، جو میں نے دیکھا، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ پرندہ بہت موٹا ہے، جبریل نے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) اسے کھانے والا اس سے بھی زیادہ موٹا ہو گا، پھر پوچھا، کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ نہر کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا، جبریل امین نے کہا، یہ نہر کوثر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطاء فرمائی ہے، اس نہر میں سونے اور چاندی کے برتن تھے، جو یاقوت وزمرد کی چمکتی کنکریوں پر بہہ رہے تھے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا، میں نے اس کا برتن لیا، لپ بھر کر اس کا پانی اس میں ڈالا اور پیا، شہد سے زیادہ میٹھا

تھا، مشک سے زیادہ اس کی خوشبو تھی، پھر مجھے لیجایا گیا یہاں تک کہ میں ایک درخت کے پاس پہنچا، وہاں مجھے ایک بادل نے ڈھانپ لیا، اس میں ہر قسم کے رنگ تھے، مجھے جبریل امین نے چھوڑا تو میں اللہ کے لیے سجدہ میں گر گیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا، اے محمد! میں نے آپ (ﷺ) اور آپ ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، آپ اور آپ ﷺ کی امت ان نمازوں کو قائم کریں، پھر وہ بادل کا ٹکڑا مجھ سے ہٹ گیا، جبریل امین نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے جلدی میں لے گئے، پھر میں حضرت ابراہیم کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا، پھر میں موسیٰ کے پاس آیا تو ان کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ میرے رب نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، تو موسیٰ نے کہا کہ آپ اور آپ کی امت ان کو ادا کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھے گی۔

جس درخت کے پاس آپ ﷺ کو بادل نے ڈھانپا تھا اسی کے پاس جا کر دوبارہ جا کر سجدہ ریز ہوئے ، پھر بادل نے آپ ﷺ کو چھپا لیا تھا، یہاں سجدہ ریز ہو کر نمازوں میں تخفیف کروائی، پھر اللہ نے دس نمازیں آپ ﷺ کی درخواست پر کم کر دیں، بادل ہٹ گیا۔

دوزخ کا ہولناک منظر: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی، اگرچہ دوزخ ساتویں زمین پر ہے، اس کے دروازے پر وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ لکھا ہوا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک فرشتہ دکھایا گیا جو میرے سامنے ہنسا نہیں، میں نے کہا، اے میرے بھائی جبریل! یہ کون ہے؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ داروغہ جہنم ہے، جس کا نام مالک ہے، جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے تب سے یہ ہنسا نہیں ہے، اگر یہ کسی ہستی کے سامنے ہنستا تو وہ آپ ﷺ کی ذات تھی کہ آپ ﷺ کے سامنے ہنستا، جبریل امین نے داروغہ سے کہا کہ اے مالک! یہ حضرت محمد ﷺ ہیں، انہیں سلام کہو، اس کے بعد اس نے مجھے سلام کیا اور مجھے مبارکباد دی، اس وجہ سے کہ میں نے اسے ملاقات کا شرف اور زیارت کی عزت بخشی، پھر داروغہ جہنم نے سلام کرنے میں پہل کی تاکہ مالک داروغہ سے جو خوف سا محسوس ہو رہا تھا وہ ختم ہو جائے اور اس سلام سے یہ اشارہ

کر دیا کہ جو نیکوکار لوگ ہوں گے وہ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، نجات پا جائیں گے، میں نے داروغہ دوزخ سے کہا کہ وہ مجھے دوزخ دکھائے چنانچہ اس نے مجھے دوزخ کے درجات وطبقات دکھائے، جو کچھ اس میں تھا وہ اس نے مجھے دکھایا، اس میں اللہ کا غضب اور غصہ بھرا ہوا تھا، اگر اس میں کوئی پتھر اور لوہا پھینکا جائے تو وہ اسے نگل جائے۔ (تفسیر روح البیان)

زانیہ اور بچوں کو قتل کرنے والیاں: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **ثُمَّ مضيت هينة فَإِذَا أَنَا بِنِسَاءٍ مُّعَلَّقَاتٍ بِثَدْيِهِنَّ وَنِسَاءٍ مُنَكَّسَاتٍ بِأَرْجُلِهِنَّ فَسَمِعْتُهُنَّ يَضْجَّجْنَ إِلَى اللهِ قُلْتُ يَا جِبْرَئِيلُ مَنْ هَؤُلَاءِ النِّسَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِكَ اللَّاتِي يَزْنِينَ وَيَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ**

کچھ دیر کے لیے میرا گزر ایسی عورتوں پر ہوا جو اپنے پستانوں کے بل لٹکائی گئی تھیں، کچھ ایسی عورتیں تھیں جن کو ان کے پاؤں کے بل اوندھا کیا گیا ہے (اوپر کا حصہ نیچے، نیچے کا اوپر، سامنے والا حصہ پیچھے اور پیچھے کا حصہ آگے) میں نے انہیں سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف کے باعث چیخ وپکار کر رہی تھیں، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ عورتیں کون ہیں؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ آپ ﷺ کی امت کی وہ عورتیں ہیں جو زنا کرتی ہیں اور اپنی اولادوں کو قتل کرتی ہیں۔

دجال اور خازن نار: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الخصائص الکبریٰ میں نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے واقعہ معراج کے دوران ارشاد فرمایا کہ **وَأُرِيَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ، وَالدَّجَّالَ** (صحیح مسلم باب الاسراء) مجھے دوزخ کا داروغہ مالک دکھایا گیا، اور مجھے دجال دکھایا گیا۔ ابن مردویہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی معراج کے واقعہ میں بیان کیا کہ **رأى مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ فَإِذَا رجل عَابس يُعرَفُ الْغَضَبُ فِي وَجهِهِ** (خصائص) آپ ﷺ نے داروغہ مالک کو دیکھا، وہ ترش رو شخص کی طرح آپ ﷺ کو دکھائی دیا، اس کی پیشانی سے غصہ دیکھا جا سکتا تھا۔

جہنم کی چیخ وپکار: ثُمَّ أَتَى عَلَى وَادٍ فَسَمِعَ صَوتاً مُنكراً وَوَجَدَ رِيحًا مُنْتِنَةً فَقَالَ مَا هٰذَا يَا جبرئيلُ قَالَ هٰذَا صَوتُ جَهَنَّمَ تَقولُ يَا ربِّ آتنى مَا وَعَدتَنِي فَلَقَد كثُرَت سَلاسِلى وأَغلَالى وسَعِيرى وَحَمِيمى وَضَرِيعى وغَسَّاقى وعَذَابى وَقَد بَعُدَ قَعرى وَاشْتَدَّ حَرِّى فآتنى مَا وَعَدتَنِي قَالَ لَكَ كُل مُشْرِك ومشركةٍ وَكَافِرٍ وكافرةٍ وكل خَبِيث وخبيثةٍ وكل جَبَّار لَا يُؤمن بِيَوْم الْحساب قَالَت قَد رَضِيت

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر تشریف لائے، جہاں آپ ﷺ نے ناپسندیدہ آوازیں سنیں، جہاں بدبو محسوس کی، پوچھا، اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل نے کہا، یہ جہنم کی آواز ہے، جو کہہ رہی ہے، اے میرے رب! تو نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ پورا کر دے، میری زنجیریں، میری بیڑیاں، میرے شعلے، میری گرمی، میرے کانٹے، میری پیپ، میرا عذاب بہت بڑھ چکا ہے، میری گہرائی بہت زیادہ ہو چکی ہے، میری گرمی میں شدت آچکی ہے، اس لیے تو نے جس چیز کا میرے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ عطا فرمادے، اللہ نے فرمایا ہر مشرک مرد اور مشرک عورت، ہر کافر مرد اور کافر عورت، ہر گندہ مرد اور گندی عورت، ہر سرکش جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا وہ تیرے لیے ہے، دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہوں۔

حلال کی بجائے حرام کی طرف آنے والے: نبی کریم ﷺ معراج کی رات کچھ دیر کے لیے ایک دستر خوان کے پاس پہنچے، جس پر پکا ہوا گوشت تھا، مگر اس کے قریب کوئی بھی نہ تھا، پھر آپ ﷺ ایک ایسے دستر خوان پر پہنچے جس پر ایسا گوشت تھا جو بدبودار تھا جس سے سڑانڈ اٹھ رہی تھی، اس کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، جو اس میں سے کھا رہے تھے، آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے کہا، یہ لوگ آپ ﷺ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف آتے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر در منثور میں ایک روایت نقل فرمائی ہے، جس میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ فَإِذَا أَنَا بِقَومٍ عَلَى مَائِدَةٍ عَلَيْهَا لَحم مَشوِى كَأَحسن مَا رَأَيت

من اللَّحم وَإِذا حوله جيف فَجعلُوا يقبلُونَ على الْجِيَف يَأْكُلُون مِنْهَا وَيدعونَ اللَّحم فَقلت: من هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيل قَالَ: هَؤُلَاءِ الزناة عَمدُوا إِلَى مَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِم وَتَرَكُوا مَا أَحَلَّ اللهُ لَهُم

معراج کی رات میں ایک قوم کے پاس پہنچا، جو ایسے دستر خوان پر تھے جہاں بھنا ہوا گوشت تھا، جو بہت ہی اچھا تھا، ایسا گوشت میں نے نہیں دیکھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس مردار ہوتا ہے، وہ اس مردار کی طرف لپکتے ہیں اور اس میں سے کھاتے ہیں، جب کہ گوشت کو چھوڑ دیتے ہیں، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ بدکار لوگ ہیں، (زنا کرنے والے) اللہ نے جس چیز کو ان کے لیے حرام کیا ہے یہ اس کی طرف جاتے ہیں اور جسے اللہ نے ان کے لیے حلال کیا ہے وہ اسے چھوڑ رہے ہیں۔ (تفسیر در منثور)

ظلماً یتیم کا مال کھانے والوں کا عبرت ناک منظر: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ثُمَّ مَضَيْتُ هُنَيَّةً، فَإِذَا أَنَا بِأَقْوَامٍ مَشَافِرُهُمْ كَمَشَافِرِ الْإِبِلِ، فَتُفْتَحُ أَفْوَاهُهُمْ، وَيُلْقَمُونَ حِجَارَةً، ثُمَّ تَخْرُجُ مِنْ أَسَافِلِهِمْ، فَسَمِعْتُهُمْ يَضِجُّونَ إِلَى اللهِ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِكَ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا، إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

میں تھوڑی دیر ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کی طرح تھے، ان کے منہ کھولے جاتے ہیں اور ان کے منہ میں پتھر ٹھونسے جاتے ہیں، پھر وہ پتھر ان کے نیچے سے نکل جاتے ہیں، میں نے انہیں سنا کہ وہ تکلیف کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف چیخ وپکار کر رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں، جبریل نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، (قرآن کریم میں ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ڈالے جائیں گے)

عیب جوئی اور بد گوئی کرنے والے: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ثُمَّ مَضَيْتُ هُنَيَّةً، فَإِذَا أَنَا بِأَقْوَامٍ يُقْطَعُ مِنْ جُنُوبِهِمُ اللَّحْمُ، فَيُلْقَمُونَ، فَيُقَالُ لَهُمْ: كُلُوا كَمَا كُنْتُمْ تَأْكُلُونَ مِنْ لَحْمِ أَخِيكُمْ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الْهَمَّازُونَ مِنْ أُمَّتِكَ اللَّمَّازُونَ (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۲۷۶)

کچھ دیر کے لیے میرا گزر ایسی لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹا جارہا تھا اور انہیں کھلایا جارہا تھا، پھر انہیں کہا جارہا تھا کہ تو اسے کھا جیسے اپنے بھائی کا گوشت کھاتا تھا، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ آپ ﷺ کی امت کے عیب جوئی کرنے والے، بد گوئی کرنے والے لوگ ہیں۔

انسانوں کا گوشت کھانے والے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِّنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبرئيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ

جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے، وہ ان ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینے چھیل رہے تھے، میں نے کہا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں، ان کی عزتوں کے درپے ہوتے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۳۵۸)

حدیث شریف میں يَخْمِشُونَ کا لفظ آیا ہے، کتب لغت میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جیسے عورت اپنے چہرے کو ناخنوں سے چھیلتی ہے، زخمی کرتی ہے، اس سے اس کے چہرے کے ظاہر پر نشان پڑ جاتے ہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چہرے اور ناخنوں کو چھیلنا اور زخمی کرنا یہ نوحہ گر عورتوں کی صفات میں سے ہے، اس لیے اس سے تعبیر کی گئی کہ جو لوگ دوسروں کی عزتیں

اچھالتے، پائمال کرتے، ان کی غیبتیں کرتے ہیں، یہ ان کے شایان شان نہیں ہے، یہ مردوں کی صفات نہیں ہیں، بلکہ یہ عورتوں کی صفات ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج۸ ص۳۱۵۸)

پتھر کا لقمہ بنا کر کھانے والا: ابن مردویہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا رَأَيْتُ لَيْلَةً أُسرِيَ بِي رَجُلاً يُسَبِّحُ فِي نَهرٍ يَلقَمُ الْحِجَارَةَ فَسَأَلتُ مَن هٰذَا فَقِيلَ لِي هٰذَا آكِلُ الرِّبَا (الخصائص الکبریٰ ج۱ ص ۲۶۲) میں نے معراج کی رات ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا، وہ بہت تیزی سے پتھر کھا رہا تھا، پھر میں نے جبریل امین سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ سود کھانے والا شخص ہے۔

فتنہ باز خطیبوں کا عبرت ناک منظر: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَيْلَةً أُسرِيَ بِي مَرَرْتُ بِنَاسٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُم بِمَقَارِيضَ مِّن نَارٍ كُلَّمَا قُرِضَت عَادَتْ فَقُلتُ مَن هَؤُلَاءِ يَا جِبرَئِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

جس رات مجھے معراج کرائی گئی، اس رات میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا، جب بھی ان کے ہونٹ کاٹے جاتے تھے پھر وہ اسی طرح ہو جاتے تھے، میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے فرمایا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو وہ بات کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ (الخصائص الکبریٰ)

عجائبات معراج میں فتنہ گر خطیبوں کے بارے میں ایک روایت اور بھی ہے، جس میں یہ ہے کہ ثُمَّ اَتَى عَلَى قَومٍ تُقْرَضُ أَلسِنَتُهُم وَشِفَاهُهُم بِمَقَارِيضَ مِن حَدِيدٍ كُلَّمَا قُرِضَت عَادَتْ كَمَا كَانَت لَا يَفتَرُ عَنْهُم مِن ذٰلِكَ شَيءٌ قَالَ مَا هَؤُلَاءِ يَا جِبرئِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ خُطَبَاءُ الْفِتْنَةِ (الخصائص الکبریٰ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں کے ساتھ کاٹے جارہے تھے، جب بھی یہ کاٹے جاتے تو وہ دوبارہ پہلے کی طرح ہو جاتے تھے، یہ کام مسلسل ہو رہا تھا،

جبریل سے پوچھا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے فتنہ پرداز خطیب ہیں۔

ابن مردویہ نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں آگ کی قینچیوں کی جگہ لوہے کی قینچیوں کا ذکر ہے۔

مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لَمَّا أُسْرِيَ بِي مَرَرْتُ بِرِجَالٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ قَالَ: فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ، وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (مسند احمد، مسند انس بن مالک)

جب مجھے معراج کی رات لیجایا گیا تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا، جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں کے ساتھ کاٹے جارہے تھے، میں نے کہا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، کیا پس یہ سمجھتے نہیں ہیں۔

فرض نماز میں کوتاہی کرنے والوں کا انجام: واقعہ معراج کے دوران آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جو فرض نمازوں میں کوتاہی کا ارتکاب کرتے تھے, ثُمَّ أَتَى عَلَى قَوْمٍ تُرَضَّخُ رُؤُوسُهُمْ بِالصَّخْرِ كُلَّمَا رُضِخَتْ عَادَتْ كَمَا كَانَتْ وَلَا يَفْتُرُ عَنْهُمْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ فَقَالَ مَا هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ تَثَاقَلُ رُؤُوسُهُمْ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ

پھر نبی کریم ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا، جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جارہا تھا، جب بھی ان کے سر کچلے جاتے تو اس کے بعد ان کے سر پہلے کی طرح دوبارہ ہو جاتے تھے، یہ کام مسلسل ہو رہا تھا، جبریل سے پوچھا، جبریل یہ کون لوگ ہیں، جبریل نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں کے باعث بوجھل ہو رہے تھے، (فرض نمازوں میں کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔)

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا عبرت ناک انجام: ثُمَّ أَتَى عَلَى قَوم عَلى أَقبَالِهِم رِقَاع وعَلى أَدبَارِهِم رِقَاع يَسرَحُونَ كَمَا تَسرَحُ الْإِبِلُ وَالنعَمُ وَيَأكُلُونَ الضَّرِيعَ وَالزَّقُّومَ وَرَضفَ جَهَنَّمَ وَحِجَارَتَهَا قَالَ مَا هَؤُلَاءِ يَا جبرئيل قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذين لَا يُؤَدُّونَ صَدَقَاتِ أَمْوَالِهِم وَمَا ظَلَمَهُمُ الله شَيْئاً (خصائص الکبریٰ)

پھر نبی کریم ﷺ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے اگلے اور پچھلے حصے پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں، وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے پھرتے ہیں، ضریع اور زقوم یعنی کانٹے اور جہنم کے گرم پتھر کھا رہے ہیں، جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔

زانی مرد اور زانیہ عورت: ثُمَّ أَتَى عَلَى قَومٍ بَينَ أَيدِيهِم لَحم نَضِيج فِي قِدر وَلَحم آخَر نی خَبِيث فَجعلُوا يَأكُلُون من الني الْخَبِيث وَيَدَعُونَ النَّضِيجَ الطَّيِّبَ قَالَ مَا هَؤُلَاءِ يَا جبرئيلُ قَالَ هَذَا الرَّجُلُ مِن أُمَّتِكَ تَكُونُ عِندَهُ الْمَرْأَةُ الْحَلَالُ الطَّيِّبُ فَيَأْتِي إمرأَة خَبِيثَة فَيَبِيتُ عِندَهَا حَتَّى يُصبِحَ وَالْمَرْأَةُ تَقُومُ مِن عِندِ زَوجِهَا حَلَالًا طَيِّباً فَتَأتى رَجُلاً خَبِيثاً فَتَبِيتُ مَعَه حَتَّى تُصبِحَ (الخصائص الکبریٰ)

پھر نبی کریم ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سامنے پکا ہوا گوشت ایک ہنڈیا میں رکھا ہوا تھا، ایک ہنڈیا میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا، لوگ سڑا ہوا، بدبودار گوشت کھا رہے ہیں مگر پکے ہوئے پاکیزہ گوشت کو چھوڑ رہے ہیں، جبریل سے کہا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے پاس پاکیزہ حلال بیوی موجود ہے مگر اس کے باوجود وہ ناپاک گندی عورت کے پاس جاتا ہے، اس کے پاس ساری رات گزارتا ہے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے، اور وہ عورت جس کے پاس حلال پاک مرد موجود ہے، مگر اس کے باوجود وہ گندے اور ناپاک مرد کے پاس ساری رات گزارتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔

ڈاکوؤں کا عبرتناک انجام: جو لوگ ڈاکہ زنی، راہزنی، کرتے ہیں ان کے احوال بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو دکھائے، معراج کی رات آپ ﷺ نے ڈاکوؤں کا جو منظر دیکھا اس کا بیان یوں ہے

ثُمَّ أَتَى عَلَى خَشَبَة عَلَى الطَّرِيق لَا يَمُرُّ بِهَا ثَوب إِلَّا شقته وَلَا شَيْء إِلَّا خرقته قَالَ مَا هٰذَا يَا جِبرئيل قَالَ هَذَا مثل أَقوام من أمتك يَقْعُدُونَ على الطَّرِيق فيقطعونه

پھر آپ ﷺ کا گزر ایک لکڑی پر ہوا، جو راستے کے ایک کنارے پر تھی، جو کپڑا بھی اس کے پاس سے گزرتا وہ اسے پھاڑ ڈالتی تھی، جو چیز بھی اس کے پاس سے گزرتی وہ اسے پھاڑ ڈالتی تھی، جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کیا منظر ہے؟ جبریل نے فرمایا یہ آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو راستوں پر بیٹھتے ہیں اور لوگوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ)

خیانت کار کی رسوائی کا منظر: خیانت کار، امانت اور حقوق میں گڑبڑ کرنے والوں کا منظر بھی آپ ﷺ نے دیکھا

ثُمَّ أَتَى عَلَى رَجُل قَد جَمَعَ حُزمة عَظِيمَة لَا يَستَطِيع حملهَا وَهُوَ يزِيد عَلَيْهَا فَقَالَ مَا هَذَا يَا جبرئيل قَالَ هَذَا الرجل من أمتك تكون عَلَيْهِ أمانات النَّاس لَا يقدر على أَدَائِهَا وَهُوَ يُرِيد ان يحمل عَلَيْهَا

آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا، اس کو اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی، مگر وہ اس گٹھے پر اور لادے جا رہا ہے، پوچھا، اے جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کا وہ آدمی ہے جس پر لوگوں کی امانتوں کا بوجھ ہے، وہ لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتیں ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا مگر وہ اس کے باوجود اپنے اوپر مزید بوجھ لادے جا رہا ہے۔

مقام صریف الاقلام: اس کے بعد آپ ﷺ مزید اوپر پہنچے جہاں صریف الاقلام کو سنتے تھے، وقت تحریر قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے، اسے صریف الاقلام کہا جاتا ہے، اس مقام پر قضا و قدر کے قلم مشغول کتابت تھے، اللہ کے فرشتے امور الٰہیہ کی کتابت اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔ (زرقانی شرح مواہب، ماخوذ از سیرت مصطفےٰ ج ۱)

حضرت ابو حبہ انصاری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوَى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ (بخاری) جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایک اونچی سطح پر بلند ہوا جس میں میں نے قلم چلنے کی آواز سنی۔ صریف الاقلام سے مراد یہ ہے کہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی وحی، تقدیر اور تدبیر کے امور لکھ رہے تھے میں نے اس کی آواز سنی۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ سے جس جس چیز کو لکھ رہے تھے میں نے اس وقت قلم کے لکھنے کی آواز سنی۔

رحمت کائنات ﷺ اور دیدار خداوندی: حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل امین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا يَا جِبْرِيلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ إِلَى رَبِّكَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ سَلِ اللهَ لِي أَنْ أَبْسُطَ جَنَاحِي عَلَى الصِّرَاطِ لِأُمَّتِكَ حَتَّى يَجُوزُوا عَلَيْهِ، اے جبریل! کیا آپ کا اللہ کی بارگاہ میں کوئی کام ہے؟ جبریل نے عرض کی، اے محمد! اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجیے کہ وہ مجھے اجازت دیں تو میں پل صراط پر آپ ﷺ کی امت کے لیے اپنے پر بچھادوں تاکہ وہ ان پروں کے اوپر سے گزر جائیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے نور کے پردوں میں داخل کر دیا گیا، میری وجہ سے ستر ہزار پردے پھٹے، یہ ایسے پردے تھے جن کو کسی پردے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی، ہر پردے کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی، مجھ سے تمام فرشتے دور ہو گئے، اس موقع پر مجھے خوف لاحق ہو گیا، پھر مجھے ابو بکر کی زبان میں کسی نے کہا کہ ٹھہرو، تمہارا رب نماز پڑھ رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ یوں کہہ رہے ہیں سُبْحَانِي سُبْحَانِي سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي سبحانی، سبحانی (پاک ہے میری ذات، پاک ہے میری ذات) میری رحمت میرے غصے سے آگے بڑھی ہوئی ہے، بلند و بالا ذات کی طرف سے آواز آئی، أُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ أُدْنُ يَا أَحْمَدُ أُدْنُ يَا مُحَمَّدُ فَادْنَانِي رَبِّي (المواهب اللدنیہ) اے مخلوق میں بہترین، اے احمد! اے محمد! قریب ہو جاؤ، چنانچہ میرے رب نے مجھے قریب کر دیا، یہاں تک کہ جیسا فرمایا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى (٨) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (٩) (النجم) پھر وہ نزدیک ہوا، پھر اور نزدیک ہوا، تو کمان کے دو کناروں کے (فاصلے کے) برابر رہ گیا یا اس سے بھی کم۔

ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک نبی کریم ﷺ جبریل امین کے پروں پر تشریف لے گئے تھے، سدرۃ المنتہیٰ سے آگے رفرف پر تشریف لے گئے تھے، رفرف ایک سبز رنگ کی مخملی مسند تھی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفرف نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئی، پھر نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کے قریب پہنچ گئے، رفرف کا لفظ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے، جس کا معنیٰ مطلق بساط کے ہیں، چاہے وہ سبز ہو، یا کسی بھی رنگ کی ہو۔ صحیح احادیث میں رفرف کا ذکر نہیں ہے، البتہ ضعیف روایات میں اس کا ذکر ملتا ہے، اس لیے اس کو بالکل بے اصل بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (کاندھلوی) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات میں نبی کریم ﷺ کی سواری کے لیے ایک رفرف اتری، آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ بلند کیے گئے، یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔

صاحب روح البیان کہتے ہیں کہ رفرف ایک بڑی بساط تھی، شیخ عبد الوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں رفرف کی مثال ڈولی کی ہے (وہ ڈولی جس میں عورتیں بیٹھتی ہیں) (روح البیان)

پیچھے سے حضرت جبریل امین نے آواز دی، **يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ يُثْنِي عَلَيْكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَا يُهَوِّلَنَّكَ كَلَامُهُ**، اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کر رہے ہیں، اسے سنیے، اللہ کی اطاعت کیجیے، اللہ کے کلام سے گھبرائیے نہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء شروع کر دی۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ تمام قولی عبادات، تمام بدنی عبادات، تمام مالی عبادات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لیے فرمایا **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ**، اے نبی! آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمتیں ہوں اور اس کی برکتیں ہوں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس سلامتی حق کو پھر عام کیا، عرض کرنے لگے، **اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ**، ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں پر بھی سلامتی ہو۔

اس کے بعد حضرت جبریل امین نے کہا کہ **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا

ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت جبریل امین نے جب ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت نبی کریم ﷺ کی عبدیت ورسالت کی گواہی دی تو ان کی پیروی میں تمام فرشتوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی عبدیت ورسالت کی گواہی دی۔ (روح البیان)

سدرۃ المنتہیٰ سے رفرف پر عالم انوار کو چیرتے ہوئے عرش کے مقام قدمین تک پہنچ گئے، جسے مستویٰ کہا جاتا ہے، اس کا مفہوم قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

یہ سب کچھ رسول کریم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں کے ساتھ دیکھا، محل استویٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب عالم ترکیب وتدبیر سے جدا ہوئے تو اپنی جنس کا کوئی مونس ہمراہ نہ تھا، اس عالم تنہائی میں وحشت سی محسوس ہونے لگی، تو حضرت ابو بکر صدیق کی آواز میں جب تسلی دی گئی کہ اے محمد! ٹھہریے، آپ کا رب نماز پڑھ رہا ہے، تو آپ ﷺ کو سکون آگیا، اس وقت آپ ﷺ پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی گئی هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ، اللہ وہ ذات ہے جو تم پر رحمتیں بھیجتی ہے، اس کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں، تاکہ وہ ذات تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا، تو آپ ﷺ نے نور اعظم کو دیکھا، پردہ میں سے موتیوں کی ایک رفرف کو دیکھا، پھر اللہ نے اپنے محبوب سے جو کلام کرنا چاہا وہ کیا۔

جب نبی کریم ﷺ اس مقام پر پہنچے جسے کہا گیا کہ وہ قریب ہوا اور اور قریب ہوا (دنا فتدلی) بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوگئے اور نور السمٰوٰت والارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے دیکھا اور بلاواسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف اور سرفراز ہوئے۔ فاوحیٰ الی عبدہ ماا وحیٰ۔ (سیرت مصطفےٰ ج ا ص ۳۴۲) طبرانی کی روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، نبی

کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بڑا نور دیکھا، پھر اللہ نے میری طرف وحی کی جو اس نے چاہا کہ وحی کی جائے۔ (در منثور ج ۷ ص ۱۲۳)

شیخ المحدثین مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے دنا فتدلی اور فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کی تفسیر بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آیت میں دنو (قریب ہونا) اور تدلی (نیچے آنا) سے حق جل شانہ کا ایسا قرب خاص اور تام مراد ہے کہ جس کے ساتھ دیدار پر انوار اور مسرت التیام بھی ہوا اور فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ سے بلاواسطہ مکالمہ خداوندی اور بلاواسطہ کلام اور وحی مراد ہے، اس لیے کہ دیدار کے بعد بالواسطہ کلام کے کیا معنیٰ دیدار بلاواسطہ کے بعد کلام بلا واسطہ کا ذکر مناسب اور موزوں ہے۔ (سیرۃ مصطفےٰ ﷺ ج ۱ ص ۳۴۳)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سَأَلَنِی رَبِّی فَلَم أَستَطِع اَن أُجِیبَہ فَوَضَعَ یَدَہُ بَینَ کَتِفَیَّ، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے سوال کیا تو مجھ میں ہمت نہ تھی کہ میں انہیں جواب دوں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کاندھوں کے درمیان رکھا۔ (تفسیر روح البیان) یہاں ہاتھ سے دستِ قدرت مراد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے، اس میں کیفیت اور حد بھی بیان نہیں کی جاسکتی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے دست قدرت کی ٹھنڈک پائی، پھر اس نے مجھے اولین اور آخرین کے علم کا وارث بنایا، مجھے بہت سے علوم سکھائے، اللہ تعالیٰ نے ایسا علم سکھایا جس کے چھپانے پر پکڑ ہوتی ہے، اس لیے میرے سوا اسے اٹھانے کی طاقت کوئی نہیں رکھتا، اور ایسا علم دیا جس میں مجھے اختیار دیا، ایک ایسا علم دیا جس کی تبلیغ اپنی امت کے ہر خاص وعام کو کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر روح البیان) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو بہت سے علوم سکھائے گئے، مگر یہ تین علوم جن پر فاء دلالت کرتی ہے یہ اولین اور آخرین کے علوم سے زائد ہیں، پہلا علم باب حقیقت سے ہے، دوسرا باب المعرفت سے ہے اور تیسرا باب الشریعہ سے ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جن عطایا اور نوازشات سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سورۃ البقرہ کے اختتام پر موجود چند آیات سے نوازا گیا، سورۃ والضحیٰ کی چند آیات سے نوازا گیا، اسی طرح الم نشرح کی بعض آیات سے سرفراز فرمائے گئے۔

وحی جب بلاواسطہ ہو تو اس چیز کی مقتضی ہے کہ خطاب کا صیغہ استعمال ہوتا، مگر نبی کریم ﷺ نے بلا کیف اللہ کا کلام سنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنائی دینے والی آواز ہر طرف سے آرہی تھی اور سنائی دے رہی تھی۔ اس لیے کہ اس ذات عالی کی شان یہ ہے

کلام سرمدی بے نقل بشنید... خداوند جہانرا بے جہت دید

بدید آنچہ زحد دیدن برون بود... مپرس امازکیفیت کہ چون بود

ترجمہ: انہوں نے کلامِ سرمدی (ازلی وابدی کلام) کو بغیر کسی واسطہ کے سنا، اور ربِّ کائنات کو بے جہت (یعنی زمان و مکان کی قید سے ماورا) پایا۔ انہوں نے وہ کچھ دیکھا جو دیکھنے کی حد سے بھی آگے تھا، مگر اس کی کیفیت نہ پوچھو کہ وہ کیسی تھی۔

محی الدین امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں کے ساتھ اپنے رب کو دیکھا۔ (روح البیان)

اسی اثناء میں اللہ جل شانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو پچاس نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا، واپسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے کسی قسم کا سوال وجواب نہیں کیا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرش بریں سے ملنے والے تحفے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام کو تشویش لاحق ہوئی، کہ میں نے اپنی قوم کے لیے بہت جدوجہد کی، بڑی کوشش کی مگر وہ لوگ عبادت میں پیچھے رہے، تو آپ کی امت اتنی نمازیں ادا نہ کر سکے گی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر آپ ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اتنی بار حاضر ہوتے رہے کہ نمازیں کم کی جاتی رہیں، پھر پانچ رہ گئیں، موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی تو

انہوں نے کہا کہ یہ بھی زیادہ ہیں، مگر آپ ﷺ نے فرمایا اب تو مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں یہ نعمت بھی نہ چلی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے حبیب! نمازیں پانچ فرض کی جارہی ہیں مگر ان پر اجر وثواب پچاس نمازوں کا ملے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کی فرمائش پر آپ ﷺ اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے، پانچ پانچ کم ہوتی رہیں، اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر عرض کرتے تھے کہ اے میرے رب! میری امت سے ہلکی کر دیجیے، اس عرض پر اللہ پانچ پانچ کم کرتے گئے، یہاں تک کہ پانچ باقی رہ گئیں، ایک روایت میں دس نمازوں کے کم کرنے کا بھی ارشاد موجود ہے، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں، میں اپنے معاملے کو اپنے رب کے سپرد کرتا ہوں، جب آپ ﷺ گزر گئے تو ایک منادی نے آواز دی کہ آپ نے میرے فرض کو پورا کر دیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد! یہ پانچ نمازیں ہیں، دن اور رات میں، ہر نماز بدلے دس کے ہے، یوں یہ پچاس ہوں گی ، قرآن کریم میں بھی اس کی تائید ہے کہ جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسی دس ہوں گی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس توجہ دلانے پر حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا کرتے رہیں کہ انہوں نے میری امت کے لیے بہت ہی محتاط طریقہ بتایا۔ موسیٰ تمہارے لیے بہترین سفارشی تھے۔

یہی حضرت موسیٰ تھے جو نبی کریم ﷺ کی معراج پر رو پڑے تھے، انہیں پوچھا گیا کہ موسیٰ روتے کیوں ہو؟ تو جواب دیا تھا کہ اے میرے رب! بَعَثْتَهُ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرَ مِمَّنْ يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي اس نوجوان کو آپ نے میرے بعد بھیجا، مگر اس کی امت کے لوگ میری امت کی بہ نسبت زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔

عرش کے نیچے ستر شہر: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي إِلَى السَّمَاءِ تَحْتَ الْعَرْشِ سَبْعِينَ مَدِينَةً كُلُّ مَدِينَةٍ مِثْلُ

دُنیَاکُم ھٰذِہٖ سَبعِینَ مَرَّۃً مَملُوءَۃً مِّنَ المَلَائِکَۃِ یُسَبِّحُونَ اللہَ وَیُقَدِّسُونَہٗ وَیَقُولُونَ فِی تَسبِیحِھِم اَللّٰھُمَّ اغفِر لِمَن شَھِدَ الجُمُعَۃَ (روح البیان)

میں نے معراج کی رات میں عرش کے نیچے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہاں ستر شہر دیکھے، ہر ایک شہر تمہاری دنیا کے ستر گنا کی طرح ہے، یہ شہر فرشتوں سے بھرے پرے ہیں، یہ فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور اپنی تسبیح میں یوں کہہ رہے ہیں، اے اللہ جو شخص جمعہ کی نماز میں شریک ہو اسے معاف کر دے، اَللّٰھُمَّ اغفِر لِمَن اغتَسَلَ یَومَ الجُمُعَۃِ، اے اللہ اسے معاف کر دے جو جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرے۔

حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ ایک صدقہ کے بدلے میں دس اس جیسے ملیں گے اور ایک قرض کے بدلے میں اٹھارہ اس جیسے ملیں گے، میں نے جبریل امین سے پوچھا قرض کے بدلے اس قدر زیادہ ملنے کی وجہ کیا ہے؟ تو جبریل امین نے کہا کہ سائل جب سوال کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، جب کہ قرض مانگنے والا اس وقت قرض مانگتا ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ (روح البیان)

حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرنے کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو سوال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے بصد ادب واحترام عرض کیا کہ

اے میرے رب! آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، انہیں بڑی بادشاہی عطا کی، آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑی بادشاہی دی، ان کے لیے آپ نے لوہے کو نرم کیا، ان کے لیے آپ نے پہاڑوں کو مسخر کیا، آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی دی جو ان کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تھی، آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی، انہیں آپ نے ایسا بنایا کہ وہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے، وہ کوڑھ کی بیماری والے کو چنگا بھلا کر دیتے

تھے، وہ مردوں کو تیرے حکم سے زندہ کر دیتے تھے، آپ نے انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان سے محفوظ رکھا، شیطان کا ان دونوں کے اوپر کوئی داؤ نہیں چلتا تھا، اس التجا اور سوال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا

وَقَدِ اتَّخَذْتُكَ خَلِيلًا وَّحَبِيباً وَهُوَ مَكْتُوب فِي التَّوْرَاةِ حَبِيبُ الرَّحْمٰن وَأَرسَلتُكَ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً بَشِيراً وَّنَذِيراً وَشَرَحتُ لَكَ صَدرَكَ وَوَضَعتُ عَنْكَ وِزرَكَ وَرَفَعتُ لَكَ ذِكرَكَ فَلَا أُذكَرُ إِلَّا ذُكِرتَ مَعِي وَجَعَلتُ أُمَّتَكَ خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنَّاسِ وَجَعَلتُ أُمَّتَكَ أُمَّةً وَّسَطاً وَّجَعَلتُ أُمَّتَكَ هُمُ الْأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَجَعَلتُ أُمَّتَكَ لَا تَجُوزُ لَهُم خَطِيئَةً حَتَّى يشْهدُوا اِنَّكَ عَبدِى وَرَسُولى وَجَعَلتُ مِن أُمَّتِكَ اَقوَاماً قُلُوبُهُم أَنَاجِيلُهُمْ وَجَعَلتُكَ اَوَّلُ النَّبِيينَ خَلقاً وَآخِرُهُمْ بَعثاً وَأَوَّلُهُم يُقْضىٰ لَهُ وَأَعطَيتُكَ سَبعاً مِّنَ المَثَانى لَم أُعطِهَا نَبياً قَبلَكَ وَأَعطَيتُكَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مِن كنز تَحتَ الْعَرْشِ لَم أُعطِهَا نَبياً قَبلَكَ وَأَعطَيتُكَ الْكَوْثَرَ وَأَعطَيتُكَ ثَمَانِيَةَ أَسْهُمِ الْإِسْلَامُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجِهَادُ وَالصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ والامرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْى عَنِ الْمُنكر وجَعَلتُك فَاتحاً وخَاتِماً (الخصائص)

میں نے آپ کو خلیل اور حبیب بنایا، تورات میں خلیل اور حبیب ہی کو حبیب الرحمٰن لکھا گیا ہے، میں نے آپ کو ساری انسانیت کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں نے آپ کے سینے کو کھول دیا ہے، میں نے آپ کے بوجھ کو کم کر دیا ہے، میں نے آپ کی شان بلند کر دی ہے، جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا، میں نے آپ کی امت کو بہترین امت بنایا ہے، جو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالی گئی ہے، میں نے آپ کی امت کو امت وسط (معتدل) بنایا ہے، میں نے آپ کی امت کو اولین و آخرین بنایا ہے (یعنی سب سے آخر میں آنے والی اور سب سے پہلے جنت جانے والی) میں نے آپ کی امت کو ایسا بنایا کہ جب تک وہ آپ کے لیے میرا بندہ اور میرا رسول ہونے کی گواہی

دیں گناہ کرنا جائز نہیں ہے، میں نے آپ کی امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کے دل کتابیں ہیں، (یعنی ان کے سینے کے سفینے میں ان کی کتاب محفوظ ہو گی) میں نے آپ ﷺ کو پیدائش کے لحاظ سے تمام نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں بھیجا۔

آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کا فیصلہ کیا جائے گا، میں نے آپ کو سبعاً من المثانی (سات بار بار دہرائی جانے والی آیات، سورۃ الفاتحہ) عطا کی ہیں، آپ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دیں، میں نے آپ کو سورۃ البقرہ کی آخری آیات دیں، جو کہ عرش کے نیچے والے خزانوں سے عطا کی ہیں، آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیں، میں نے آپ کو کوثر عطا کی ہے، میں نے آپ کو اسلام کے آٹھ حصے عطا کیے ہیں، ان میں ایک اسلام ہے، ہجرت ہے، جہاد ہے، نماز ہے، صدقہ ہے، رمضان کا روزہ ہے، امر بالمعروف (نیکی کی دعوت) ہے، نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) ہے، میں نے آپ کو فاتح (فتح کرنے والا، کھولنے والا) اور خاتم (یعنی سارے نبیوں سے بعد میں آنے والا) بنایا ہے، دوسرا اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے آپ کو اول الانبیاء اور خاتم الانبیاء بنایا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ)

عرش کے کناروں پر اسم محمد ﷺ: ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں نے عرش کے کناروں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ (الخصائص الکبریٰ) کنز العمال میں ابی الحمراء کی روایت میں ہے کہ عرش کے دائیں کنارے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ (کنز العمال)

ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کا نام عرش پر: اسی طرح ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، میں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذی النورین لکھا ہوا دیکھا۔

رَأَيْتُ عَلَى الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ أَبُو بكر الصّديق عمر الْفَارُوق عُثْمَان ذُو النورين (الخصائص الکبریٰ) میں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،

ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی لکھا ہوا دیکھا۔ یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ میں نے علی کے ذریعے اس کی مدد اور نصرت کی ہے۔ روایت میں چار یاران نبی رضی اللہ عنہم کے اسماء میں سے تین کے نام عرش پر مکتوب تھے اور مولیٰ علی شیر خدا کے بارے میں اسی کے ساتھ مرقوم تھا کہ میں نے علی کے ذریعے اپنے نبی کی مدد اور نصرت کی ہے۔

رحمت دو جہاں ﷺ کی واپسی کا سفر: حضرت نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے بعد واپس اسی طرح زمین کی طرف روانہ ہوئے، جس طرح آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے تھے، وہی جبریل کی معیت، وہی رفرف کی مسند نشینی، وہی جبریل کے پروں کی سواری، یہاں تک کہ واپس بیت المقدس پہنچ گئے، وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے پہلے مکہ معظمہ میں وہاں پہنچ گئے جہاں سے آپ ﷺ کو اس عجیب و غریب سفر کے لیے لیجایا گیا تھا، یہ تین چار گھنٹے کا سفر تھا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر معراج ایک لحظہ کا سفر تھا، یعنی گھنٹوں پر مشتمل نہیں تھا، ان کے خیال میں اللہ جل جلالہ زمانے کو لمبا کرنے اور چھوٹا کرنے پر قادر ہیں، جیسا کہ ساری امت مسلمہ کا ایمان ہے، اہل ایمان تو اس مختصر سے وقت میں اس طویل ترین سفر کو تسلیم کرتے ہیں، مگر عقل محو حیرت ہے وہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ اتنا لمبا سفر محض تین چار گھنٹوں یا لمحہ میں ہو جائے، مگر تھوڑے غور و فکر سے انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کیونکہ انسانی وجود میں ایک ایسی چیز ہے جسے دل کہتے ہیں وہ ایک ہی لمحہ میں پوری کائنات کا چکر کاٹ لیتا ہے۔

سفر معراج کی منظر کشی: حضرت نبی کریم ﷺ جب واپس تشریف لائے تو حضرت ام ہانی کو اپنے سفر کا سارا قصہ سنایا اور انہیں بتایا کہ میں قریش کو جا کر اس واقعہ کی خبر دینے لگا ہوں، حضرت ام ہانی نے اللہ کی قسم دے کر آپ ﷺ سے فرمایا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! یہ واقعہ قریش کو مت بتایئے، وہ آپ کو جھٹلا دیں گے، جب صبح ہوئی تو ام ہانی نے آپ ﷺ کی چادر پکڑ لی، مگر آپ ﷺ نے ان سے اپنی چادر چھڑائی اور حطیم میں جا پہنچے جہاں قریش بیٹھے ہوئے تھے، یہاں بیٹھنے والوں میں مطعم بن عدی، ابو جہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ شامل تھے۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اپنے سفر کے احوال سنائے، انہیں بتایا کہ میں نے آسمان میں کیا کیا عجائبات قدرت دیکھے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات کا ذکر کیا، بیت المعمور کعبہ ملائکہ پر جانے کا ذکر کیا، سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے کا ذکر کیا۔

جب آپ ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں گے اور آپ ﷺ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس چیز کو پوشیدہ رکھیں یا چھپائیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور اس کی عظمت پر دلالت کرے، آپ ﷺ مسجد الحرام میں غم گین بیٹھے ہوئے تھے کہ ادھر سے دشمن خدا ابو جہل گزرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، اس نے ازروئے استہزا آپ ﷺ سے کہا کہ کیا کوئی خبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، آج کی رات مجھے معراج کرائی گئی ہے، اس نے پوچھا کہ کہاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف، اس نے کہا کہ پھر آپ نے صبح ہمارے درمیان کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

ابو جہل نے کہا کہ مجھے اجازت دیں تو میں قوم کے لوگوں کو جمع کروں تاکہ جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے وہ انہیں بھی بتادیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، ابو جہل نے کعب بن لوئ کے لوگوں کو آواز دی، لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے، یہاں تک کہ وہ ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئے، ابو جہل نے کہا کہ اپنی قوم کو بھی وہ بات بتایئے جو مجھے بتائی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معراج کرائی گئی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ کہاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف۔

پھر میرے لیے انبیاء کرام کو جمع کیا گیا، میں نے انہیں نماز پڑھائی، میں نے ان سے بات کی، ابو جہل نے استہزائی انداز میں کہا ان نبیوں کی صفات ہمیں بیان کرو، آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ کی شان یوں بیان کی کہ وہ درمیانے قد کے تھے، نہ بہت لمبے اور نہ بہت چھوٹے، ان کا سینہ چوڑا تھا، گھنگریالے بالوں والے تھے، ان کے بال بھورے رنگ کے تھے، سرخی مائل تھے، ان کے بالوں میں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں، یوں دکھائی دے رہے تھے کہ ابھی حمام سے نکلے ہیں، تم میں عروہ

بن مسعود ثقفی ان کی طرح ہیں، آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ کی شان یوں بیان کی کہ وہ گندمی رنگت والے تھے، وہ معجزاتی طور پر جب اپنا ہاتھ بغل کے نیچے ڈال کر نکالتے تو اس وقت اس کا رنگ وہ نہیں ہوتا تھا جو ان کے سارے جسم کی رنگت ہے، وہ یمنی لوگوں میں سے شنوء کے مردوں کی طرح لمبے قد کے تھے، گھنے بال والے تھے، گہری آنکھوں والے تھے، دانت ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے (یعنی ان کے درمیان فاصلہ نہیں تھا) ہونٹ پتلے تھے، مسوڑھے نکلے ہوئے تھے، وہ سخت مزاج کے تھے، رہے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو وہ پیدائش اور اخلاق کے لحاظ سے لوگوں میں مجھ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی یہ گفتگو سن کر قریش کے لوگوں نے چیخ ماری، اس سارے منظر کو بڑا سمجھا، بعض نے زور سے ہاتھوں پر ہاتھ مارنے شروع کر دیے، بعض نے تعجب اور انکار کرتے ہوئے اپنے سروں پر ہاتھ رکھ لیے، کہنے لگے کہ ہم بیت المقدس تک اونٹوں پر سوار ہو کر ایک ماہ میں پہنچتے اور ایک ماہ میں واپس لوٹتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ میں ایک ہی رات میں وہاں گیا، لات اور عزیٰ کی قسم !ہم تیری بات کو سچا نہیں سمجھتے، اس پر کچھ لوگ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے وہ مرتد ہو گئے۔

خلیفہ اول بلا فصل کی تصدیق: کچھ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑے چلے گئے، جا کر ان سے کہنے لگے کہ حضرت محمد ﷺ اگر اس طرح اس طرح کی بات کریں تو کیا آپ ان کی اس بات کو تسلیم کریں گے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کی اس سے آگے کی بھی کوئی بات ہو تو تسلیم کروں گا، یعنی اگر آپ ﷺ یوں کہیں کہ میں ایک رات میں بیت المقدس گیا، تو بھی تصدیق کروں گا، کیونکہ میں تو آسمانوں سے آنے والی اس خبر کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو ایک غدوہ میں آسمانوں سے آتی ہے (نماز فجر سے لے سورج نکلنے تک کے وقت میں آجاتی ہے) میں اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو ایک روحہ میں آتی ہے، (یعنی وقت زوال سے لے کر رات تک کا وقت) یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ تو مجھے یہاں تک خبر دیتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے زمین کی طرف دن

اور رات کی ایک گھڑی میں خبر آتی ہے، تو میں اس کی بھی تصدیق کرتا ہوں، جو خبریں آپ ﷺ کے پاس آسمان سے فرشتہ کے ذریعے آتی ہیں یہ اس سے بہت بعید ہے جن پر تم لوگ حیران ہو رہے ہو۔

یہی وہ موقع تھا جب جناب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زبان رسالت مآب ﷺ سے صدیق اکبر کا خطاب عظیم ملا، کہ ابو بکر بہت زیادہ سچا انسان ہے، یہ وہ مقام تھا جہاں جھٹلانے والوں کی تعداد تصدیق کرنے والوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی، لوگ مرتد ہو رہے تھے کہ حضرت محمد ﷺ یہ کیسی عجیب وغریب خبر سنا رہے ہیں، مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی سے پوچھے بغیر، آپ ﷺ کو اعتماد میں لیے بغیر فوراً ہی تصدیق کر کے اہل مکہ کے دل ودماغ میں ایک نیا ارتعاش پیدا کر دیا، جو حیرت واستعجاب کے بحر عمیق میں ڈوبے ہوئے تھے۔

مولا علی رضی اللہ عنہ کی مہر تصدیق بر صدیق رضی اللہ عنہ: یہی تو وہ ساعت سعید تھی جب مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کا نام آسمان سے "صدیق" اتارا، یعنی صدیق اللہ کا رکھا ہوا نام ہے انسانوں کا رکھا ہوا نہیں ہے۔

بیت المقدس سے متعلق مکہ والوں کا سوال: ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو بیت المقدس کو جانتے تھے، انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اے محمد! ہمارے سامنے بیت المقدس کی منظر کشی کرو، اس کے دروازے کتنے ہیں؟ انہیں پتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ بیت المقدس کے دروازے گننے نہیں گئے تھے، نہ ہی آپ ﷺ نے اپنی گفتگو میں اس طرف اشارہ کیا، مکہ والوں کا خیال تھا کہ جب حضرت محمد ﷺ بھری بزم میں بیت المقدس کے بارے میں نہیں بتا سکیں گے تو یوں ان کے جھوٹ ظاہر ہو جائے گا (نعوذ باللہ)

جب مکہ والوں نے یہ سوال کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ کو پریشانی لاحق ہوئی، ایک فرمان میں آپ ﷺ نے اس کا ذکر بھی کیا کہ فَكَرَبْتُ كَرْبًا شَدِيدًا أَلَمْ أَكْرُبْ مِثْلَهُ قَطُّ لِأَنَّهُمْ سَأَلُونِي عَنْ أَشْيَاءَ لَمْ أُثْبِتْهَا وَكُنْتُ دَخَلْتُهُ لَيْلًا وَخَرَجْتُ مِنْهُ لَيْلًا فَقُمْتُ فِي الْحَجَرِ فَجَلَّى اللهُ

لی بَیتَ المَقدَس، جتنی تکلیف اس سوال پر ہوئی اتنی تکلیف کبھی بھی نہیں پہنچی، اس لیے کہ اہل مکہ نے مجھ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا جن کا ثبوت میں نے انہیں نہیں دیا تھا، اس لیے کہ میں رات کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوا تھا، رات ہی کو وہاں سے نکلا تھا، پھر جب میں حطیم میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی شکل وصورت جبریل کے پروں پر میرے لیے ظاہر کر دی، یا اللہ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان سے پردے ہٹا دیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کو دیکھ لیا۔ (روح البیان) بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان سے پردے ہٹا دیے تو میں نے اسے دیکھ لیا۔ (بخاری) مسلم شریف کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو بلند کر دیا تو میں نے اسے دیکھ لیا، پھر انہوں نے جو سوال مجھ سے کیا میں نے انہیں اس کا جواب دیا۔ (مسلم شریف)

مسند احمد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فَجِیءَ بِالْمَسْجِدِ وَأَنَا أَنْظُرُ حَتَّى وُضِعَ دُونَ دَارِ عِقَالٍ أَوْ عُقَيْلٍ فَنَعَتُّهُ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ، پس مسجد (بیت المقدس) لائی گئی، درانحالیکہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ دار عقال یا دار عقیل کے قریب رکھ دی گئی، پھر میں نے اس کے اوصاف بیان کیے اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بزار، ابن ابی شیبہ، نسائی فی الکبریٰ، طبرانی، بیہقی نے دلائل، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے در منثور، ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے یہ روایت نقل کی ہے۔ ابو العباس شہاب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ مسجد لائی گئی سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی مثل مسجد لائی گئی، (مواہب اللدنیہ)

سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مسجد کی تصویر اپنے پروں پر لے کر تشریف لائے، (سیرت حلبیہ) پھر نبی کریم ﷺ نے وضاحت سے ایک ایک چیز ان کے سامنے بیان کی کہ فلاں دروازہ فلاں جگہ پر ہے، فلاں چیز فلاں جگہ پر ہے، حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

بعض محدثین کہتے ہیں کہ بیت المقدس کو اٹھا کر آپ ﷺ کے قریب لانے میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ملکہ بلقیس کے تخت کو اگر ایک لحظہ میں لا کر حاضر کیا جا سکتا ہے تو بیت المقدس کو کیوں اس طرح نہیں لایا جا سکتا ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ بیت المقدس کو اٹھا کر لایا گیا سے مراد اس کی مثال اور صورت ہے، کیونکہ جس وقت آپ ﷺ لوگوں کے سامنے بیت المقدس کے اوصاف بیان کر رہے تھے اس وقت بیت المقدس کے قریب رہنے والے لوگوں کے سامنے سے بیت المقدس نہیں ہٹا تھا۔

حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے، بہر حال نبی کریم ﷺ نے انہیں بیت المقدس کے اوصاف بیان کرنے شروع کر دیے، اس کی نشانیاں انہیں بتائیں، اس کی علامات انہیں بتائیں اور آپ ﷺ اس کی طرف دیکھتے چلے جا رہے تھے، اہل مکہ نے آسمان میں دیکھی گئی چیزوں کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا، کیونکہ وہ آسمان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، ہاں بیت المقدس کے بارے میں وہ لوگ جانتے تھے جو وہاں آتے جاتے تھے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک اور بھی نشانی بتاؤں کہ میں فلاں لوگوں کے ایک قافلے کے پاس سے فلاں وادی میں گزرا، یعنی روحاء میں، جو مدینہ کے قریب واقع ہے، اس کے اور مدینہ کے درمیان دو راتوں کی مسافت ہے، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، میں نے آتے جاتے میں ان کے کجاووں کے پاس آیا، ان کے پیالوں سے پانی پیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ان سے پوچھ لینا۔

مکہ والوں نے پوچھا کہ ہمارے قافلے کے بارے میں ہمیں بتایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تنعیم میں اس کے پاس سے گزرا ہوں، یہ تنعیم مکہ کے قریب ایک جگہ ہے، مطلب یہ کہ میں مکہ کی طرف واپس آ رہا تھا، آپ ﷺ نے ان کو ان کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے حالات بھی بتائے، یہ بھی بتایا کہ یہ قافلہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ان کے پاس پہنچ جائے گا، ایک بھورے رنگ کا اونٹ ان

میں آگے آگے ہو گا، اس پر دو بورے لدے ہوں گے، سیاہ و سفید رنگ کے، چنانچہ یہ سن کر لوگ ایک پہاڑی پر چڑھے، ایک کہنے والے نے کہا کہ اللہ کی قسم! سورج طلوع ہو چکا ہے، دوسرے نے کہا کہ اللہ کی قسم! قافلہ پہنچ چکا ہے، اس میں بھورے رنگ کا اونٹ آگے تھا، جیسے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس پر دو بورے ہوں گے ایسا ہی تھا، چنانچہ اس منظر کو دیکھ کر مرتدین نے اپنے ارتداد سے توبہ کر لی اور مشرکین اپنی ڈگر پر قائم رہے اور زبانوں سے یہ کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ (روح البیان)

جب سورج روک دیا گیا: بعض روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ ذرا اس قافلے کو پہنچنے میں دیر لگ گئی تو نبی کریم ﷺ کی خاطر سورج کو روک دیا گیا تھا، تاکہ قافلہ پہنچ جائے تو پھر سورج طلوع ہو، بعض کہتے ہیں کہ سورج کا چلنا روک دیا گیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ سورج کے چلنے کی رفتار کم کر دی گئی تھی، بعض یہ کہتے ہیں کہ سورج کو پیچھے کی طرف لوٹا دیا گیا تھا۔ (روح البیان)

صاحب روح البیان یہاں اس اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ اگر سورج کو روکا جاتا، یا اسے واپس کیا جاتا تو سارا فلکی نظام برباد ہو جاتا، حالانکہ سورج کو واپس کرنا یہ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے تھا، یہاں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ خرق عادت چیز ہے، بعض انبیاء کرام علیہم السلام جیسے حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوشع اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے لیے بھی سورج کو روکا گیا ہے اور سورج کا غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹنا تو خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے لیے بھی ہوا ہے۔ (روح البیان)

خیبر کے موقع کی بات ہے، حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا سر مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے علی کیا آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ نہیں پڑھی، اس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے اللہ! سورج کو واپس لوٹا دے کیونکہ یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا۔ حضرت اسماء کہتی

ہیں کہ میں دیکھ رہی تھی سورج غروب ہو گیا تھا پھر دوبارہ لوٹ آیا، روشنی پہاڑوں اور زمین پر پڑ رہی تھی، یہ واقعہ خیبر میں صہبا نامی جگہ پر پیش آیا۔ (شرح الزرقانی علی مواھب اللدنیہ ج ۶ ص ۴۸۵)

اس روایت کو علامہ طحاوی اور قاضی عیاض نے درست تسلیم کیا ہے جب کہ علامہ ابن الجوزی وغیرہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، اس روایت کے بارے میں محدثین کی دو طرح کی آراء پائی جاتی ہیں، بعض اسے درست مانتے ہیں اور بعض اس کے راویوں پر سخت جرح کرتے ہوئے انہیں کذاب قرار دیتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابن الجوزی کے موضوعات میں اس حدیث کو شامل کرنے کو ان کی غلطی قرار دیا ہے، محدثین کی جرح وتعدیل اپنی جگہ پر لیکن ایک بات کی طرف کہیں بھی دھیان نہیں دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی دعاء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی ہے۔

علامہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت اسماء کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے صہبا میں ظہر کی نماز ادا کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لیے بھیج دیا، جب واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نماز عصر پڑھ چکے تھے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو نہیں جگایا، سورج غروب ہو گیا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! علی نے اپنے کو تیرے نبی ﷺ کے لیے روکے رکھا اس لیے سورج کو دوبارہ لوٹا دے، سورج لوٹا، پہاڑوں اور زمین پر اس کی روشنی پڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، وضو کیا اور نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت مصطفےٰ میں واقعہ معراج کے ذیل میں حبس شمس کا واقعہ یوں نقل فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ نشانی بتلائی کہ فلاں تجارتی قافلہ جو شام سے آرہا ہے وہ بدھ کی شام تک مکہ پہنچ جائے گا، جب بدھ کا دن ہوا تو قافلہ نہ پہنچا اور آفتاب غروب ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو کچھ دیر کے لیے روک دیا، یہاں تک کہ یہ قافلہ آپ ﷺ کی خبر کے مطابق اسی روز شام کو مکہ پہنچ گیا۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۶ ص ۱۲۶)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچا، ممکن ہے کہ دو قافلے ہوں، ایک صبح پہنچا ہو اور ایک شام اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی قافلہ ہو کچھ آدمی صبح کو پہنچے ہوں اور کچھ غروب آفتاب کے وقت، علماء سیرت کے نزدیک یہ معجزہ شمس کے نام سے موسوم ہے، شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ رماتے ہیں کہ وَشَمْسُ الضُّحٰى طَاعَتُكَ عِنْدَ مَغِيبِهَا فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْكَ بِوَقْفَةٍ، اس طرح حق جل شانہ نے آپ کا صدق ظاہر فرمایا اور قریش نے آپ کا صدق آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا، مگر اپنی تکذیب اور عناد پر ڈٹے رہے اور مقابلے پر تلے رہے۔ (سیرت مصطفےٰ ﷺ ج ۱ ص ۳۴۷)

ہرقل کے دربار میں واقعہ معراج کا ذکر: ہرقل نے (حضرت) ابوسفیان سے حضور (ﷺ) کے متعلق جو سوالات پوچھے تھے، ان میں یہ بھی ہے کہ (حضرت) ابوسفیان نے ہرقل سے کہا کہ میں آپ کو ان (محمد) کی ایک بات بتاتا ہوں۔ آپ کو یقین ہو جائے گا کہ انہوں نے جھوٹ کہا تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں مسجد حرام سے اس مسجد یعنی بیت المقدس تک آئے تھے اور آسمانوں سے ہوتے ہوئے واپس گئے تھے۔

اس وقت قیصر ہرقل (روم) کے پاس ایلیا کا جرنیل موجود تھا۔ اس نے کہا کہ جس رات کو یہ واقعہ (حضرت محمد کی تشریف آوری بیت المقدس میں) پیش آیا، میں اس رات کو جانتا ہوں۔ قیصر نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ روزانہ میرا یہ معمول ہے کہ میں اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مسجد کے تمام دروازوں کو بند نہیں کر لیتا۔ اس رات جب میں دروازے بند کرنے لگا اور تمام دروازے بند کر دیے، مگر ایک دروازہ باوجود انتھک کوشش کے بند نہ ہو سکا، یہاں تک کہ میں نے تمام ملازموں اور آس پاس کے لوگوں کو بھی بلا لیا، لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے۔ پھر میں نے ترکھان بلا لیے۔ انہوں نے چیک کرنے کے بعد کہا کہ شاید اس کی چوکھٹ پر دیوار بیٹھ گئی ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ صبح ہی درست کریں گے۔ جب صبح ہم مسجد میں آگئے تو صحن کے کونے میں جو پتھر پڑا ہوا تھا اس میں سوراخ تھا اور

جانور کے قدموں کے نشانات بھی تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رات کو یہ دروازہ کسی نبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کھول رکھا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہاں آ کر نماز پڑھی ہے۔ (معارف القرآن)

واقعہ معراج حضرت نبی کریم ﷺ کے بڑے بڑے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ اور قدرت والے کی قدرت کا شاہکار عظیم تھا، جس نے اپنے حبیب ﷺ کو فرشتوں کی معیت میں، جنت کی سواری پر مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، مسجد اقصیٰ سے جنتی سیڑھی پر آسمان اول تک، آسمان اول سے فرشتوں کے پروں پر ساتویں آسمان تک اور ساتویں آسمان سے جبریل کے پروں پر سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے رفرف پر عرش بریں تک پہنچایا، اس عظیم الشان رات میں آپ ﷺ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ بھی حیران کن تھا، مختصر وقت میں اتنا طویل ترین سفر بھی حیران کن تھا، آمد ورفت کا سارا منظر ہی حیران کن تھا، عقل انسانی حیرت میں آج تک ڈوبی ہوئی ہے کہ یہ سفر کیسے ہو گیا، مگر سفر کرانے والے کو اللہ کہا جاتا ہے، جو کن کے اشارے سے سب کچھ کر دیتا ہے، وہ اس سفر میں براق کا محتاج تھا، نہ جبریل کو بھیجنے کی ضرورت تھی، مگر یہ سب کچھ اللہ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اپنے حبیب ﷺ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانے کے لیے کیا، سب کچھ کرنے کے بعد اپنے لیے سبحان کا لفظ استعمال فرما کر بتا دیا کہ جانے والے کو نہ دیکھو کہ کون گیا، بلکہ لے جانے والے کو دیکھو کہ کون لے گیا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ذکر معراج النبی ﷺ: حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ شریف میں رحمت دوعالم ﷺ کی معراج کا تذکرہ بھی بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں کیا ہے

سَرَیتَ مِن حَرَمٍ لَیلاً إِلیٰ حَرَمٍ ... کَمَا سَرَی البَدرُ فی دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

یارسول اللہ! آپ ﷺ ایک رات میں حرم مکہ سے حرم مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے، جیسے کہ چودھویں کا چاند اندھیری رات میں چلتا ہے۔

وَبِتَّ تَرْقَىٰ إِلَىٰ أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً ... مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

یارسول اللہ! آپ ﷺ نے بحالت ترقی رات گزاری، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مقام قاب قوسین تک رسائی حاصل کرلی، یہ ایسا مقام ہے جس تک کوئی نبی نہیں پہنچا اور نہ ہی کسی نے ارادہ کیا۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَآءِ بِهَا ... وَالرُّسْلِ تَقْدِيمَ مَخْدُومٍ عَلَىٰ خَدَمِ

یارسول اللہ! مسجد بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام نے آپ ﷺ کو اپنا مقتدیٰ و پیشوا بنایا، انبیاء اور رسل آج کی رات آپ ﷺ کی تعریف وستائش میں یوں رطب اللسان تھے جیسا کہ خادموں کی زبانیں اپنے مخدوم کی تعریف وستائش میں رطب اللسان ہوتی ہیں۔

وَأَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ ... فِي مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

یارسول اللہ! آپ ﷺ نے تہ بہ تہ سات آسمانوں کو عبور کیا، اس حال میں کہ فرشتوں کا لشکر آپ ﷺ کے ساتھ تھا مگر جھنڈا آپ ﷺ کے پاس ہی تھا۔

حَتَّىٰ إِذَا لَمْ تَدَعْ شَأْوًا لِمُسْتَبِقٍ ... مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًى لِمُسْتَنِمِ

یارسول اللہ! آپ ﷺ بلندی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ بہت ہی قریب پہنچ گئے، آپ ﷺ نے ایسا بلند رتبہ پالیا کہ کوئی طالب یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔

خَفَضْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِالْإِضَافَةِ إِذْ ... نُودِيتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

یارسول اللہ! جس وقت آپ ﷺ کی ترقیاں نہایت کو پہنچ گئیں تو آپ ﷺ نے ہر صاحب مقام کو بہ نسبت اپنے مرتبہ کے جو اللہ تعالیٰ سے عنایت ہوا پست کردیا، جب کہ آپ ﷺ کو آواز دی گئی کہ قریب آجاؤ، یہ آواز اکیلے اور یگانہ آپ ﷺ ہی کی ترقی درجات کے لیے دی گئی تھی۔

كَيْمَا تَفُوزَ بِوَصْلٍ أَيَّ مُسْتَتَرٍ ... عَنِ الْعُيُونِ وَسِرٍّ أَيَّ مُكْتَتَمِ

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذریعے آپ ﷺ کو محبوب بنایا ہے، آپ ﷺ ایک بڑے راز کے ذریعے کامیاب ہوگئے، اپنے رب کا ایک خاص قرب آپ ﷺ کو حاصل ہوگیا۔

فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ ... وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

یارسول اللہ !اس مرتبے اور مقام میں اپنے رب کے پاس اترنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسا شرف حاصل کرلیا کہ اس میں آپ ﷺ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے، آپ ﷺ ہر ایسے مقام سے گزر گئے جس میں بہت ہی کم لوگ پہنچنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

وَجَلَّ مِقدَارُ مَا وُلِّیتَ مِن رُتَب...وَعَزَّ مِقدَارُ مَا أُولِیتَ مِن نِعَمِ

یارسول اللہ !یہ بہت ہی بڑا مرتبہ ومقام ہے جس سے آپ ﷺ کو نوازا گیا ہے، یہ اونچی شان جو آپ ﷺ کو دی گئی ہے یہ بہت ہی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

بندہ ناچیز عاجز و مسکین کی ایک مستقل کتاب ہے، جس کا نام معراج النبی ﷺ ہے، اس میں شامل اکثر و بیشتر مضامین یہی ہیں جو یہاں سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کی تفسیر میں مرتب کیے گئے ہیں، ارباب ذوق وشوق مستقلاً مطالعہ کے لیے میری کتاب ”معراج النبی ﷺ“ کا مطالعہ فرمائیے۔

ہدایت تورات، توکل علی اللہ اور شکر نعمت کا درس

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا {۲} ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا {۳} الاسراء

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنادیا کہ تم لوگ میرے علاوہ کسی کو کارساز نہ بناؤ۔ اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا، بیشک وہ شکر گزار بندہ تھے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ تورات عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعۂ ہدایت اور منبعِ رشد و رہنمائی بنایا، اس کتاب کے ذریعے انہیں واضح طور پر یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور مختارِ کل نہ بنائیں، نہ اپنے معاملات کسی اور کے سپرد کریں، بلکہ کامل اعتماد اور حقیقی توکل صرف اللہ ربّ العزت ہی پر رکھیں، کیونکہ وہی تمام امور کا

حقیقی مالک اور تدبیر فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کو ان کے اصل اور نسب کی یاد دہانی کرائی گئی کہ تم ان لوگوں کی نسل سے ہو جنہیں ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ طوفانِ عظیم سے نجات عطا فرمائی تھی، یہ ایک عظیم الشان نعمت تھی، جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانو، اس کا شکر ادا کرو اور اس کی بندگی واطاعت کو اپنی زندگی کا شعار بناؤ۔

مزید برآں، تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا، جو اللہ تعالیٰ کے نہایت شکر گزار بندے تھے، ان کی زندگی سراپا اطاعت، وفاداری اور شکر گزاری کا نمونہ تھی، پس تم بھی اسی راہ کو اختیار کرو، تاکہ ہدایت وفلاح کے مستحق بن سکو۔

بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی عبرت ناک داستان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا {۴} فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا {۵} ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا {۶} اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۡ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا {۷} عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا {۸} الاسراء

جواب ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بتادیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں ضرور فساد کروگے اور بڑی بلندی تک پہنچ جاؤگے۔ سو جب ان دونوں میں پہلی مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیں گے جو سخت لڑائی لڑنے والے ہوں گے پھر وہ گھروں کے اندر گھس

پڑیں گے، اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ واپس کر دیں گے اور مالوں سے اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری امداد کریں گے، اور جماعت کے اعتبار سے تمہیں خوب زیادہ بڑھا دیں گے۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے اچھا کرو گے، اور اگر برے کام کرو گے تو تمہاری جانوں کے لیے ہوں گے، جب دوسری مرتبہ میعاد کا وقت آئے گا تاکہ وہ تمہارے مونہوں کو بگاڑیں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور تاکہ وہ ان سب کو ہلاک کر ڈالیں جو ان کے قابو میں آجائیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو پہلے تمہارے ساتھ کیا، اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا دیا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں واضح طور پر آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد برپا کریں گے اور اپنی سرکشی، ظلم و تعدی اور حد سے بڑھی ہوئی برتری کے باعث لوگوں پر ناحق غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، یہ ان کے اعمالِ بد کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ تکبر اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کریں گے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ: چنانچہ جب انہوں نے پہلی بار فساد پھیلایا تو ہم نے ان پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیے جو بڑی قوت، سختی اور جنگی مہارت کے حامل تھے، انہوں نے بنی اسرائیل کو سختی سے کچلا، قتل و غارت کی اور ان کے گھروں میں گھس کر ہر طرف تباہی پھیلا دی، یہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ تھا جو بہر حال پورا ہو کر رہا، کیونکہ اس کا فیصلہ اٹل اور نافذ ہونے والا تھا۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ: پھر جب بنی اسرائیل نے توبہ کی اور اپنی روش بدلی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں غلبہ اور اقتدار عطا فرمایا، ان کے چھینے ہوئے مال واپس

کیے گئے، ان کی اولادیں انہیں لوٹائی گئیں اور انہیں دوبارہ قوت و کثرت نصیب ہوئی، یہاں تک کہ وہ اپنے دشمنوں سے بڑھ گئے، یہ اللہ کی رحمت اور اس کے قانونِ جزا کا دوسرا رخ تھا۔

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا: یہاں ایک اصولی حقیقت بیان کی گئی کہ اگر تم نیکی کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی اختیار کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی آئے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے نیاز ہے، نہ تمہاری نیکی اسے کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ تمہاری بدی اسے کوئی نقصان دیتی ہے، بلکہ تم خود اپنے انجام کے ذمہ دار ہو۔

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ: لیکن جب انہوں نے دوسری بار پھر فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیا، تاکہ وہ انہیں ذلیل و خوار کریں، ان کے چہروں پر رسوائی کے آثار نمایاں ہو جائیں اور وہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے اسی طرح تباہ کریں جیسے پہلی مرتبہ کیا تھا، بلکہ اس مرتبہ وہ جس جس علاقے پر غالب آئیں، اسے مکمل طور پر برباد کر ڈالیں۔

عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا: آخر میں امید اور تنبیہ دونوں پہلوؤں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! ممکن ہے تمہارا رب تم پر دوبارہ رحم فرمائے، اگر تم سچی توبہ کرو اور اپنے اعمال کو درست کر لو، لیکن اگر تم پھر اسی فساد کی راہ پر لوٹو گے تو ہم بھی اپنے عذاب کو لوٹائیں گے اور ایسے سرکش اور کافر لوگوں کے لیے جہنم کو ہمیشہ کا ٹھکانا بنا دیں گے، جہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو گی۔

ہدایت قرآن، انسانی فطرت اور نظام کائنات کی حکمتیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۰﴾ وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ

اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا {۱۲} الاسراء

جواب ترجمہ: بیشک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور ایمان والوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور یہ بات بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ اور انسان برائی کے لیے ایسے دعا مانگتا ہے جیسے خیر کے لیے مانگتا ہے اور انسان جلد باز ہے۔ اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، سو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور برسوں کی گنتی کو اور حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ: اللہ تعالیٰ ان آیاتِ کریمہ میں قرآنِ مجید کی جامع ہدایت، انسان کی فطری کمزوریوں اور کائنات کے منظم نظام کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: بے شک یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی، مضبوط اور درست ہے، یعنی یہ کتابِ الٰہی انسان کو اعتقاد، عبادت، اخلاق اور معاملات کے ہر شعبہ میں ایسا معتدل اور کامل راستہ دکھاتی ہے جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے اسے تمام ادیان و مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ "اَقوم" یعنی سیدھا اور پائیدار راستہ قرار دیا ہے، جو توحید، ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہے۔

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا: اسی کے ساتھ قرآن اہلِ ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک اعمال اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے "اجرِ کبیر" یعنی عظیم اجر ہے، جس کی کامل صورت جنت ہے، یہ بشارت دراصل انسان کے لیے ترغیب ہے کہ وہ ایمان و عمل کی راہ اختیار کرے اور اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالے۔

وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: اہل ایمان و نیکوکاروں کے برعکس وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے، جو جہنم کی صورت میں ظاہر ہوگا، یوں قرآن ایک طرف امید کا چراغ روشن کرتا ہے اور دوسری طرف تنبیہ و وعید کے ذریعے انسان کو جھنجھوڑتا ہے۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا: اللہ تعالیٰ یہاں انسان کی ایک فطری کمزوری کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ جلد باز ہے یعنی بسا اوقات وہ غصے، بے صبری یا جہالت کے زیرِ اثر اپنے لیے یا اپنے عزیزوں کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے، جس طرح وہ خیر کی دعا کرتا ہے، یہ انسان کی عجلت پسندی کا مظہر ہے، جس کی وجہ سے وہ نتائج کا انتظار کیے بغیر فوری فیصلے چاہتا ہے، اسی لیے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا انسان اپنی فطرت میں جلد باز ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی عظیم نشانیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ہم نے رات اور دن کو دو بڑی نشانیاں بنایا، رات کو سکون اور آرام کے لیے تاریک بنایا، جبکہ دن کو روشن اور "مبصِر" بنایا تاکہ انسان اس میں اپنی معیشت کے لیے جدوجہد کرے، رزق تلاش کرے اور زندگی کے امور انجام دے۔ اسی نظامِ شب و روز کے ذریعے سالوں کی گنتی اور حساب کا نظام قائم ہوتا ہے، جو انسانی تمدن اور معاشرت کی بنیاد ہے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا: ہم نے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے، یعنی دین کے اصول ہوں یا کائنات کی نشانیاں، ہدایت کے تقاضے ہوں یا زندگی کے قوانین، اللہ تعالیٰ نے سب کچھ واضح انداز میں بیان فرما دیا ہے، تاکہ انسان کے لیے حق و باطل میں تمیز کرنا آسان ہو جائے۔

نامۂ اعمال

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا {۱۳}

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا {۱۴} مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا {۱۵} الإسراء

جواب ترجمہ: اور ہم ہر انسان کی گردن میں اس کا اعمال نامہ ڈال دیں گے اور ہم اس کے لیے کھلی ہوئی کتاب نکال دیں گے۔ (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہو۔ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے تو وہ خود اپنے فائدے کے لیے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی نقصان کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم کبھی کسی کو اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر (اس کے پاس) نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نامہ اعمال کو اڑنے والے جانوروں سے تشبیہ دے کر طائر اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن بندوں کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کئی پیشیاں ہوں گی، پہلی دو پیشیوں میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہ یاد دلائے گا اور لوگ طرح طرح کے عذر کرتے رہیں گے تیسری بار نامہ اعمال کے کاغذوں کو پرندوں کی طرح اڑنے کا حکم دے گا، پھر وہ نامہ اعمال اڑ کر دائیں اور بائیں ہاتھوں میں جیسے جس کے عمل ہوں گے آجائیں گے جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرْضَاتٍ، فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيرُ، وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ، فَعِنْدَ ذَالِكَ تَطِيرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِي، فَآخِذٌ بِيَمِينِهِ وَآخِذٌ بِشِمَالِهِ

قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی، دو پیشیوں میں تو عذر معذرت اور جدال ہو گا، تیسری پیشی میں نامہ اعمال ہاتھوں میں اڑیں گے، کوئی انہیں دائیں ہاتھ میں پکڑ رہا ہو گا اور کوئی انہیں بائیں ہاتھ میں پکڑ رہا ہو گا۔ (ترمذی، مسند احمد)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند پر جرح کی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا

سماع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح مسند احمد میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے، اس کو بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، مگر سنن ابی داؤد میں باب ذکر المیزان کے اندر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، اور صاحب جامع الاصول نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات ہوئی ہے اس لیے امام مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو جاتی ہے۔

ایک روایت کے مطابق ماں کے پیٹ میں جب آدمی کا پتلا بنتا ہے روح کے پھونکے جانے سے پہلے ان عملوں کو جو پیدا ہونے کے بعد ہر شخص کرتا ہے فرشتے لکھ لیتے ہیں اور آدمی جب تک جیتا رہتا ہے اسی تقدیر کے لکھے کے موافق عمل کرتا رہتا ہے اور آدمی کے مر جانے کے بعد نیک عمل نیک صورت بن کر اور بد عمل بد صورت بن کر قبر میں اس کے ساتھ رہتے ہیں اور قیامت میں ان ہی عملوں کے موافق جزا و سزا اس کو بھگتنی پڑے گی۔ غرض کوئی وقت ایسا نہیں کہ یہ عمل انسان سے جدا ہوں اس لیے یہ فرمایا کہ اعمال نامہ انسان کی گردن میں لگا ہوا ہے یہ عرب کا ایک محاورہ ہے جو چیز کسی کے سر پڑ جاوے اس کو گردن میں لگی ہوئی چیز کہتے ہیں یہ ایسا ہی محاورہ ہے جس طرح اردو میں کسی شخص کو کہتے ہیں کہ یہ چیز تو اس کے گلے پڑ گئی۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کے محاسبۂ اعمال کا نہایت مؤثر اور بلیغ نقشہ کھینچتا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اس روز انسان سے کہا جائے گا: "اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لو!" یعنی وہ اپنی پوری زندگی کا ریکارڈ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے گا، جس میں اس کے تمام چھوٹے بڑے اعمال محفوظ ہوں گے، اس وقت کسی بیرونی گواہی کی ضرورت نہ ہو گی، بلکہ انسان خود ہی اپنے اعمال کا سب سے بڑا گواہ بن جائے گا، اسی لیے فرمایا کہ آج تمہاری اپنی ذات ہی تمہارے حساب کے لیے کافی ہے، تم خود ہی اپنے کیے کا اعتراف کرو گے اور اپنے انجام کو دیکھ لو گے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا: یہاں ایک عظیم اصولِ عدل بیان کیا گیا کہ جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے، اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے، اور جو گمراہی کی راہ اپناتا ہے، اس کا وبال بھی اسی پر آتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى: یہاں بھی ایک اصول بیان کیا گیا کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، بلکہ ہر نفس اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کے کامل انصاف اور عدلِ مطلق کی روشن دلیل ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا: یہاں یہ بات ارشاد فرمائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جب تک اس پر حق واضح نہ کر دیا جائے، چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تاکہ وہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں، حجت قائم کریں اور حق و باطل کو نمایاں کر دیں، اس کے بعد ہی اگر کوئی شخص انکار اور سرکشی پر قائم رہے تو وہ خود اپنے انجام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

تباہی اور بربادی کیوں آتی ہے؟

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا {١٦} وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا {١٧} الإسراء.

جواب ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں سو اس بستی پر ہماری بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اس بستی کو پوری طرح ہلاک کر دیتے ہیں۔ اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیں۔ اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً : مطلب یہ کہ جب کسی بستی کے رہنے والوں کے مظالم کی وجہ سے ہم اس بستی کو تباہ وبرباد کرنا چاہتے ہیں تو پہلے وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو، کھاتے پیتے لوگوں کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں، اللہ کی توحید کو تسلیم کریں، اس کے رسولوں کی تصدیق کریں، اسی طرح ان کے علاوہ ان کے پیروکاروں کو بھی ان باتوں کا حکم دیتے ہیں، مگر وہ بجائے سر تسلیم خم کرنے کے نافرمانی کرتے ہیں، اپنے رب کے فرمان کو تسلیم نہیں کرتے، اللہ کے رسولوں کا انکار کر دیتے ہیں، پھر اللہ کا ایسا عذاب ان پر آتا ہے جو ٹلتا نہیں ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں اور مکمل طور پر تباہ وبرباد کر دیتے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ : اللہ تعالیٰ اس آیتِ کریمہ میں گزشتہ امتوں کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی ایسی قومیں آئیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت کو ردّ کیا اور سرکشی ونافرمانی کی راہ اختیار کی، چنانچہ ہم نے انہیں نیست ونابود کر دیا، جیسا کہ قومِ عاد اور ثمود اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا : اس بیان کے ذریعے دراصل اہلِ مکہ اور تمام منکرینِ حق کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ بھی اگر اسی روش پر قائم رہے تو ان کا انجام بھی مختلف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال، گناہوں اور خفیہ وعلانیہ حرکات سے خوب باخبر ہے، اس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ ہر ایک کے عمل کو دیکھ رہا ہے اور وقت آنے پر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق مکمل جزا یا سزا دے گا۔

مسلمانوں اور کافروں پر نوازشات

سوال آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا {۱۹} كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا {۲۰} الإسراء.

جواب ترجمہ: جو شخص دنیاوی منافع کا ارادہ کرتا ہے ہم جس کے لیے چاہیں جتنا چاہیں اسی دنیا میں اسے دے دیتے ہیں پھر ہم اس کے لیے دوزخ تجویز کر دیں گے وہ اس میں بدحال ہو کر راندہ درگاہ ہونے کی حالت میں داخل ہو گا۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کوشش کرے جیسی کوشش ہونی چاہیے اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی ہو گی۔ ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ دنیائے فانی میں اہل ایمان ہوں یا کافر ہم ان سب کو رزق دیتے ہیں، رزق یہ تمہارے پروردگار کی عطاء ونوازشات میں سے ہے، یہ عطاء ونوازش مومن ہو یا کافر اس سے روکی نہیں گئی، سب کے لیے جاری وساری ہے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ہوگئے ہیں، ایک وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی ہی کے لیے ہے، دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے، جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا ہے اور سب کو کارخانہ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے، انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے، انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوئے۔ لیکن جہاں تک آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے۔ پہلے کے لیے محرومیاں ہوں گی۔ دوسرے کے لیے کامرانیاں۔ (ترجمان القرآن)

درجات دنیا وآخرت اور توحید خالص کی دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا {۲۱} لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا {۲۲} الاسراء

جواب ترجمہ: آپ دیکھ لیجیے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی، اور بلاشبہ آخرت کے درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی۔ اے مخاطب اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا، ورنہ تو مذمت کیا جانے والا، بے یارو مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ: اللہ تعالیٰ ان آیاتِ کریمہ میں اپنے بندوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو! ہم نے دنیا میں لوگوں کو رزق، مراتب اور حالات کے اعتبار سے ایک دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے، کوئی مال و دولت میں بڑھا ہوا ہے، کوئی عزت و منصب میں اور کوئی دیگر نعمتوں میں ممتاز ہے، مگر یہ تفاوت محض دنیا تک محدود نہیں، بلکہ آخرت میں درجات کا فرق اس سے کہیں زیادہ عظیم، وسیع اور دائمی ہو گا، وہاں نعمتوں کی برتری اور قربِ الٰہی کے مراتب کا تفاوت اس قدر بلند ہو گا کہ دنیا کی ساری فضیلتیں اس کے سامنے ہیچ نظر آئیں گی، لہٰذا ایک صاحبِ ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ اور محنت آخرت کی کامیابی کے لیے صرف کرے، کیونکہ اصل اور دائمی فلاح وہی ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا: یہاں توحیدِ خالص کا نہایت مؤکد حکم دیا گیا کہ اے بندے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنا، نہ کسی کو اس کی اُلوہیت میں شریک ٹھہرا، اگر ایسا کیا تو انجام یہ ہو گا کہ تو اللہ کے نزدیک بھی مذموم اور قابلِ ملامت ٹھہرے گا اور اس کے صالح بندوں کی نگاہ میں بھی تجھے کوئی عزت حاصل نہ ہو گی، مزید برآں تو اللہ کی مدد سے محروم ہو جائے گا اور ایسی حالت میں کوئی تیری نصرت کرنے والا نہ ہو گا۔

بندگی خدا کی، حسن سلوک والدین سے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا {۲۳} وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا {۲۴} رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا {۲۵} الاسراء

جواب ترجمہ: اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اے مخاطب اگر تیرے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف بھی نہ کہنا، اور ان کو مت جھڑکنا، اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرنا۔ اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں عرض کرنا کہ اے رب ان پر رحم فرمایئے جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا ہے۔ تمہارا رب ان چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، اگر تم نیکی اختیار کرو تو بلاشبہ وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: اللہ تعالیٰ یہاں انسان کی زندگی کے دو بنیادی ستون نہایت جامع اور مؤثر انداز میں بیان فرماتا ہے: توحیدِ خالص اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، یعنی بندگی، اطاعت اور خشوع کا حق صرف اسی ذاتِ واحد کے لیے مخصوص ہے، اسی کے ساتھ خاص طور پر والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا، خصوصاً اس حالت میں جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ان میں سے ایک ہو یا دونوں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ کا مفہوم: لفظ قَضٰى کے معنی یہاں حکم دینا، لازم قرار دینا اور تاکید کے ساتھ امر کرنا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن بصری رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قضاء، فیصلۂ تقدیر نہیں بلکہ حکم و وصیت کے معنی میں ہے۔ بعض قراءات میں "وَوَصّٰى رَبُّكَ" بھی مروی ہے، یعنی تمہارے رب نے تاکید کے ساتھ وصیت فرمائی۔

قضاء کے کئی معانی: لفظ قَضَاء عربی زبان میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں یہ کبھی حکم دینے کے معنٰی میں آتا ہے، جیسے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (الاسراء: ۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دیا کہ اسی کی عبادت کی جائے اور کبھی پیدا کرنے کے معنی میں، جیسے فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (فصلت: ۱۲) یعنی اس نے سات آسمان پیدا کیے، اسی طرح یہ فیصلہ کرنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے :فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ: ۷۲) یعنی جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈالو، اور کسی کام کے مکمل ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (یوسف: ۴۱) نیز فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (البقرہ: ۲۰۰) اور فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ (الجمعہ: ۱۰) یعنی جب کام پورا ہو جائے، اسی طرح ارادہ کے معنٰی میں بھی آتا ہے، اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (البقرہ: ۱۱۷) اور عہد و وصیت کے معنٰی میں بھی جیسے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص: ۴۴)؛ پس جب "قضاء" ان مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہے تو ہر مقام پر ایک ہی معنی مراد لینا درست نہیں، اسی لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ گناہ اللہ کے "حکم" سے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا اور سورۃ الاسراء کی مذکورہ آیت میں قضاء کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکید کے ساتھ حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

توحید کے ساتھ والدین کا حق: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو جوڑ دیا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور دوسری جگہ فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کا حق، اللہ کے حق کے بعد سب سے بڑا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز اپنے وقت پر" عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: "والدین کے ساتھ حسنِ سلوک" عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد۔ (بخاری)

والدین کی نافرمانی، کبیرہ گناہ: والدین کو تکلیف دینا، ان کی بے ادبی کرنا، یا ان کے سبب گالی کا سبب بننا، سب کبیرہ گناہ ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بے شک بڑے گناہوں میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا کوئی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ فرمایا: وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

اطاعتِ والدین کا دائرہ: والدین کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ کا حکم نہ دیں، اگر وہ کسی مباح کام کا حکم دیں تو وہ بھی بیٹے کے حق میں اہم ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آیا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو بیوی طلاق دینے کا حکم دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید فرمائی: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ (ترمذی)

ماں کا حق باپ سے زیادہ: ایک شخص نے پوچھا: میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں" پھر فرمایا: "تمہاری ماں" پھر فرمایا: "تمہاری ماں" پھر فرمایا: "تمہارا باپ" (صحیح بخاری و مسلم) یہ اس لیے کہ ماں حمل، ولادت اور پرورش کی تین مشقتیں اٹھاتی ہے۔

کافر والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک: اگر والدین غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک لازم ہے، بشرطیکہ وہ دین کے خلاف جنگ نہ کریں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری مشرک ماں آئی، میں نے پوچھا: کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو" (صحیح بخاری)

جہاد پر والدین کی خدمت مقدم: ایک شخص جہاد کی اجازت لینے آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟" عرض کیا: جی ہاں فرمایا: "پھر انہی کی خدمت میں جہاد کرو" (صحیح مسلم)

والدین کی وفات کے بعد بھی حسنِ سلوک: والدین کے انتقال کے بعد بھی ان کے حقوق باقی رہتے ہیں: ان کے لیے دعا۔ ان کے دوستوں سے حسنِ سلوک۔ ان کے وعدے پورے کرنا۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "سب سے بڑا نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے"۔

بڑھاپے میں خصوصی تاکید: اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بڑھاپے کا ذکر فرمایا: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ کیونکہ اس وقت وہ کمزور، محتاج اور حساس ہو جاتے ہیں، جس طرح بچپن میں وہ تمہاری خدمت کرتے تھے، اب تم پر ان کی خدمت لازم ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا: ایسی نازک عمر میں، جب والدین کمزور اور محتاج ہو جاتے ہیں، اولاد کو تاکید کی گئی کہ وہ ان کے سامنے ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہ کرے، حتیٰ کہ ایسا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے جو جھنجھلاہٹ یا تنگی پر دلالت کرے اور نہ انہیں ڈانٹے یا سختی سے بات کرے، بلکہ ان سے ہمیشہ نرم، شائستہ اور ادب بھرے الفاظ میں گفتگو کرے، جو محبت، شفقت اور احترام کا آئینہ دار ہوں۔

اُفٍّ کہنے کی بھی ممانعت: قرآن نے ادنیٰ درجے کی ناگواری سے بھی منع فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ "اُف" ہر اس کلمہ کو کہتے ہیں جس میں ادنیٰ درجے کی ناگواری ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ کے ہاں "اُف" سے بھی کمتر کوئی لفظ ہوتا تو اسے بھی حرام قرار دیتا۔

نرم گفتگو کا حکم: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا یعنی نہایت ادب، محبت اور نرمی سے بات کرو، جیسے: "اے میرے ابا جان! اے میری اماں جان!" حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا لہجہ ہو جیسے ایک خطاکار غلام اپنے سخت آقا سے بات کرتا ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا: مزید برآں، دل اور عمل دونوں کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ سکھایا گیا کہ بندہ اپنے رب کے حضور یوں دعا کرے: "اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پرورش دی"۔ اس دعا میں والدین کی بے لوث محبت اور ان کی محنتوں کا اعتراف بھی ہے اور ان کے حق میں بہترین بدلہ بھی۔

عاجزی اور محبت: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ یہ ایک نہایت خوبصورت تمثیل ہے، جیسے پرندہ اپنے بچوں پر شفقت سے پر جھکا دیتا ہے، ویسے ہی انسان کو والدین کے سامنے جھک جانا چاہیے۔

دعا کی تعلیم: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا یہ دعا انسان کو اس کی بچپن کی بے بسی یاد دلاتی ہے، جب والدین نے: راتیں جاگ کر گزاریں۔ خود بھوکے رہ کر اسے کھلایا۔ خود تکلیف اٹھا کر اسے سکون دیا۔

والدین کا حق کبھی ادا نہیں ہو سکتا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا، مگر یہ کہ اسے غلام پائے اور خرید کر آزاد کر دے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ: اللہ تعالیٰ انسان کے باطن کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہارے دلوں کے حال کو خوب جانتا ہے، تمہاری نیتوں، اخلاص اور باطنی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے، اگر تمہارے اعمال اور والدین کے ساتھ تمہارا برتاؤ خلوصِ نیت پر مبنی ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا اور اگر کبھی بشری کمزوری کے باعث کوتاہی ہو جائے، مگر تم سچی توبہ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو، تو وہ توبہ کرنے والوں کے لیے نہایت بخشنے والا ہے۔

ایک مؤثر واقعہ اور اشعار: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والد نے میرا مال لے لیا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: "اپنے والد کو میرے پاس لے آؤ" چنانچہ (اس دوران) حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ بوڑھا شخص آپ کے پاس آئے تو اس سے اس بات کے بارے میں پوچھئے جو اس نے اپنے دل میں کہی ہے اور جسے اس کے کانوں نے بھی نہیں سنا۔

پھر جب وہ بوڑھا شخص آیا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: "تمہارا بیٹا تمہاری شکایت کرتا ہے، کیا تم اس کا مال لینا چاہتے ہو؟" اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اسی سے پوچھ لیجیے، کیا میں اس مال کو اپنی بہنوں (یعنی اس کی پھوپھیوں یا خالاؤں) پر یا اپنے اوپر ہی خرچ نہیں کرتا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اچھا، اسے رہنے دو، مجھے اس بات کے بارے میں بتاؤ جو تم نے اپنے دل میں کہی تھی اور جسے

تمہارے کانوں نے نہیں سنا" اس بوڑھے نے عرض کیا: اللہ کی قسم! یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے ذریعے مسلسل یقین میں بڑھاتا رہتا ہے، بے شک میں نے اپنے دل میں ایک بات کہی تھی جسے میرے کانوں نے بھی نہیں سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: "کہو، میں سن رہا ہوں"۔ اس نے کہا: میں نے (دل میں) یہ کہا تھا، پھر باپ نے یہ اشعار پڑھے:

غَذَوْتُكَ مَوْلُودًا وَمُنْتُكَ يَافِعًا ... تَعِلُّ بِمَا أَجْنِي عَلَيْكَ وَتَنْهَلُ

میں نے تجھے پیدائش کے وقت پالا، اور جوان ہونے تک تجھے سنبھالتا رہا، تو میری کمائی سے آسودہ ہوتا اور اسی سے سیراب ہوتا رہا۔

إِذَا لَيْلَةٌ ضَافَتْكَ بِالسُّقْمِ لَمْ أَبِتْ ... لِسُقْمِكَ إِلَّا سَاهِرًا أَتَمَلْمَلُ

جب کبھی کوئی رات تجھے بیماری نے آلیا، تو میں تیری بیماری کے سبب رات بھر جاگتا اور بے چین کروٹیں بدلتا رہتا۔

كَأَنِّي أَنَا الْمَطْرُوقُ دُونَكَ بِالَّذِي ... طُرِقْتَ بِهِ دُونِي فَعَيْنِي تَهْمُلُ

گویا وہ تکلیف جو تجھے پہنچی، مجھ ہی پر آپڑی ہو؛ تیرے دکھ پر میری آنکھیں آنسو بہاتی رہتی تھیں۔

تَخَافُ الرَّدَى نَفْسِي عَلَيْكَ وَإِنَّهَا ... لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

میرا دل تیری خاطر موت سے ڈرتا تھا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ موت ایک مقرر وقت پر ہی آتی ہے۔

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِي ... إِلَيْهَا مَدَى مَا كُنْتُ فِيكَ أُؤَمِّلُ

پھر جب تو اس عمر اور اس مقام تک پہنچ گیا جس کی میں نے تیرے بارے میں امید باندھی تھی،

جَعَلْتَ جَزَائِي غِلْظَةً وَفَظَاظَةً ... كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

تو نے میرے اس احسان کا بدلہ سختی اور درشتی سے دیا، گویا تو ہی احسان کرنے والا اور فضل فرمانے والا ہے۔

فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي ... فعلت كما الجار المصاقب يفعل

کاش! جب تو نے باپ ہونے کا میرا حق نہ پہچانا، تو کم از کم قریبی پڑوسی ہی کی طرح برتاؤ کرتا۔

فَأَوْلَيْتَنِي حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَكُنْ... عَلَيَّ بِمَالٍ دُونَ مَالِكَ تَبْخَلُ

اور مجھے ہمسائیگی کا ہی حق دے دیتا، اور اپنے مال میں سے مجھ پر بخل نہ کرتا۔

ایک باپ کا اپنے بیٹے کے بارے میں یہ درد بھرا کلام سنا تو نبی کریم ﷺ نے اس بیٹے کا گریبان پکڑا اور فرمایا: أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ، تو اور تیرا مال، سب تیرے باپ کا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں ہمیں اندازہ لگالینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے اس کے والدین کی کس قدر اہمیت ہے، ان آیات میں والدین کی عظمت اس درجہ بیان ہوئی ہے کہ ان کا حق توحید کے فوراً بعد رکھا گیا، ان کی خدمت کو جہاد پر مقدم کیا گیا، ان کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا، ان کے لیے ادنیٰ ناگواری بھی حرام ٹھہری، خوش نصیب ہے وہ اولاد جو والدین کی خدمت کا موقع پاکر اسے غنیمت جانے اور بدبخت وہ ہے جو ان کی موجودگی میں بھی جنت کا راستہ کھودے۔

حقوق العباد اور اعتدال انفاق

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا {۲۶} اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا {۲۷} وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا {۲۸} الإسراء

جواب ترجمہ: اور رشتہ دار کو اور مسکین کو دو اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا مت اڑاؤ۔ بلاشبہ مالوں کو بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے پہلو تہی کرے تو ان سے نرم بات کہہ دینا۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو، نیز مسکینوں اور مسافروں کو بھی ان کا حق دو، مفسرین کے نزدیک ذَا الْقُرْبٰى سے

مراد وہ تمام قرابت دار ہیں جن کے ساتھ صلہ رحمی لازم ہے، ان کا حق صرف رسمی تعلق نہیں بلکہ حسنِ سلوک، محبت، ملاقات اور بوقتِ ضرورت مالی مدد تک پھیلا ہوا ہے، اگر وہ محتاج ہوں اور انسان صاحبِ استطاعت ہو تو ان پر خرچ کرنا واجب کے قریب ہو جاتا ہے اور اگر مالی وسعت نہ ہو تو کم از کم خیر خواہی، حسنِ معاشرت اور دلجوئی ان کا حق ہے، اسی طرح "مسکین" اور "ابن السبیل" (مسافر) بھی ایسے طبقات ہیں جو مالی تعاون کے مستحق ہیں، تاکہ معاشرہ بے حسی کا شکار نہ ہو بلکہ باہمی ہمدردی سے قائم رہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا: اللہ تعالیٰ کو فضول خرچی ناپسند ہے، یہاں حکم دے رہے ہیں کہ مال کو بے جا اور ناجائز جگہوں پر نہ اڑاؤ، تبذیر یہ ہے کہ مال کو ایسی جگہ خرچ کیا جائے جہاں نہ شرعاً جواز ہو اور نہ عقلاً فائدہ۔ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اگر تھوڑی سی رقم بھی غلط مصرف میں خرچ ہو تو وہ تبذیر ہے، جبکہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں کثرتِ خرچ بھی اسراف نہیں، گویا اسلام نہ بخل سکھاتا ہے نہ فضول خرچی، بلکہ اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ: یہاں فضول خرچی کرنے والوں کو ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے فضول خرچی کی مزید قباحت بیان فرمائی ہے کہ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی شیطان کی طرح نعمتوں کی ناقدری کرتے اور برائی کے راستے پر چلتے ہیں، شیطان چونکہ اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، اس لیے اس کی راہ اختیار کرنے والے بھی اسی مذموم صفت میں اس کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت لطیف اور دل آویز ہدایت دی ہے کہا گر کبھی تمہاری مالی حالت ایسی نہ ہو کہ تم رشتہ داروں، مسکینوں یا مسافروں کو کچھ دے سکو اور تم اپنے رب کی رحمت (رزق) کے انتظار میں ان سے عارضی طور پر منہ موڑو، تو بھی ان سے نرمی اور آسانی کی بات کرو، مطلب یہ کہ محرومی کے وقت بھی زبان کی نرمی باقی رہے، سختی، جھڑک اور بے اعتنائی نہ ہو، بلکہ امید دلانے والا، محبت بھرا اور

معذرت پر مبنی کلام ہو، جیسے: ”اللہ ہمیں اور آپ کو اپنے فضل سے نوازے“۔

معاشی اعتدال، حرمت جان وعفت، ایفائے عہد

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا {۲۹} اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا {۳۰} وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا {۳۱} وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا {۳۲} وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا {۳۳} وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا {۳۴} الاسراء

جواب ترجمہ: اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ، اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بلاشبہ تیرا رب جس کے لیے چاہے رزق میں فراخی دیدیتا ہے اور وہ رزق میں تنگی بھی فرما دیتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، دیکھنے والا ہے۔ اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں ہم رزق دیں گے، اور تمہیں بھی، بلاشبہ ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس نہ جاؤ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو، اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لیے تسلط رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی۔ اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کی پوچھ گچھ ہو گی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انسان نہ تو بخل اختیار کرے کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا معلوم ہو اور نہ اسراف کرے کہ سب کچھ لٹا کر خود

ملامت اور محتاجی کا شکار ہو جائے، بلکہ اعتدال کی راہ اپنائے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ: کیونکہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہی اپنی حکمت کے مطابق جس کے لیے چاہتا ہے فراخی اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی فرماتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ: یہاں اولاد کو فقر کے خوف سے قتل کرنے کی سخت ممانعت کی گئی، جو زمانۂ جاہلیت کی سنگ دلانہ رسم تھی اور واضح کیا گیا کہ رزق دینے والا اللہ ہے، لہٰذا یہ فعل بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا: یہاں زنا کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نہ صرف برائی سے بلکہ اس کے تمام مقدمات اور اسباب سے بھی بچنے کی تعلیم دیتا ہے، کیونکہ یہ کھلی بے حیائی اور نہایت برا راستہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ: یہاں یہ فرمایا گیا کہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو، کیونکہ انسانی جان کی حرمت بہت عظیم ہے، البتہ حق کے ساتھ (یعنی شرعی حدود و قصاص کے تحت) اس کی اجازت ہے اور اگر کسی کو ظلم کے ساتھ قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو قصاص کا حق دیا گیا ہے، مگر اسے بھی زیادتی سے روکا گیا ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ: یہاں یتیم کے مال کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا مگر اس صورت میں اجازت دی گئی کہ اس میں اصلاح اور بہتری مقصود ہو، یہاں تک کہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا: یہاں ہر قسم کے عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا، اس تنبیہ کے ساتھ کہ قیامت کے دن ہر وعدے کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

یہ آیات درحقیقت ایک متوازن، عادلانہ اور پاکیزہ معاشرے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں، جہاں اعتدال، عدل، عفت اور ذمہ داری کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

دیانت، معاملات، احتیاط فکر، تواضع کردار، توحید خالص

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا {۳۵} وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا {۳۶} وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا {۳۷} كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا {۳۸} ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا {۳۹} اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا {۴۰} وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا {۴۱} قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا {۴۲} سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا {۴۳} الاسراء

جواب ترجمہ: اور جب تم ناپو تو پورا ناپو، اور صحیح ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔ اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو، بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہو گا۔ اور تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل، بیشک تو ہر گز زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور ہر گز پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ نہیں سکتا۔ یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہیں، اور اے مخاطب اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود تجویز نہ کر ورنہ تو ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا بلاشبہ تم بڑی بات کہتے ہو۔ بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اور یہ ان کی نفرت ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ

یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے کی طرف راستہ تلاش کر لیا ہوتا۔ جو پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو ناپ کر دو تو پورا ناپو اور انصاف کے ساتھ صحیح ترازو میں تولو، اس میں کمی نہ کرو، کیونکہ ناپ تول میں دیانت داری دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے نہایت عمدہ ہے، برخلاف اس کے کہ کمی اور خیانت انسان کو خسارے میں ڈال دیتی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ: یہاں انسان کو اس بات کی تنبیہ کی گئی کہ وہ ایسی چیز کے پیچھے نہ چلے جس کا اسے علم نہیں، کیونکہ محض گمان اور قیاس کے پیچھے چلنا گمراہی کا سبب بنتا ہے اور یاد رکھو کہ انسان اپنے کان، آنکھ اور دل کے استعمال کے بارے میں اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا: یہاں فرمایا کہ زمین میں اکڑ کر اور غرور کے ساتھ نہ چلو، کیونکہ نہ تم اپنی چال سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنی قامت میں پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو، لہٰذا تکبر کی کوئی حقیقت نہیں۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا: یہ تمام برائیاں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور ممنوع ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ: یہاں واضح کیا گیا کہ یہ تمام احکام و ہدایات دراصل وحیِ الٰہی کا حصہ ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ورنہ قیامت کے دن ملامت زدہ اور ہر خیر سے محروم ہو کر جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا: مشرکین کے اس باطل عقیدے کی تردید کی گئی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ نے تمہیں بیٹے دے کر اپنے لیے بیٹیاں اختیار کر لیں؟ یہ نہایت قبیح اور بے بنیاد بات ہے جو وہ اللہ کی شان میں کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا: یہاں فرمایا کہ قرآن میں بار بار نصیحتیں، مثالیں اور احکام اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ لوگ عبرت حاصل کریں، مگر کچھ بدبخت ایسے ہیں جو ان سب کے

باوجود حق سے اور بھی دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا: یہاں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ اگر اللہ کے ساتھ واقعی کوئی اور معبود ہوتے، جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، تو وہ ضرور اللہ کے اقتدار میں شریک ہونے یا اس سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ان پراگندہ اور غلط خیالات و نظریات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ اس کی شان میں بیان کرتے ہیں۔

کائنات ہستی کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا {۴۴} الإسراء

جواب ترجمہ: تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو، وہ بڑا حلیم ہے بڑا غفور ہے۔

کائنات ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو، یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صوت میں، اپنے افعال و خواص میں مجسم و تقدیس ہیں، ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سر تا سر حمد و ثنا ہے، وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی حسین کے کمال کی حسن افروزیاں ہیں، اور اس

لیے زبان حال سے اس کی خالقیت و حکمت اور ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں۔

عربی میں من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس لیے پہلے فرمایا آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں۔ پھر فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں ان کی شریک نہ ہو، عربی میں شے کا اطلاق نہ صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے، حتیٰ کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شے کہیں گے، پس مطلب یہ ہوا کائنات ہستی کا ہر وجود، ہر ہستی، ہر چیز، ہر حالت، ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک باکمال سنگ تراش موجود ہے تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے، اس کی مجسم تعریف و توصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے، اس مورتی کا حسن، اس کا تناسب، اس کا انداز، اس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دست صناعی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے۔

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہے سر تا سر حسن و خوبی ہی ہے، کیونکہ حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اسے نہ پا سکے۔ (ترجمان القرآن)

انکار حق کی نفسیات، حجاب ہدایت اور عقیدہ آخرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی

الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا {۴۶} نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا {۴۷} اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا {۴۸} وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا {۴۹} قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا {۵۰} اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا {۵۱} الإسراء

جواب ترجمہ: اور (میرے حبیب ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں، اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ جس وقت وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے کان لگائے ہوئے ہیں جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں ہمیں اس کا بھی خوب علم ہے، جبکہ ظالم لوگ یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ بس ایک ایسے شخص کا اتباع کر رہے ہو، جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ دیکھ لیجیے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے سو راہ یاب نہیں ہوں گے۔ اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو نئی پیدائش کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔ یا کوئی دوسری مخلوق اس مخلوق میں سے جو بن جاؤ جو تمہارے سینوں میں بڑی معلوم ہو رہی ہو، اس پر وہ کہیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ فرما دیجیے وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا، اس پر وہ آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہو گا؟ آپ فرما دیجیے کہ وہ عنقریب ہو جانے ہی والا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ! جب آپ قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے ہیں اور اس میں موجود نصیحتیں اور تنبیہات لوگوں کے سامنے آتی ہیں تو ہم ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں، جو انہیں قرآن کی حقیقت کو سمجھنے سے روک دیتا ہے، یہ دراصل ان کے اپنے اعراض اور ہٹ دھرمی کی سزا ہے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا: ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ایسا بوجھ رکھ دیا ہے کہ وہ اسے نفع بخش سماعت کے ساتھ نہ سن سکیں، جب آپ ﷺ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے خود ساختہ معبودوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے تو وہ نفرت کے ساتھ پیٹھ پھیر کر دور بھاگ جاتے ہیں۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کے سردار قرآن کو کس نیت سے سنتے ہیں، وہ ہدایت کے طالب نہیں ہوتے بلکہ استہزاء، لغو اور انکار کے لیے آتے ہیں اور خفیہ طور پر آپس میں مشورے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جو (نعوذ باللہ) جادو کا اثر لیے ہوئے ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا: پھر فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ غور کریں کہ یہ لوگ آپ کے بارے میں کیسے کیسے بے بنیاد اور متضاد الزامات لگاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ خود ہی راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں اور اب سیدھی راہ پانے سے عاجز ہو چکے ہیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا: اسی طرح وہ بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر ہڈیاں بن جائیں گے اور ہمارے جسم بوسیدہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ انہیں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا: تم چاہے پتھر بن جاؤ یا لوہے جیسے سخت ہو جاؤ، تب بھی اللہ کی قدرت سے باہر نہیں جاسکتے، وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا: یا کوئی اور ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دل میں سوچتے ہو کہ اس کا زندہ ہونا اور بھی مشکل ہے، پھر بھی تمہیں زندہ کر دیا جائے گا۔

مکہ والوں کا ایک شبہ آپ کی تعلیمات کے متعلق یہ تھا کہ اس میں حشر و نشر کے کوائف کا ذکر ہے، وہ کہتے تھے، یہ کیونکر ممکن ہے، کہ مرا ہوا انسان جی اٹھے، اور مردہ ہڈیوں میں حرکت و عمل پیدا ہو جائے ان کے خیال میں یہ زندگی جب ختم ہو جائے تو پھر اس کا اعادہ نہیں ہو سکتا اور ہم ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جاتے ہیں، قیامت اور حشر اجساد کا عقیدہ ان کے لئے نہایت حیرت انگیز تھا۔

قرآن حکیم فرماتا ہے، تمہیں اس میں کیا اعتراض ہے، کیا اللہ نے تم کو کتم عدم سے لا کر وجود کی دنیا میں آباد نہیں کیا ہے، کیا اس نے تمہیں بغیر کسی مادی ذریعہ کے پیدا نہیں کیا؟ جب اسی نے اس سے پہلے تمہیں پیدا کیا تھا، تو وہ تمہیں پھر بھی زندگی بخش سکتا ہے، جب حقائق و اسباب کو اسی نے پیدا کیا ہے تو اس کے اختیار میں یہ بھی ہے کہ ان کو بدل بھی دے وہ پتھر اور لوہے کو انسانوں میں تبدیل کر سکتا ہے، اس لئے قرآن کہتا ہے، کہ تم جو کچھ بھی ہو جاؤ تم میں لوہے اور پتھر کی سی سختی اور صلاحیت بھی پیدا ہو جائے تب بھی وہ تمہیں زندہ انسانی صورت میں تبدیل کر دے گا، یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔ (سراج البیان)

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ: اَنْغَضَ يُنْغِضُ کے معنی ہیں سر ہلانا، یعنی استہزاء کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہو گی؟ کسی کے سامنے تعجب کے انداز میں سر ہلانا، وہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر اپنا سر تمسخر کے انداز میں دائیں بائیں ہلا رہے تھے۔

یوم حشر کی یاد دہانی، حسن گفتار کی تلقین

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا {۵۲} وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا {۵۳} رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا {۵۴} وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا {۵۵} الاسراء

جواب ترجمہ: جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے، اور یہ سمجھ رہے ہو گے کہ تم بس تھوڑی سی مدت (دنیا میں) رہے تھے۔ میرے (مومن) بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہی بات کہا کریں جو بہترین ہو۔ در حقیقت شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے، اور چاہے تو تمہیں عذاب دیدے، اور (اے میرے حبیب ﷺ) ہم نے آپ کو ان کی باتوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ اور تمہارا پروردگار ان سب کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور ہم نے کچھ نبیوں کو دوسرے نبیوں پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا: ارشاد ہوتا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں میدانِ حشر کی طرف بلائے گا تو تم سب اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ گے، اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اٹھو گے اور تمہیں یوں محسوس ہو گا کہ دنیا میں تمہارا قیام بہت تھوڑا سا تھا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: پھر نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ایمان والوں سے فرمادیں کہ وہ گفتگو کے موقع پر ہمیشہ اچھی اور نرم بات اختیار کریں اور ایسے کلمات سے بچیں جو دلوں میں نفرت یا فساد پیدا کریں، کیونکہ شیطان انہی الفاظ کو بنیاد بنا کر لوگوں کے درمیان جھگڑا اور بگاڑ پیدا کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، اس لیے اس سے ہر حال میں ہوشیار رہنا چاہیے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ: اس کے بعد فرمایا کہ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے، تمہارے ظاہر و باطن کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں، وہ چاہے تو تم پر رحم فرما کر تمہیں ایمان اور عملِ صالح کی توفیق دے اور چاہے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر عذاب میں مبتلا کر دے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا: اے نبی! آپ کو ان لوگوں پر نگران یا مجبور کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، آپ کا منصب صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کے احوال سے بخوبی واقف ہے اور اسی نے اپنے بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی، کسی کو زیادہ پیروکار دیے، کسی کو کتاب عطا فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور جیسی مقدس کتاب سے نوازا، یہ آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ہدایت، فضل اور جزا و سزا سب اللہ کے اختیار میں ہے اور انسان کے لیے نجات کا راستہ ایمان، حسنِ اخلاق اور اطاعتِ الٰہی میں مضمر ہے۔

توحید خالص، معبودان باطلہ کی بے بسی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا {۵۶} اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا {۵۷} وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا {۵۸} وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا {۵۹} الاسراء

جواب ترجمہ: (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ تم انہیں بلا لو جنہیں تم معبود خیال کرتے

ہو سو وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کے بدلنے کا۔ یہ لوگ جنہیں مشرکین پکار رہے ہیں اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اور آیات بھیجنے سے ہمیں صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو بصیرت کا ذریعہ تھی انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا: ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ! ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے سوا جنہیں معبود سمجھتے ہو، انہیں پکار کر دیکھ لو، اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ نہ اسے دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ کسی اور کی طرف منتقل کرنے کی، کیونکہ جو خود عاجز ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ: حقیقت یہ ہے کہ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں، خواہ وہ فرشتے ہوں یا نیک بندے، وہ خود بھی اللہ کے قرب کے طالب ہیں، نیکی کے ذریعے اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ سب کے سب اللہ کے محتاج بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: یہاں ارشاد فرمایا کہ کوئی بستی یا شہر ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ اس کے کفر و سرکشی کے سبب دنیا ہی میں کسی نہ کسی صورت عذاب یا سخت آزمائش میں مبتلا نہ کرے اور یہ سب کچھ اللہ کے ازلی فیصلے کے مطابق لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے ان مشرکین کے مطالبے کے باوجود حسی معجزات اس لیے نازل نہیں کیے کہ پچھلی قوموں کو جب ایسے

واضح نشانات دیے گئے تو انہوں نے بھی انکار کیا اور پھر فوراً عذاب میں گرفتار کر لیے گئے، جیسا کہ قوم ثمود کو اونٹنی کی عظیم نشانی دی گئی مگر انہوں نے اس کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ درحقیقت انبیاء کے ذریعے نشانیوں کا بھیجا جانا محض لوگوں کو ڈرانے اور راہِ راست کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوتا ہے، تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں۔ یہ آیات انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ ہر قسم کے شرک سے بچ کر خالصتاً اللہ ہی پر اعتماد کرے اور اسی کی عبادت کو اپنا شعار بنائے۔

رؤیا اور شجرہ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے نیز بتائیے کہ جو خواب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو دکھایا وہ کیا تھا؟ نیز یہ بتائیے کہ قرآن کریم میں بیان کیے گئے شجرہ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا {٦٠} الإسراء.

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے آپ سے کہا بلاشبہ آپ کا رب سب لوگوں کو محیط ہے اور ہم نے جو دکھلاوا آپ کو دکھلایا اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون بتایا یہ دونوں چیزیں صرف اس لیے تھیں کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالا جائے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ، أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ، اس رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے، جو معراج کی رات نبی کریم ﷺ کو دکھایا گیا۔

احکام القرآن جصاص میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت بیان کی گئی ہے، جس میں یوں ہے کہ اس رؤیا (خواب) سے مراد وہ رؤیا ہے جس میں آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا کہ آپ ﷺ بہت جلد مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دکھاوے سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان

سے لوگ جانچے گئے۔ سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔ (تفسیر عثمانی)

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن میں یوں ہے کہ یہاں پر لفظ "رؤیا" خواب کے معنی میں نہیں آیا بلکہ اس سے رُؤیت بصری مراد ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اس پر بھی "رؤیا" کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور کو جو مشاہدات کرائے تھے اور جو نشانیاں آپ کو دکھائی تھیں ان کی تفصیل جب کفار مکہ نے سنی تو یہ معاملہ ان کے لیے ایک فتنہ بن گیا۔ وہ نہ صرف خود اس کے منکر ہوئے، بلکہ اس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے، اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انہوں نے پوری شد و مد سے یہ پرچار شروع کر دیا کہ محمد پر جنون کے اثرات ہو چکے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ اس زمانے میں جب مکہ سے بیت المقدس پہنچنے میں پندرہ دن لگتے تھے یہ دعویٰ انتہائی ناقابل یقین معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص راتوں رات نہ صرف بیت المقدس سے ہو آیا ہے بلکہ آسمانوں کی سیر بھی کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اس موضوع کو خوب اچھالا اور مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر بحث مباحثے کیے۔ اس طرح نہ صرف یہ بات کفار کے لیے فتنہ بن گئی بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ایک آزمائش قرار پائی۔

الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے مراد زقوم کا درخت ہے یعنی تھوہر یا ناگ پھنی (دیکھیے سورۃ دخان ۴۳) اور اس پر لعنت ہے مراد اس کے کھانے والے پر لعنت ہے اور آزمائش یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ آپ نے جنت اور دوزخ دیکھی اور دوزخ میں زقوم کا درخت دیکھا تو منکرین نے مذاق اڑایا اور کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ (ابن کثیر) اسی لئے جب قرآن میں زقوم کا بیان ہوا تو ابو جہل نے کھجور اور مکھن منگوایا اور دونوں کو ملا کر کھانے لگا اور بولا "یہ ہے زقوم" اسی کو نوش جان کرو ہم اس کے علاوہ کسی زقوم کو نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

تکبر ابلیس، عداوت شیطان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا {٦١}قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا {٦٢}قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا {٦٣}وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا {٦٤}اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا {٦٥}الاسراء

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، وہ کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے آپ نے کیچڑ سے بنایا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ ہی بتایئے یہ جسے آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو میں تھوڑے سے افراد کے علاوہ اس کی پوری ذریت کو اپنے قابو میں کروں گا۔ فرمایا جا ان میں سے جو کوئی شخص تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے جو پوری سزا ہو گی۔ اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی پکار سے ان کے قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا اور ان کے اموال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا، اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکہ ہی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا اور آپ کارساز ہونے کے لیے کافی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ: ارشاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو بطورِ تعظیم سجدہ کریں تو سب نے بلا چون وچرا سجدہ کر لیا، مگر ابلیس نے تکبر کرتے ہوئے انکار کر دیا۔

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا: شیطان نے تکبر کرتے ہوئے انکار سجدہ کی بے تکی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کو کیسے سجدہ کروں جسے مٹی سے پیدا کیا گیا، جب کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں، گویا اس نے اپنی پیدائش کو فضیلت کا معیار بنا کر اللہ کے حکم کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ: پھر ابلیس نے گستاخی کے ساتھ کہا کہ اے رب! تو نے اس مخلوق کو مجھ پر فضیلت دی، اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو بہکا کر راہِ راست سے ہٹادوں گا، سوائے ان چند بندوں کے جنہیں تو اپنی خاص حفاظت میں رکھے گا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا، جو لوگ تیری پیروی کریں گے، ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہو گا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ تجھے یہ اجازت دی کہ تو اپنی آواز کے ذریعے، اپنے لشکروں کے ذریعے اور مختلف وسوسوں اور فریبوں کے ذریعے جسے چاہے بہکا لے، ان کے مال اور اولاد میں شرکت کر، انہیں جھوٹے وعدوں اور فریب دہ امیدوں میں مبتلا کر، حالانکہ شیطان کے تمام وعدے سراسر دھوکہ ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا: تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، کیونکہ جو لوگ اللہ کی اطاعت اور اس پر توکل اختیار کرتے ہیں، اللہ خود ان کی حفاظت فرماتا ہے اور وہی ان کے لیے بہترین کارساز ہے۔ ان آیات میں تکبر کے انجام، شیطانی حربوں اور اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے حفاظتِ الٰہی کا نہایت جامع بیان موجود ہے۔

نعمتِ الٰہی اور انسان کی ناشکری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا {٦٦} وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا {٦٧} اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا {٦٨} اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا {٦٩} وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا {٧٠} الاسراء

جواب ترجمہ: تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بلاشبہ وہ تم پر مہربان ہے۔ اور جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اس کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، پھر وہ جب تمہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو رو گردانی کرتے ہو۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب میں لاکر زمین میں دھنسادے۔ یا تم پہ کوئی سخت آندھی بھیج دے جو کنکر برسانے والی ہو پھر تم اپنے لیے کسی کو کارساز نہ پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لوٹادے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کردے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے جو ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا۔ اور انہیں عمدہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ: ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارا رب وہی ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل سے رزق تلاش کرو، تجارت اور دیگر ذرائع سے نفع حاصل کرو، بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے تمہارے لیے یہ اسباب مہیا فرمائے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں سمندر میں تلاش رزق کے دوران کوئی مصیبت پیش آتی ہے اور تمہیں ڈوبنے کا خوف لاحق ہوتا ہے تو اس وقت تمہارے تمام خود ساختہ معبود تمہارے ذہنوں سے محو ہو جاتے ہیں اور تم خالص اللہ ہی کو

پکارتے ہو، مگر جب وہ تمہیں نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو تم پھر اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور اپنی پرانی گمراہی کی طرف لوٹ جاتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا: پھر اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتا ہے کہ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی میں لے جا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، جیسا کہ سابقہ قوموں کے ساتھ ہوا اور پھر تمہیں کوئی بچانے والا نہ ملے؟

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا: یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ کیا تم اس سے بھی بے خوف ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لے جائے اور تم پر تیز آندھی بھیج کر تمہیں غرق کر دے، تمہاری ناشکری کے سبب، اور پھر تمہارے لیے کوئی ایسا نہ ہو جو ہم سے تمہارا بدلہ لے سکے؟

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ: اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو بڑی عزت بخشی، انہیں عقل و شعور سے نوازا، ان کے باپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور خشکی و تری میں ان کے لیے سواریوں کا انتظام کیا، انہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی، لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اپنے رب کی اطاعت کو اختیار کرے، یہ آیات انسان کو اس کی حقیقت یاد دلاتی ہیں کہ نجات اور عزت صرف اللہ کی بندگی اور شکر گزاری میں ہے۔

قیامت کے دن پیشواؤں کیساتھ حاضری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا {۷۱} وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا

{۷۲}وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا {۷۳}وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا {۷۴} اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا {۷۵} الاسراء

جواب ترجمہ: جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا سو یہ لوگ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ اور زیادہ راہ گم کردہ ہو گا۔ اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے ہٹانے ہی لگے تھے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ دوسری بات کی نسبت کر دیں۔ اور اس صورت میں وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ: ارشاد ہوتا ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب ہر گروہ کو اس کے پیشوا اور رہنما کے ساتھ بلایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں پیروی کرتا تھا۔

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ: پھر جن لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی کے ساتھ اسے پڑھیں گے اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہ کی جائے گی، حتیٰ کہ کھجور کی گٹھلی کے باریک دھاگے کے برابر بھی نہیں۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا: اس کے برعکس جو شخص دنیا میں حق کو دیکھنے کے باوجود دل کی آنکھ سے اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جائے گا، بلکہ ہدایت کے راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا، کیونکہ بدلہ ہمیشہ عمل کے مطابق ہوتا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ: یہاں کفار کی ان چالوں کا ذکر ہے جن کے ذریعے وہ نبی کریم ﷺ کو وحی سے ہٹانا چاہتے تھے، تاکہ آپ ان کی خواہشات

کے مطابق کوئی اور بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ آپ کو اپنا قریبی دوست بنا لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو حق پر ثابت قدم رکھا، ورنہ ان کے شدید مکر و فریب اور آپ کی ان کے ایمان کی شدید خواہش کے باعث کچھ جھکاؤ کا اندیشہ ہو سکتا تھا، مگر اللہ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا: یہاں فرمایا کہ اگر بالفرض آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے تو دنیا و آخرت دونوں میں دوہرا عذاب دیا جاتا اور آپ کے لیے کوئی مددگار نہ ہوتا۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ایک نہایت اہم اصول بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر بالفرض آپ ﷺ کفار کی خواہشات کی طرف ذرا سا بھی مائل ہو جاتے اور ان کی پیش کردہ باتوں کو قبول کر لیتے، تو (معاذ اللہ) آپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں دوگنا عذاب دیا جاتا، اور پھر اللہ کے مقابلے میں کوئی بھی آپ کا مددگار نہ ہوتا جو اس عذاب کو ٹال سکتا۔

اس آیت کا اصل مقصد نبی کریم ﷺ کو تنبیہ کرنا نہیں، بلکہ امت کو یہ سمجھانا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت (نرمی یا سمجھوتہ) بالکل جائز نہیں، جب نبی معصوم ﷺ کے بارے میں یہ سخت انداز اختیار کیا گیا، تو عام انسانوں کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ یہ حکم اور بھی زیادہ مؤکد ہے۔

ان آیات میں یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ ہدایت کا مدار بصیرتِ قلب پر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی حفاظت فرماتا ہے، جبکہ اہلِ باطل کی تدبیریں بالآخر ناکام ہو کر رہتی ہیں۔

دشمنانِ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دستورِ خداوندی

سوال جب لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی بستیوں سے نکال دیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے بارے میں دستور کیا ہوا کرتا تھا؟ آیت کی روشنی میں بتائیے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا {٧٦} سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا {٧٧} الإسراء

جواب ترجمہ: اور قریب تھا کہ یہ اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھاڑ دیتے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیتے اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ لوگ آپ کے بعد بہت کم ٹھہر پاتے۔ یہ ہمارا وہ طریق کار ہے جو ہم نے اپنے ان پیغمبروں کے ساتھ اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا: یہاں فرمایا گیا کہ کفار اپنی عداوت میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ وہ آپ کو مکہ سے نکال دینے کے قریب پہنچ گئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت تک اس سے روک دیا جب تک اس کی طرف سے ہجرت کا حکم نہ آ گیا اور اگر وہ آپ کو نکال دیتے تو خود بھی زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے۔

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کے لیے بنائے جانے والے دستور کا ذکر فرمایا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ مخالفین انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہی ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اس کے وطن سے نکالتی ہے، یا نکلنے پر مجبور کرتی ہے، تو وہ قوم بھی وہاں باقی رکھی نہیں جا سکتی، اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور ہمارے اس قاعدے میں تغیر و تبدل نہیں پائیں گے۔ (معارف الفرقان)

نماز پنجگانہ اور نماز تہجد کا ذکر

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ

مَشْهُوْدًا {۷۸} وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا {۷۹} الإسراء

جواب ترجمہ: آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات اندھیرا ہونے تک نمازیں قائم کیجیے اور فجر کی نماز بھی، بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے زائد چیز ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

ان دو آیتوں میں پہلی نماز کے اوقات اور دوسری تہجد کے بارے میں ہے۔ دُلُوك کا معنی اگر زوال ہے تو پھر آیت میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے کیونکہ زوال سے رات کے اندھیرے تک چار نمازیں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد صبح کی نماز ہے اور اگر دُلُوك کا معنی غروب ہے تو پھر ظہر و عصر شامل نہیں ہیں۔ اور بیضاوی میں ہے کہ اَلصَّلٰوة سے مراد یہاں نماز مغرب ہے اور لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ سے مراد اس وقت کی ابتدا اور انتہا کا بیان ہے اور اسی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لے کر غروب شفق تک ہے۔

اہل اصول لکھتے ہیں کہ لام سبب کے لیے ہے یعنی وجوب نماز کا سبب وقت ہے، انہوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ تمام وقت سبب ہے یا اس کا کچھ حصہ سبب ہے چونکہ یہ بحث بہت طویل ہے اس لیے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

قُرآن الفَجر کا عطف اَلصَّلٰوة پر ہے اور اس سے مراد صبح کی نماز ہے، نماز کی تعبیر قرأت سے کی گئی ہے جیسا کہ کبھی نماز کی تعبیر رکوع و سجود سے ہوتی ہے، اس تعبیر کی یا تو وجہ یہ ہے کہ قرأت نماز کا رکن ہے اور اس صورت میں یہ آیت اس شخص کے خلاف حجت ہے جو قرأت کو نماز کا رکن نہیں کہتا اور یا اس لیے کہ فجر کی نماز میں قرأت لمبی ہوتی ہے اور اسی بنا پر فجر کی نماز میں قرأت دیگر نمازوں کی نسبت طویل ہوتی ہے۔

قاضی بیضاوی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نماز کی تعبیر قرأت سے استحباباً ہو

وجوباً نہ ہو، ہاں اگر قرآن کا معنی قرأت ہے تو پھر فجر کی نماز میں قرأت کا ثبوت نص کے ذریعہ ہے اور باقی نمازوں میں قیاس کے ذریعہ سے۔

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً: اس نماز میں رات اور دن کے فرشتے ہوتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آتے ہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں نمازی بکثرت ہوتے ہیں، یا یہ کہ اس میں لوگوں کو بکثرت آنا چاہیے، یا یہ کہ اس وقت شواہد قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے، یعنی تاریکی ختم ہوتی ہے روشنی پھیلتی ہے، لوگ سو کر اٹھتے ہیں، زندگی کا از سر نو آغاز ہوتا ہے۔ (تفسیرات احمدیہ، ملاجیون)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو خصوصی طور پر نمازِ تہجد کا حکم دیتے ہوئے اس کے عظیم الشان ثمرات کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے کچھ حصے میں بیدار ہو کر قرآنِ کریم کے ساتھ نماز ادا کیجیے، کیونکہ "تہجد" دراصل اسی عبادت کا نام ہے جو نیند کے بعد اٹھ کر ادا کی جائے۔ مفسرین نے واضح کیا ہے کہ یہاں "بِهِ" سے مراد قرآنِ مجید ہے، یعنی رات کی تنہائی میں قرآن کے ساتھ قیام کیا جائے، جو خشوع و خضوع اور قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

پھر فرمایا: **نَافِلَةً لَّكَ**، یعنی یہ عبادت آپ ﷺ کے لیے ایک خصوصی اضافہ اور امتیاز ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ آپ ﷺ پر فرض تھی، جب کہ امت کے لیے نفل ہے اور بعض نے اسے آپ کے درجات کی بلندی، مزید قرب اور اللہ کی طرف سے ایک خاص عطیہ قرار دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے لیے مغفرت پہلے ہی مقدر ہو چکی تھی، اس لیے یہ عبادت آپ کے مراتب کی رفعت کا سبب بنی۔

عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا: یعنی قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو "مقامِ محمود" پر فائز فرمائے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد "شفاعتِ کبریٰ" کا وہ عظیم منصب ہے جو قیامت کے دن صرف نبی کریم ﷺ کو عطا ہو گا، جہاں تمام اولین و آخرین آپ ﷺ کی حمد کریں گے

اور آپ ﷺ اللہ کے حضور اُمت کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں آپ ﷺ کی شانِ رحمت اور مقامِ قرب اپنی کامل ترین جلوہ گری کے ساتھ ظاہر ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تہجد کی نماز نہ صرف قربِ الٰہی کا اعلیٰ ذریعہ ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے لیے رفعتِ درجات اور مقامِ محمود جیسے عظیم انعام کا پیش خیمہ بھی ہے اور امت کے لیے بھی اس میں یہ پیغام ہے کہ رات کی عبادت انسان کو اللہ کے خاص قرب تک پہنچاتی ہے۔

صدق واخلاص کی دعا، حق کی دائمی فتح کا پیغام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا {۸۰} وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا {۸۱} الاسراء

جواب ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے رب مجھے ایسی جگہ میں داخل کیجیے جو خوبی کی جگہ ہو۔ اور مجھے خوبی کے ساتھ نکالیے اور میرے لیے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرمایئے جس کے ساتھ مدد ہو۔ اور آپ یوں کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا بلاشبہ باطل جانے ہی والا ہے۔

شانِ نزول: جب کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ کو باندھنے اور مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے ارادہ کیا کہ اہل مکہ مکہ میں باقی رہیں اور اس نے اپنے نبی کو ہجرت کر کے مدینے جانے کا حکم دیا اور اپنا یہ فرمان وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ نازل کیا۔

وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مَخْرَجَ صِدْقٍ: یہ دعا اپنے مفہوم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، یعنی اے میرے رب! مجھے ہر کام میں صدق، اخلاص اور خیر کے ساتھ داخل فرما اور ہر مرحلے سے خیر وعافیت کے ساتھ نکال، مدخلِ صدق سے مراد مدینہ منورہ کی وہ مبارک سرزمین ہے جہاں حضور نبی کریم ﷺ کو اطمینان، عزت اور استحکام کے ساتھ داخل ہونا تھا، جبکہ مخرجِ صدق سے مراد مکہ مکرمہ سے وہ باوقار اور محفوظ خروج ہے جس میں دشمن آپ ﷺ کو کسی اذیت یا نقصان

سے دوچار نہ کر سکے، گویا یہ دعا اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ بندہ ہر مرحلے میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت، خیر اور برکت کا طالب رہے، نکلنا بھی اس کی رضا سے ہو اور داخل ہونا بھی اس کی نصرت کے سائے میں۔

مفسرین نے اسے عام حالات پر بھی محمول کیا ہے اور ہجرتِ مدینہ کے خاص پس منظر پر بھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دعا زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہے، آغاز بھی پاکیزہ ہو اور انجام بھی بابرکت، اہلِ معرفت نے اس میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ بندے کا ہر داخلہ اور خروج اللہ ہی کے لیے اور اللہ ہی کے ساتھ ہو۔

وَاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا: یعنی اے اللہ! مجھے ایسی قوت، دلیل اور غلبہ عطا فرما جو میری مددگار ہو، اس "سلطان" سے مراد ظاہری قوت بھی ہو سکتی ہے اور باطنی حجت و برہان بھی، چنانچہ حق کی نصرت کبھی دلیل سے ہوتی ہے اور کبھی غلبۂ طاقت سے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ: یہاں ایک ابدی اصول بیان کیا جارہا ہے یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے، اس میں یہ حقیقت آشکار کی گئی کہ باطل کی کوئی مستقل حیثیت نہیں، وہ عارضی اور ناپائیدار ہے، جبکہ حق ہمیشہ غالب اور قائم رہنے والا ہے۔

ارباب تفسیر آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ فاتحانہ عظمت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک ٹہنی تھی، جس کے اشارے سے آپ ﷺ ان بتوں کو گراتے جاتے اور زبان نبوت سے یہ اعلان فرماتے جاتے **جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** حق آپہنچا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔

اسی کے ساتھ آپ ﷺ سورۃ سبا کی اس آیت کو بھی تلاوت فرماتے **جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ**، یعنی جب حق جلوہ گر ہو جائے تو باطل نہ کسی چیز کو ابتدا دے سکتا ہے اور نہ دوبارہ لوٹا سکتا ہے، یہ منظر محض بتوں کے ٹوٹنے کا نہ تھا، بلکہ یہ اعلان تھا کہ باطل کی بنیاد کھوکھلی ہے، وہ وقتی طور پر خواہ کتنا ہی مستحکم دکھائی دے، انجام کار اسے مٹ جانا ہے اور جب حق اپنی پوری قوت کے

ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو باطل کے سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔

یوں رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف زبان سے حق کی آمد اور باطل کے زوال کا اعلان فرمایا بلکہ عملاً بھی اس کو ثابت کر دیا، بیت اللہ، جو کبھی بتوں سے گھرا ہوا تھا، پھر سے توحید کا مرکز بن گیا، یہ واقعہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ حق کو غلبہ حاصل ہو کر رہتا ہے اور باطل اپنی سرشت کے اعتبار سے فنا کے سوا کچھ نہیں رکھتا۔

قرآن کریم اہل ایمان کے لیے شفاء اور رحمت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا {۸۲} الاسراء

جواب ترجمہ: اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنین کے لیے اور وہ ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ: یہاں قرآن کریم کی عجب شان بیان کی گئی ہے یعنی ہم قرآن میں وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو اہلِ ایمان کے لیے شفا اور رحمت ہے، یہ شفا ظاہری امراض سے بڑھ کر دلوں کی بیماریوں، شک، نفاق، گمراہی، کا علاج ہے اور رحمت اس اعتبار سے کہ یہ انسان کو ہدایت، سکون اور اللہ کے قرب کی راہ دکھاتا ہے، البتہ جو لوگ اس سے روگردانی کرتے ہیں، ان کے لیے یہی قرآن خسارے کا سبب بن جاتا ہے، کیونکہ وہ حق کو ٹھکرا کر اپنی محرومی میں اضافہ کرتے ہیں۔

ارباب تفسیر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "جس طرح حق کے ظاہر ہوتے ہی باطل مٹ جاتا ہے، اسی طرح قرآنِ مجید کی آیات، جو بتدریج نازل ہوتی رہیں، دلوں اور روحوں کے امراض کا علاج کرتی ہیں، اس کی نورانی تاثیر سے عقائد کی گمراہیاں دور ہوتی ہیں، اخلاق کی برائیاں زائل ہوتی ہیں اور

شکوک و شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، یوں انسان باطنی صحت، قلبی اطمینان اور روحانی پاکیزگی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، بلکہ اہلِ علم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآن کی برکت سے بعض اوقات جسمانی بیماریوں میں بھی افاقہ ہوتا ہے، جیسا کہ متعدد کتب میں اس کے تجربات اور حکمتیں ذکر کی گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک ایسا نسخۂ شفا ہے جو ہر قسم کے روحانی اور قلبی امراض کے لیے کامل علاج رکھتا ہے، پس جو لوگ ایمان کے ساتھ اس سے تعلق قائم کرتے ہیں اور اس کی ہدایات کو اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں، البتہ جو شخص خود ہی اپنے آپ کو اس شفا سے محروم کرلے اور ضد و عناد کے باعث اس الٰہی علاج سے منہ موڑ لے، تو اس کا حال اس مریض کی مانند ہے جو طبیب اور دوا دونوں سے دشمنی اختیار کرلے، ظاہر ہے کہ جتنا وہ علاج سے دور بھاگے گا، اتنا ہی اس کا مرض بڑھتا جائے گا، یہاں تک کہ وہ ہلاکت تک جا پہنچے گا۔

لہٰذا ایسے لوگوں کا نقصان قرآن کی طرف سے نہیں، بلکہ ان کے اپنے ظلم اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کے دلوں میں بیماری ہوتی ہے، قرآن ان کی ناپاکی میں اور اضافہ کر دیتا ہے، اور وہ اسی حال میں مر جاتے ہیں، یوں یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قرآن ایک ہی وقت میں شفا بھی ہے اور حجت بھی، مومن کے لیے رحمت اور منکر کے لیے خسارے کا سبب۔

انسان کی فطری کمزوری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا {۸۳} قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا {۸۴} الاسراء

جواب ترجمہ: اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ اعراض کرلیتا ہے اور رخ بدل کر دور ہو جاتا

ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچ جائے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام میں لگا ہوا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ: یہاں انسان کی فطری کمزوری بیان کی گئی ہے یعنی جب ہم انسان پر نعمت کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور تکبر اختیار کرتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو مایوسی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس میں انسان کی ناشکری اور کم ہمتی کی تصویر کھینچی گئی ہے، تا کہ وہ اس کمزوری کو پہچان کر اصلاح کرے۔

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ: یہاں انسان کے شخصی مزاج کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ہر شخص اپنے مزاج، نیت اور باطنی کیفیت کے مطابق عمل کرتا ہے اور تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے پر ہے، گویا اعمال کا دارومدار دل کے رجحان اور فکر کے زاویے پر ہے اور اصل معیار اللہ کے علم میں ہے۔

ارباب تفسیر نے اپنے علمی ذوق کے مطابق اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اعلان فرما دیں: ہر شخص اپنی "شاکلہ" کے مطابق عمل کرتا ہے، اس "شاکلہ" کی حقیقت کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد انسان کی راہ، سمت اور طریقہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنی ہی روش پر گامزن ہوتا ہے، لغوی اعتبار سے بھی "شاکلہ" راستے، انداز اور طرزِ عمل کو کہا جاتا ہے، یعنی ہر انسان اپنی مخصوص ڈگر پر چل رہا ہے، جو اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد انسان کی نیت ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ اور معاویہ بن قرہ رحمہ اللہ کے نزدیک اعمال کا دارومدار اس باطنی ارادے پر ہے جو انسان کے دل میں پوشیدہ ہوتا ہے، پس ہر عمل دراصل نیت ہی کا مظہر ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ "شاکلہ" سے مراد انسان کا دین اور عقیدہ ہے، جیسا کہ ابن زید رحمہ اللہ نے بیان کیا، یعنی ہر شخص اپنے عقیدے اور ایمانی یا غیر ایمانی بنیادوں کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال اس کے باطن، مزاج، اخلاق اور عقیدے کا پرتو ہوتے ہیں، ہر شخص وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی فطرت اور کردار سے مناسبت رکھتا ہے، چنانچہ کافر کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ نعمت ملے تو غفلت و سرکشی اختیار کرتا ہے اور مصیبت آئے تو مایوسی میں ڈوب جاتا ہے، اس کے برعکس مومن کا حال یہ ہے کہ راحت میں شکر ادا کرتا ہے اور آزمائش میں صبر و استقامت کا پیکر بن جاتا ہے، آخر کار اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال اور اس کی روش کے مطابق جزا دے گا، یوں یہ آیت انسان کو اپنے باطن کی اصلاح کی دعوت دیتی ہے، کیونکہ ظاہر کے اعمال درحقیقت اسی باطن کا عکس ہوتے ہیں۔

روح کیا ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا {۸۴} الاسراء

جواب ترجمہ: اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ: یہ آیت ایک نہایت اہم اور دقیق مسئلہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جس میں انسانی عقل کی حدود اور علمِ الٰہی کی وسعت کو نمایاں کیا گیا ہے، احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کے بارے میں سوال ابتداءً یہودیوں کی طرف سے اٹھایا گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیتوں کے درمیان سے گزر رہے تھے کہ کچھ یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً جواب نہ دیا، یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش نے یہودیوں کے مشورے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سوال کبھی مدینہ میں یہودیوں کی جانب سے اور کبھی مکہ میں قریش کے ذریعے پیش کیا گیا اور مقصد یہ تھا کہ روح کی حقیقت معلوم کی جائے کہ وہ کیا شے ہے جس سے انسانی زندگی قائم ہے اور جس کے جدا ہوتے ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔

مفسرین نے اس سوال کی نوعیت پر بھی گفتگو کی ہے، علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک سوال اس روح کے بارے میں تھا جس سے جسم میں حیات قائم ہوتی ہے، جبکہ بعض اہلِ نظر کے نزدیک سوال روح کی حقیقت، اس کی کیفیت اور جسمِ انسانی کے ساتھ اس کے اتصال کے بارے میں تھا اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا مکمل علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ (قرطبی)

قرآن و حدیث میں روح کے متعلق کئی امور بیان ہوئے ہیں: عالمِ ارواح میں روحوں کا اجتماع اور تعارف جیسا کہ بخاری میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پیکر میں روح کا پھونکا جانا فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ماں کے پیٹ میں ہر انسان میں روح کا داخل ہونا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے، پھر اسی روح کے ذریعے زندگی کا برقرار رہنا، موت کے وقت اس کا قبض کیا جانا، فرشتوں کا اسے لے جانا، قبر میں اس کا لوٹایا جانا اور سوال و جواب ہونا اور برزخ میں دیگر ارواح سے اس کا ملنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح) یہ سب امور اہلِ ایمان کے نزدیک مسلّم ہیں۔

تاہم جب روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مکمل حقیقت بیان کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ :قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي یعنی روح میرے رب کے حکم میں سے ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ روح ایک مخلوق ہے، مگر اس کی اصل حقیقت انسانی فہم سے ماورا ہے، یوں ان فلاسفہ کے قول کی تردید ہو گئی جو روح کو قدیم قرار دیتے ہیں۔

وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا: تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے، یہ خطاب تمام انسانوں کو شامل ہے، حضرت ابن جریج رحمہ اللہ کے مطابق اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری انسانیت داخل ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوق سے بڑھ کر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہ بھی قلیل ہی ہے۔ (تفسیر در منثور للسیوطی)

جب یہودیوں نے یہ سنا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو تورات میں بہت علم دیا گیا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں بہت کم ہے، اس پر مزید وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان کی آیت نازل فرمائی :وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ جس میں اللہ کے علم کی لامحدود وسعت کو بیان کیا گیا۔

آخر کار، مفسرین نے اس بحث کا نچوڑ یہ بیان کیا ہے کہ روح کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دینا ہی سب سے راجح اور محتاط مسلک ہے، چنانچہ علامہ بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ اس کے علم کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے اور اہلِ سنت کا یہی موقف ہے، یوں یہ آیت انسان کو اپنی علمی محدودیت کا احساس دلاتی ہے اور یہ سبق دیتی ہے کہ بعض حقائق ایسے ہیں جن تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں، بلکہ ان میں تسلیم و رضا ہی اصل علم اور حقیقی حکمت ہے۔

اعجاز قرآن، عجز انسان، منکرین کا بیان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا {۸۶} اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا {۸۷} قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا {۸۸} وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا {۸۹} وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا {۹۰} اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا {۹۱} اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا {۹۲} اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا {۹۳} الاسراء

جواب ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے اسے سلب کرلیں پھر آپ ہمارے مقابلے میں اپنے لیے اس بارے میں کوئی حمایتی نہ پائیں۔ مگر یہ کہ رب کی طرف سے رحمت ہو جائے۔ بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرمادیجیے کہ اگر تمام انسان اور جن سب اس کے لیے جمع ہوجائیں کہ اس قرآن جیسا بنا کر لائیں تو اس جیسا نہیں لاسکیں گے۔ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ اور البتہ ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کے اچھے مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ پھر اکثر لوگوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی کیا۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں۔ یا خاص کر آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کردیں۔ یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی صورت میں گرادیں جیسا کہ آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں۔ یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کردیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرمادیجیے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن، جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، محض آپ کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کی عطا ہے، اگر وہ چاہے تو ایک لمحے میں اسے سینوں اور صحیفوں سے محو کردے اور پھر کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو اسے واپس لاسکے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا: اس میں بندوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں، کیونکہ اس کا باقی رہنا بھی محض فضلِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ پہلے اپنی قدرت کاملہ مطلقہ کا ذکر فرمایا کہ میں جو چاہوں کرسکتا ہوں، حتیٰ کہ آپ سے نعمت وحی بھی اگر سلب کرلوں تو کوئی دم نہیں مارسکتا، بیانِ قدرت کے مبالغہ کے بعد اپنی رحمت بے پایاں کا ذکر فرمادیا، جس سے اس نے

اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سرفراز فرمایا، آیت کے اس جملہ میں تو اپنے جود و کرم اور فضل و عطا کی انتہا کر دی کہ اے محبوب ہم نے جو عنایات خصوصی آپ ﷺ پر فرمائی ہیں وہ قلیل اور محدود نہیں بلکہ وہ بہت زیادہ ہیں، آپ خود سوچیے کہ جس فضل و کرم کو اللہ تعالیٰ اپنی زبان قدرت سے "کبیر" فرما رہا ہے، اس کے حدود کا تعین کرنا عقل انسانی کے امکان سے خارج ہے، حضور ﷺ کا سید ولد آدم ہونا، مقام محمود پر فائز ہونا، لواء رحمۃ للعالمینی کا مرحمت فرمایا جانا ختم نبوت کا تاج سر پر رکھا جانا یہ اس "فضل کبیر" کے چند جلوے ہیں، اسی سے شان مصطفوی کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ: پھر قرآن کی بے مثال عظمت کو چیلنج کے انداز میں پیش کیا گیا کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو جائیں اور پوری قوت صرف کر دیں کہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب لے آئیں، اس کے فصیح بیان، حسین نظم اور پر اثر اسلوب کی مثل پیدا کر دیں، تو ہر گز اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں، یہ اعلان درحقیقت قرآن کے معجزۂ جاوید ہونے کی واضح دلیل ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: مزید فرمایا کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی نصیحت، عبرت، احکام اور واقعات کو مختلف انداز میں بار بار بیان کیا، تاکہ وہ راہِ ہدایت اختیار کریں، مگر اکثر لوگوں نے اس کے باوجود انکار ہی کو اختیار کیا اور کفر و جحود سے باز نہ آئے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا: جب وہ قرآن کے مقابلے میں عاجز آگئے اور اس کی مثل لانے سے قاصر رہے، تو انہوں نے ایمان لانے کے بجائے نت نئے مطالبات پیش کرنے شروع کر دیے، ایسے مطالبات جو دراصل ہدایت کی طلب نہیں بلکہ محض ضد اور تعنت کا اظہار تھے، انہوں نے کہا: ہم ہر گز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے مکہ کی زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا: یا آپ کے پاس گھنے درختوں والا کوئی باغ نہ ہو، خواہ وہ باغ کھجور کا ہو انگور کا ہو جس میں نہریں بہتی ہوں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا: پھر انہوں نے اپنی جسارت کو اور بڑھایا اور کہا: یا تو آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں جیسا کہ آپ نے عذاب کا ذکر کیا ہے، یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں تا کہ وہ آپ کی تصدیق کریں۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ: مزید یہ کہ آپ کے پاس سونے کا کوئی شاندار محل ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور اگر آپ چڑھ بھی جائیں تو ہم اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک آپ ہمارے لیے اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی کتاب نہ لے آئیں جسے ہم خود پڑھ سکیں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا: ان بے بنیاد اور ہٹ دھرمی پر مبنی مطالبات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرمایا کہ آپ صاف کہہ دیں، میرا رب ہر عیب سے پاک ہے، میں تو محض ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، میرے اختیار میں یہ نہیں کہ تمہارے من مانے معجزات پیش کرتا پھروں، میرا منصب صرف پیغام پہنچانا ہے اور ہدایت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یوں ان آیات میں ایک طرف قرآن کی عظمت و صداقت کو نمایاں کیا گیا، اور دوسری طرف منکرین کی ضد، ہٹ دھرمی اور حقیقت سے فرار کو بے نقاب کیا گیا، تا کہ حق کے متلاشی اور باطل کے پیروکار کے درمیان واضح فرق قائم ہو جائے۔

انکار رسالت و بعث بعد الموت کا رد

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا {۹۴} قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا {۹۵} قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا {۹۶} وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا {۹۷} ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا {۹۸} اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا {۹۹} قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا {۱۰۰} الاسراء

جواب ترجمہ: اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو صرف یہی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے۔ آپ فرما دیجیے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضروری بات ہوتی کہ ہم ان پر فرشتہ کو رسول بنا کر اتار دیتے۔ آپ فرما دیجیے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے۔ اور اللہ جسے ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے، اور وہ جسے گمراہ کرے سو آپ اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن چہروں کے بل اس حال میں چلائیں گے کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی بجھنے لگے گی ہم ان کے لیے اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ ان کی سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور یوں کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لیے ایک اجل مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں، سو ظالموں نے بس انکار ہی کیا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس صورت میں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے اور انسان خرچ کرنے میں بڑا تنگ دل ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا:
یہاں سب سے پہلے اس بنیادی سبب کو واضح کیا گیا ہے جس نے کفار کو ایمان لانے سے روکے رکھا اور وہ تھا ان کا یہ تعجب اور انکار کہ رسول ایک بشر کیوں ہے؟ وہ کہتے تھے: کیا اللہ نے ہماری ہدایت کے لیے ایک انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ گویا ان کے نزدیک نبوت کا شرف انسان کے لیے نہیں بلکہ کسی مافوق الفطرت مخلوق کے لیے ہونا چاہیے تھا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا: اس اعتراض کا نہایت حکیمانہ جواب دیا گیا کہ اگر زمین پر بسنے والے انسان نہ ہوتے بلکہ فرشتے سکون و اطمینان کے ساتھ آباد ہوتے، تو یقیناً انہی میں سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا، کیونکہ ہدایت کا اصول یہ ہے کہ رسول اپنی قوم کی جنس سے ہو تاکہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکے اور اس سے مانوس ہو، پس انسانوں کی طرف انسان ہی کا رسول بھیجنا عین حکمت ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا: یہاں فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے کہ میں اس کا سچا رسول ہوں اور میں نے اس کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، وہ اپنے بندوں کے تمام احوال سے باخبر ہے، ان کے ظاہر و باطن کا کوئی گوشہ اس سے مخفی نہیں۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ: یہاں ہدایت اور گمراہی کا ایک اصول بیان کیا گیا کہ جسے اللہ ہدایت دے وہی حقیقت میں ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے، اس کے لیے کوئی مددگار نہیں جو اسے راہِ راست پر لا سکے، ایسے لوگ قیامت کے دن نہایت ذلت کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، نہ دیکھ سکیں گے، نہ بول سکیں گے، نہ سن سکیں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا اور جب اس کی آگ کچھ مدھم پڑے گی تو اسے اور بھڑکا دیا جائے گا۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا: یہ دردناک انجام دراصل ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہو گا،

کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور بعث بعد الموت کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے کہا کہ جب ہم ہڈیاں بن جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ: ان کے اس شبہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کیا وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم مخلوق کو پیدا کیا، وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً جو بڑی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہو، اس کے لیے چھوٹی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا: مزید یہ کہ اللہ نے ہر ایک کے لیے دنیا میں ایک مقررہ وقت رکھا ہے اور دوبارہ اٹھائے جانے کا بھی ایک معین وقت ہے جس میں کوئی شک نہیں، لیکن اس قدر واضح دلائل کے باوجود ظالم لوگ انکار ہی پر جمے رہتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ: آخر میں انسانی فطرت کے ایک کمزور پہلو کو بیان کیا گیا کہ اگر یہ لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانے کے مالک بھی ہوتے تو بھی خرچ کرنے سے رک جاتے، اس خوف سے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں، انسان کی طبیعت میں بخل غالب ہے، مگر مومن اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ اللہ کے وعدۂ ثواب پر یقین رکھتے ہوئے فیاضی اختیار کرتا ہے۔

یوں ان آیات میں ایک طرف منکرین کے شبہات کا مدلل رد پیش کیا گیا ہے اور دوسری طرف انسان کو اس کے انجام، اس کی فطرت اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کا آئینہ دکھایا گیا ہے، تاکہ وہ ہدایت کی راہ اختیار کرے اور انکار و عناد کی تاریکیوں سے نکل آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ آیت میں بیان کی گئیں وہ نشانیاں کون سی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں؟

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا {۱۰۱} الإسراء.

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی کھلی نشانیاں دی تھیں۔ آپ بنو اسرائیل سے پوچھ لیں کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ: اے موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

آیت کا لفظ معجزے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور احکام الٰہیہ کے معنی میں بھی اس جگہ دونوں معنوں کا احتمال ہے، اس لئے حضرات مفسرین کرام نے اس مقام پر آیات سے مراد معجزات لئے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے نو معجزات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ انہیں صرف نو ہی معجزات دیے گئے تھے مگر اس مقام پر نو معجزات کا ذکر کسی خاص اہمیت کی بناء پر کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نو معجزات اس طرح شمار فرمائے ہیں۔

① عصاء موسیٰ علیہ السلام جو اژدھا بن جاتا تھا۔

② ید بیضاء جس کو گریبان میں ڈال کر نکالنے سے چمکنے لگتا تھا۔

③ زبان میں لکنت تھی وہ دور کر دی گئی۔

④ بنی اسرائیل کے دریا عبور کرنے کیلئے راستہ بنا دیا۔

⑤ ٹڈی دل کا عذاب غیر معمولی صورت میں بھیج دیا گیا۔

⑥ طوفان بھیج دیا گیا۔

⑦ بدن کے کپڑوں میں جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔

⑧ مینڈکوں کا عذاب مسلط کر دیا گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں مینڈک آجاتے تھے۔

⑨ خون کا عذاب بھیجا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون مل جاتا تھا۔

مفسر قرآن حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان نو معجزات کے علاوہ اس معجزہ کا بھی ذکر فرمایا ہے جس میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر ڈنڈا مارا تو اس کے اندر سے چشمے پھوٹ پڑے تھے، ان کی قوم پر اللہ نے بادلوں کا سایہ کیا تھا، اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کے لیے من وسلویٰ اتارا

تھا، یہ بھی ان کے معجزات تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صفوان بن عسال نے کہا کہ ایک یہودی نے اپنے ایک دوست کو کہا۔ چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس کے دوست نے کہا کہ تم اپنی زبان سے اسے نبی نہ کہو۔ اگر اس نے یہ بات سن لی تو بڑا خوش ہو گا۔ پس وہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نو آیات بینات کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا (وہ نو آیتیں یہ ہیں:۔ ① اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ② چوری نہ کرو۔ ③ زنا نہ کرو۔ ④ کسی کو بے گناہ قتل نہ کرو۔ ⑤ کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کرے۔ ⑥ جادو نہ کرو۔ ⑦ سود نہ کھاؤ۔ ⑧ کسی پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ ⑨ میدان جنگ کے دن بھاگو نہیں اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص حکم یہ ہے کہ تم ہفتہ کے دن نافرمانی سے باز رہو۔

صفوان کہتے ہیں کہ حضور (ﷺ) کا یہ جامع جواب سن کر انہوں نے حضور (ﷺ) کے دونوں مبارک ہاتھوں کو چوما اور دونوں مقدس پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ (ضیاء القرآن)

صداقت موسیٰ علیہ السلام ہلاکت فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا {۱۰۲} فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا {۱۰۳} وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا {۱۰۴} الاسراء

جواب ترجمہ: موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تو ضرور جانتا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے نازل فرمائی ہیں جو بصیرت کا ذریعہ ہیں اور اے فرعون میں تیرے بارے میں یہ خیال

کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو جانے والا ہے۔ پھر اس نے چاہا کہ انہیں زمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین میں رہو سہو اور پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تمہیں جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تکبر اور انکار کے جواب میں نہایت جرأت و وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ اے فرعون! تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات کسی انسان کے بس کی بات نہیں، بلکہ انہیں آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور اپنے رسول کی صداقت کے ثبوت کے طور پر نازل فرمایا ہے، مگر اس کے باوجود تو نے عناد اور ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کیا اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تیرا انجام ہلاکت اور خسارہ ہی ہے۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا: چنانچہ فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو مصر سے نکال دے، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے لشکر کو دریا میں غرق کر کے نیست و نابود کر دیا۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ: اس کے بعد بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ تم سرزمینِ شام میں سکونت اختیار کرو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے حساب کے لیے حاضر کریں گے۔

عظمتِ قرآن، دعوتِ ایمان، ایقانِ اہل ایمان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا {۱۰۵} وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا {۱۰۶} قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا {۱۰۷} وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

رَبِّنَآ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا {۱۰۸} وَيَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ يَبۡكُوۡنَ وَيَزِيۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا {۱۰۹} الاسراء

جواب ترجمہ: اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا، اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا، اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور ہم نے قرآن میں جابجا فصل رکھا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ان کے سامنے رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ضرور ہی پورا ہونے والا ہے۔ اور وہ رونے کی حالت میں ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھا دیتا ہے۔

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ: اس آیت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں یہاں قرآنِ کریم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا، اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف کی آمیزش نہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا: آیت کے اس دوسرے حصے میں نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کا ذکر فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کو اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ آپ اہلِ ایمان کو جنت کی بشارت دیں اور کافروں و نافرمانوں کو عذابِ جہنم سے ڈرائیں۔

وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا: یہاں پھر قرآن کریم کا ذکر فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے کھول کھول کر بیان کیا اور واضح انداز میں نازل کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر، غور و فکر کے ساتھ پڑھ کر سنائیں، نیز اسے یکبارگی نازل کرنے کی بجائے تدریج کے ساتھ مختلف حالات و واقعات کے مطابق نازل کیا گیا، تاکہ اس کی تعلیمات دلوں میں راسخ ہو جائیں اور فہم و تدبر میں آسانی پیدا ہو۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا: یہاں اہلِ حق کی کیفیت بیان کی گئی کہ آپ اعلان کر دیں: تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، اس سے قرآن کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن وہ لوگ جنہیں پہلے آسمانی کتابوں کا علم دیا گیا ہے، جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ فوراً سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا: یہ لوگ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، یقیناً اس نے جو کچھ وعدہ فرمایا تھا وہ حق ہو کر رہے گا۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا: یہ اہلِ ایمان سجدہ ریز ہو کر روتے ہیں، ان کے دل خشیتِ الٰہی سے لبریز ہو جاتے ہیں اور قرآن کی تلاوت سن کر ان کی عاجزی، انکساری اور اللہ کا خوف مزید بڑھ جاتا ہے۔

یوں ان آیات میں ایک طرف سرکشوں کے انجام اور حق کے غلبے کو بیان کیا گیا اور دوسری طرف قرآنِ مجید کی حقانیت، اس کی تدریجی حکمت اور اہلِ ایمان پر اس کے روح پرور اثرات کو نہایت دلنشیں انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

مشرکین کی سازشوں کا قلع قمع

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا {۱۱۰} وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا {۱۱۱} الإسراء

جواب ترجمہ: فرما دیجیے کہ: چاہے تم اللہ کو پکارو، یا رحمٰن کو پکارو، جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے (ایک ہی بات ہے) کیونکہ تمام بہترین نام اسی کے ہیں۔ اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔ اور آپ یوں

کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے لیے ملک میں کوئی شریک ہے، اور نہ ایسی بات ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہو، اور خوب اچھی طرح سے اس کی بڑائی بیان کیجیے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ: حضرت نبی کریم ﷺ یارحمٰن فرمایا کرتے تھے، مخالفین کہتے تھے کہ دیکھو ہمیں دو معبودوں کی پوجا سے منع کرتا ہے جب کہ خود اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو بھی پکارتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے میرے حبیب! انہیں فرمادیں کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو یعنی ان دونوں ناموں میں سے کسی بھی نام سے پکارو، ایک سے پکارو یا دونوں ناموں سے پکارو تو ہر لحاظ سے اچھا ہے، دونوں ناموں سے اسے یاد کرو تو مراد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام ہیں، ازروئے حدیث شریف اس کے ناموں میں اللہ ہے، الرحمٰن ہے، الرحیم ہے، الملک ہے، القدوس ہے، السلام ہے، المومن ہے، المہیمن ہے، الغفار ہے، القہار ہے، الجبار ہے، المتکبر ہے، المتعال ہے، العلی ہے، الکریم ہے، الوھاب ہے، الفتاح ہے، الرزاق ہے، العلیم ہے، القابض ہے، الباسط ہے، الخافض ہے، المعز ہے، المذل ہے، السمیع ہے، البصیر ہے، الحکم ہے، العدل ہے، اللطیف ہے، الخبیر ہے، الحلیم ہے، العظیم ہے، الغفور ہے، الشکور ہے، الکبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحفیظ ہے، المقیت ہے، الحسیب ہے، الجلیل ہے، الرقیب ہے، المجیب ہے، الواسع ہے، الشکور ہے، الحکیم ہے، الودود ہے، المجید ہے، الباعث ہے، الشہید ہے، الحق ہے، الوکیل ہے، القوی ہے، المتین ہے، الولی ہے، الحمید ہے، المحصی ہے، المبدی ہے، المعید ہے، المحی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الممیت ہے، الحی ہے، القیوم ہے، الواجد ہے، الماجد ہے، الواحد ہے، الاحد ہے، الصمد ہے، القادر ہے، المقتدر ہے، المقدم ہے، المؤخر ہے، الاول ہے، الآخر ہے، الظاہر ہے، الباطن ہے، الوالی ہے، البر ہے، التواب ہے، المنتقم ہے، العفو ہے، الرؤف ہے، مالک الملک ہے، ذوالجلال ہے، ذوالاکرام ہے، المقسط ہے، الجامع ہے، الغنی ہے، المغنی ہے، المانع ہے، الضار ہے، النافع

ہے، النور ہے، الھادی ہے، البدیع ہے، الباقی ہے، الوارث ہے، الرشید ہے، الصبور ہے، (ترمذی)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اور اپنی نماز نہ تو بہت پکار کر پڑھو اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھو اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کرو۔ یعنی نماز میں قرأت اتنی اونچی آواز سے نہ کرو کہ (دور رہنے والے) مشرک بھی اس کو سن لیں اور نہ اتنی ہلکی آواز سے پڑھو کہ پیچھے (صف اوّل) کے مسلمان (شرکاء نماز) بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو، متوسط درجہ ہر چیز کا بہتر ہوتا ہے (افراط و تفریط دونوں رخ قبیح ہیں) (تفسیر مظہری)

اَلصَّلٰوۃ: سے مراد رات کی نماز ہے، فرض ہو (مغرب، عشاء) یا نفل (تہجد وغیرہ) کیونکہ دن کی نمازیں تو باجماع امت سری ہیں (ظہر و عصر میں قرأت جہری نہیں) جمہور امت اسلامیہ تمام کی تمام دن کی نمازوں میں قرأت سرّی کرتی چلی آئی ہے۔

یا متوسط راہ اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دن (کی نمازوں) میں اور جہاں مشرک سن سکتے ہوں وہاں سرّی قرأت اختیار کرو اور رات کی نماز میں متوسط جہراً قرأت کرو۔ (مظہری)

بغوی نے بطریق بخاری ابو بشیر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تھے تو قرأت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا ان سب کو برا کہتے تھے اس پر اللہ نے نازل فرمایا ولا تجهر بصلاتك یعنی قرأت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں ولا تخافت بها اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ ساتھی بھی نہ سن پائیں وابتغ بين ذٰلك سبيلاً اور درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سن لیں اور مشرکوں تک قرأت کی آواز نہ پہنچے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صَلٰوۃ سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور

مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن اوّل روایت کو قوی الاسناد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اوّل روایت راجح ہے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا کے متعلق (غالباً) اس آیت کا نزول ہوا۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کے پاس جب نماز پڑھتے تو دعا اونچی آواز سے کرتے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ تفسیر مظہری کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے تطبیق کی یہ کوشش پسند نہیں کیونکہ نماز کے اندر پڑھنے کی جو دعائیں اب تک منقول چلی آئی ہیں (جو قعدہ میں پڑھی جاتی ہیں اور نوافل میں بحالت قیام و سجود بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے) وہ سب باتفاق روایت سرّی ہی پڑھی جاتی رہی ہیں صرف دعاء قنوت میں اختلاف ہے (کہ اس کو جہراً پڑھا جائے یا سراً) اس کے علاوہ آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کا حکم عام ہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہر دعا کو چپکے چپکے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے (اگر روایات میں مطابقت پیدا کرنی ہی ہے تو) مناسب ترین یہ توجیہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایات میں دعا سے مراد سورۃ فاتحہ ہے کیونکہ اس کے اندر آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دعا ہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت مذکورہ کے سبب نزول کے متعلق دو روایتیں اور بھی آئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ روایات صحیح اور اجماعی روایات کے خلاف ہیں، اس لئے قابل قبول نہیں۔ ابن جریر اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ لَا تُخَافِتْ وَلَا تَجْهَرْ، بغوی نے حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلۂ بنی تمیم کے اعرابی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلام کے جواب میں بلند آواز سے کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَالًا

وَّوَلَدًا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایات قابل قبول نہیں۔

بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبد اللہ بن رباح انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم پست آواز سے قرأت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گزرا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو سنا رہا تھا ، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں تمہاری طرف سے گزرا تھا تو تم (قرآن پڑھنے میں) آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں (اپنی قرأت سے) سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ: توحید خالص کا نہایت جامع اور بلیغ اعلان ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی کامل حمد، اس کی یکتائی اور اس کی بے نیازی کو واضح کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اعلان فرمادیں کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہر قسم کی حمد و ثنا کا حقیقی مستحق ہے، وہ ایسی ذات ہے جو اولاد رکھنے سے پاک ہے، کیونکہ اولاد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو فنا کے خوف یا بقا کی حاجت رکھتا ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی ہے، ہر نقص سے منزہ ہے۔

اسی طرح اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی قدرت و ملکیت کے تحت ہے، اور کوئی ہستی اس کے اقتدار میں حصہ دار نہیں، نہ ہی اسے کسی مددگار یا پشت پناہ کی حاجت ہے، کیونکہ مدد اسی کو درکار ہوتی ہے جو کمزور یا مغلوب ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوری اور ذلت سے پاک، کامل قدرت کا مالک ہے۔

پس حکم دیا گیا کہ اس کی عظمت کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرو، اس کی کبریائی کا اعتراف کرو اور اس کی شان میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نہ اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں، نہ اس کے افعال میں۔

یوں یہ آیت سورۃ الاسراء کا نہایت جامع خاتمہ ہے، جس میں عقیدۂ توحید کی بنیادوں کو مضبوط کیا گیا ہے اور بندے کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے رب کی حمد، اس کی تنزیہ اور اس کی کبریائی کے اعتراف میں ہمیشہ سر جھکائے رکھے۔

الحمدللہ: سورۃ الاسراء کے باقیماندہ مضامین، ترمیمات اور اضافہ جات کی آج تکمیل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے، اس عظیم الشان کام کو ہمارے لیے ذریعہ نجات وفلاح بنادے۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (حال وارد سوھان اسلام آباد)

۲۹ مارچ ۲۰۲۶ء۔ ۹ شوال المکرم ۱۴۴۷ھ بروز اتوار

سورۃ الکہف (تعارف)

سوال سورۃ الکہف کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الکہف مکی سورتوں میں سے ہے، قرآن کریم کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا الحمدللہ سے ہوتی ہے، ان میں سورۃ الفاتحہ، سورۃ الانعام، سورۃ سبا، سورۃ فاطر اور سورۃ الکہف ہے، ان پانچوں سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکیزگی سے ہوتا ہے، ان سورتوں میں اللہ کی بڑائی، کبریائی، عظمت، جلال اور کمال کو بیان کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: سورت کا نام سورۃ الکہف اس وجہ سے رکھا گیا ہے چونکہ اس میں اصحاب کہف کا عجیب و غریب قصہ بیان کیا گیا ہے، اس قصے کی مناسبت سے سورت کا نام "سورۃ الکہف" رکھا گیا۔

شان نزول: بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مشرکین سے کہا کہ تم محمد ﷺ سے تین چیزیں معلوم کرو، اول یہ کہ روح کیا ہے دوم یہ کہ اصحاب کہف کا کیا واقعہ ہے سوم یہ کہ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے پہلی بات کا جواب تو سورۃ الاسراء میں گزر چکا ہے اور باقی دو سوالوں کا جواب اس سورت میں مذکور ہے مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا امتحان کریں لیکن جواب مل جانے پر نہ مشرکین مکہ ایمان لائے اور نہ یہود مدینہ۔ (انوار البیان)

اہم واقعات: سورۃ الکہف میں تین اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان واقعات کو وضاحت و واشگاف انداز میں بیان کرنے سے مقصود عقیدہ کی اصلاح و درستی ہے۔ سورۃ الکہف میں تین اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ واقعہ اول: ان توحید پرست، مؤحدین کا ہے جنہیں اصحاب کہف کے نام سے جانا جاتا ہے، ان خدامست لوگوں نے اپنے عقیدہ اور ایمان کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دینے میں اپنی نجات و فلاح سمجھی، یہ چند اہل ایمان نوجوان تھے، جو اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے شہر سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے تھے، اس غار میں یہ لوگ تین سو نو سال تک محوِ آرام رہے، پھر ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بیدار کیا۔

واقعہ دوم: ایک ولی اللہ حضرت خضر علیہ السلام اور ایک نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے، اس عجیب وغریب واقعہ کی ایک ایک جزی میں انسانیت کے لیے درسِ عبرت اور سامانِ موعظت ہے، اس واقعہ میں طالبانِ علوم وتشنگانِ معرفت کے لیے ایک اہم سبق یہ ہے کہ وہ جس راستے پر گامزن ہیں اس میں عجز وانکساری اختیار کرنے سے مناصب جلیلہ اور درجات کمال حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں شریعت اور طریقت کی راہوں پر گامزن ان دو عظیم المرتبت ہستیوں کی چند روزہ رفاقت سے انسانوں پر بہت سے بھید کھلے، بہت سے رازہائے سربستہ سے نقاب اٹھے، عالم غیب سے متعلق چند ایسے واقعات تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے دو میں سے ایک کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا جب کہ دوسرے کا کچھ امتحان لینا مقصود تھا اس لیے انہیں ابتدائی مرحلے میں ان واقعات سے مطلع نہیں کیا، بعد میں جب راز کھلا تو سب کچھ عیاں ہو گیا، حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کی گردن مروڑ دی تھی، ایک کشتی جس میں وہ سوار ہو کر گئے تھے کا تختہ اکھاڑ دیا تھا، ایک لاوارث دیوار کو سیدھا کرنے کے لیے دونوں کو حکم دیا گیا کہ اسے سیدھا کرنا ہے، بعد میں ان تینوں واقعات کی حکمت بتائی گئی، ان واقعات کی پنہاں حکمتیں خضر علیہ السلام کو پہلے بتادی گئی تھیں، جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ذریعے آگاہ کیا گیا۔

واقعہ سوم: حضرت ذوالقرنین کا ہے، وہ ایک بادشاہ تھے، جنہیں اللہ نے تقویٰ کی دولت اور عدل وانصاف کی صفات سے متصف فرما رکھا تھا، انہیں مشارق ومغارب کی سلطنت عطا فرمائی گئی تھی، انہوں نے یاجوج وماجوج کی بندش کے لیے بہت بڑی دیوار بنائی تھی، جسے سد سکندری کے نام سے جانا جاتا ہے۔

مفسر قرآن شیخ محمد علی صابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ الکہف میں تین واقعات کی مناسبت سے تین واقعی مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں ان مثالوں کا مرکزی نکتہ نظر اس امر کا بیان ہے کہ حق کثرت مال اور سلطنت سے مرتبط نہیں ہوتا حق تو عقیدے سے مرتبط ہوتا ہے۔

چنانچہ پہلی مثال مالدار شخص کی بیان کی گئی ہے جو اپنے مال پر اتراتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ فقیر کا حال بھی بیان کیا گیا ہے جو اپنے عقیدہ اور ایمان پر بھروسہ رکھتا ہے، یہ مثال دو باغات والوں کے

قصہ میں بیان کی گئی ہے۔ دوسری مثال دنیوی زندگی اور اس کے ملحقات فنا وزوال کی بیان کی گئی ہے، تیسری مثال تکبر وغرور کی بیان کی گئی ہے جس کی منظر کشی ابلیس کے انکار سجدہ کی صورت میں کی گئی ہے، اس ضمن میں اس کے دھتکارے جانے اور حرمان کا بیان بھی ہوا ہے، یہ تمام قصص اور امثال عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

فضائل سورۃ الکہف: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے یہ سورت پڑھی اسے زمین و آسمان کے درمیان نور عطا کیا جائے گا اور اس کے سبب اسے قبر کے فتنہ سے بچالیا جائے گا۔ (قرطبی)

② اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى سُورَةٍ شَيَّعَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حِينَ نَزَلَت؟ هِيَ سُورَةُ الكَهفِ کیا میں تمہاری ایسی سورت پر راہنمائی نہ کروں جسے ستر ہزار فرشتوں نے منزل تک پہنچایا اور اس کی عظمتوں نے زمین و آسمان کے درمیان کو بھر دیا (اور) اس کی تلاوت کرنے والے کے لیے بھی اسی کی مثل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سورت اصحاب الکہف ہے جس نے جمعہ کے دن اسے پڑھا تو دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دنوں تک اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور اسے نور عطا کر دیا جائے گا جو آسمان تک پہنچے گا اور فتنہ دجال سے اسے بچا لیا جائے گا۔ (ثعلبی، قرطبی)

③ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: جس نے جمعہ کی رات سورۃ الکہف پڑھی تو اس نے اپنے درمیان اور بیت عتیق کے درمیان ایک نور روشن کر لیا۔ (مسند دارمی)

④ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ الکہف کے شروع سے دس آیات یاد کر لیں اسے دجال سے بچالیا جائے گا۔ (مسلم)

⑤ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کوئی دجال کو پائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ (مسلم، قرطبی)

⑥ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سورۃ الکہف کی دس آیات یاد سے پڑھیں فتنہ دجال اسے ضرر اور نقصان نہیں دے گا اور جس نے ساری سورت پڑھی وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (ثعلبی، قرطبی)

⑦ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لی دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور روشن ہو گا۔ (مشکوٰۃ) دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل روشن رہے گا اور بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن اس کے پڑھنے کی وجہ سے ایک ہفتہ کے بقدر اس کی قبر میں روشنی رہے گی۔ (انوار البیان)

⑧ جس شخص نے سورۃ کہف اسی طرح پڑھی جیسا کہ نازل ہوئی ہے وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو گی۔ (ابن کثیر، امام بیہقی، سنن کبریٰ، انوار البیان)

⑨ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اس عرصہ میں اگر دجال نکل آیا تو اس سے بھی حفاظت ہو گی۔ (کتاب المختارہ ضیاء الدین المقدسی، انوار البیان)

قرآن کریم خامیوں سے پاک کتاب

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔ نیز مشکل الفاظ کی تشریح کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا {۱} قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا {۲} مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا {۳} وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا {۴} مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا {۵} الکہف

جواب ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی۔ اس کتاب کو استقامت والا بنایا تاکہ وہ اللہ کی طرف سے سخت عذاب سے

ڈرائے اور مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔، انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کو، بڑا بول ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہا ہے یہ لوگ بس جھوٹ ہی بول رہے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ: استاذالمحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سب حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر یہ کتاب قرآن کریم اتاری اور ذرہ برابر اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا: نہ لفظوں کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل ہے اور نہ معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی ہے یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی کجی دور کرنے کے لئے نازل کی اس کتاب میں کوئی بھی عیب اور کجی نہیں اور جو اس میں عیب نکالے سو وہ اس کی عقل کا فتور اور قصور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک اتارا راستی اور استقامت کے ساتھ موصوف ہے، خود راست اور درست ہے اور دوسروں کو راہ راست پر لے جانے والی ہے ایسی کتاب میں تو کجی کا امکان ہی نہیں اور اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے نازل کرنے پر اپنی حمد فرمائی کیونکہ نزول قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور فوز عظیم اور سعادت دارین کا ذریعہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے۔ (تفسیر معارف القرآن کاندھلوی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا سے مراد ہے کہ کتاب کو عدل والا اور استقامت والا بنایا اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں۔ (ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، تفسیر در منثور)

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا سے مراد ہے کہ کتاب کو عدل والا اور استقامت والا بنایا اور اس میں کسی قسم کی

کجی اور ٹیڑھاپن نہیں۔(ابن منذر، ابن ابی حاتم)

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ: قَيِّمًا (استقامت کے ساتھ) یہ فعل مضمر جَعَلَهٗ سے منصوب ہے، ای جَعَلَهٗ قَيِّمًا کیونکہ جب کجی کی اس سے نفی کر دی تو گویا استقامت اس کے لیے خود ثابت ہو گئی عِوَج (کجی، ٹیڑھ) کی نفی اور اثبات استقامت دونوں کو اس لیے جمع کر دیا، باوجود یکہ ایک دوسرے سے مستغنی ہے، تاکہ تاکید ہو جائے بہت سے سیدھے لوگ جن کی استقامت کا مشاہدہ کرتے ہیں، جانچ پڑتال کے وقت تھوڑی بہت ٹیڑھ سے خالی نہیں ہوتے۔(اس لیے دونوں صفات لا کر ادنی کی بھی نفی کر دی) دوسری بات یہ ہے کہ تمام کتابوں کا قرآن قیم ہے، ان کی تصدیق کرنے والا اور ان کی صحت کا گواہ ہے۔(تفسیر نسفی)

لِيُنْذِرَ: تاکہ وہ ڈرائے، ان لوگوں کو جو کفر کرنیوالے ہیں، بَأْسًا شَدِيْدًا، سخت پکڑ یعنی سخت عذاب سے، لِيُنْذِرَ دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عذابا قريبًا (النساء: ۴۰) یہاں ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے، اصل اس طرح ہے لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَأْسًا شَدِيْدًا، بأس عذاب کو کہتے ہیں، یہاں اکتفاء علی المفعول کی وجہ یہ ہے، منذر بہ وہی ہے جس کی طرف چلایا جارہا ہے پس اس پر اکتفاء کیا گیا۔(نسفی) مِّنْ لَّدُنْهُ، جو اس کی طرف ہو گا، اس کی طرف سے صادر ہونے والا ہے۔

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ: اور وہ خوشخبری دے ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرنے والے ہیں کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے، یعنی جنت ہے۔

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کریم نازل فرمایا، تاکہ ان کافروں کو اس کے ذریعے اپنے عذاب سے ڈرائے، ان اہل ایمان کو جو نیک اعمال بجالاتے ہیں اس کے ذریعے جنت کی خوشخبری سنائے کہ بے شک ان کے پیدا کرنے والے کی طرف سے ان کے لیے عمدہ اجر ہے جو جنت کی صورت میں اور اس کی بیش بہا نعمتوں کی صورت میں ملے گا، یہ لوگ اس میں ہمیشہ ٹھہریں گے، اتنا طویل زمانہ ٹھہریں گے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، یہاں فیہ میں ضمیر اس اجر کی طرف راجع

ہے جو انہیں دیا جائے گا، اس سے مراد جنت ہے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے جنہوں نے اس کی ذاتِ اقدس کے بارے میں نہایت سنگین اور گستاخانہ عقیدہ اختیار کیا، یعنی یہ کہنا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

یہ فرمانِ الٰہی وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا دراصل اس سے پہلے مذکور عمومی وعید لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ پر معطوف ہے، اس میں بلاغت کا ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ پہلے عمومی طور پر تمام کافروں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا، پھر بطورِ خاص ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی، یہ اسلوب "عطفِ خاص علی العام" کہلاتا ہے، یعنی عام حکم کے بعد ایک خاص گروہ کو نمایاں کر کے اس کی قباحت کو مزید واضح کرنا۔

یہ وہ گروہ ہیں جن میں بالخصوص یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکینِ عرب شامل ہیں، چنانچہ قرآنِ مجید نے دیگر مقامات پر ان کے اس باطل عقیدے کو یوں بیان فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ، یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ، عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔

اور مشرکین کے بارے میں فرمایا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کی ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس مقام کی بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کافروں کو ڈرائیں جو یہ کہتے ہیں، بلکہ صرف یہ فرمایا الَّذِيْنَ قَالُوا (وہ لوگ جنہوں نے کہا) تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہی ایک جملہ، اللہ کے لیے اولاد ثابت کرنا، اپنے اندر کفر کی انتہائی قبیح صورت کو سمیٹے ہوئے ہے اور مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح اس جملے میں فعلِ ماضی قَالُوا کا استعمال بھی نہایت معنی خیز ہے، جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ناپاک اور گستاخانہ کلمہ ان سے بالفعل صادر ہو چکا ہے اور یہ کوئی محض احتمال یا الزام نہیں، بلکہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

الغرض، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک کی عظمت اور توحید کی بنیاد کو مستحکم کرتے ہوئے ان باطل عقائد کی شدید تردید فرمائی ہے، جو اس کی ذاتِ پاک کے شایانِ شان نہیں، یہ آیت نہ صرف ایک عقیدۂ باطل کی نفی کرتی ہے بلکہ اس کے قائلین کو سخت انجام سے بھی خبر دار کرتی ہے، تاکہ انسان توحیدِ خالص کی طرف رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر قسم کی نسبتوں اور کمزوریوں سے پاک سمجھے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ: ان لوگوں نے عزیر علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکۃ اللہ کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیا، اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ بات کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں، بلکہ جہل مرکب کا نتیجہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنانا ہی ناممکن و محال ہے تو پھر انہوں نے یہ کیونکر کہہ دیا **مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ**؟ اس کا مطلب یہ ہے ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں کیونکہ وہ ایسی بات ہی نہیں جو علم میں آئے کیونکہ وہ محال ہے اور کسی چیز کے متعلق علم کی نفی یا تو اس لیے ہوتی ہے کہ اس تک پہنچنے والا راستہ معلوم نہیں یا اس لیے کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے محال و ناممکن ہوتی ہے۔ **وَلَا لِاٰبَآئِهِمْ** یہ تو یہ ہیں ان کے آباء کے پاس بھی اس کا علم نہیں ہے، جن کے بارے میں یہ دعویدار ہیں کہ ہم تو ان کے نقش قدم پر گامزن ہیں، ہم انہیں جاہل آباؤاجداد کے جاہلانہ راستوں پر گامزن رہیں گے۔ (تفسیر نسفی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی مقامات پر ان کی جاہلانہ باتوں کی مذمت کی ہے، سورۃ الانعام میں فرمایا کہ ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک بناڈالا ہے، حالانکہ جنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، انہوں نے اللہ کے لیے بغیر کسی علم و دلیل کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسا کہ ان کہنا کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی اللہ کی کوئی بیوی ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: مشرکین مکہ فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کی

بیٹیاں ہیں، یہود کہتے تھے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، نصاریٰ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ یہاں ان کی مذمت کر رہے ہیں کہ جو کچھ ہفوات ان کے منہ سے نکلتی ہیں یہ بہت جسارت کی بات ہے، یہ جو کچھ اس بارے میں کہہ رہے ہیں حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ سب خلاف واقعہ اور جھوٹ پر مبنی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے شدید مذمت فرمائی ہے جو کچھ وہ منہ سے باہر پھینکتے ہیں، یہ ایسا کلام بولتے ہیں، ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کی انتہائی جہالت اور بہت بڑے جھوٹ پر مبنی ہیں۔

اس آیت میں لفظ كَبُرَتْ فعلِ ماضی ہے، مگر یہاں محض خبر دینے کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ مذمت اور تقبیح کے لیے استعمال ہوا ہے، یہ اسلوب عربی زبان میں نِعْمَ وَبِئْسَ کے طرز پر آتا ہے، جس کے ذریعے کسی امر کی برائی کو نہایت شدت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، اس کا فاعل دراصل ایک محذوف ضمیر ہے، جس کی وضاحت بعد میں آنے والے لفظ كَلِمَةً سے ہوتی ہے، جو بطورِ تمیز منصوب ہے، یوں تقدیرِ کلام یہ بنتی ہے : كَبُرَتْ هِيَ كَلِمَةً خَارِجَةً مِّنْ أَفْوَاهِهِمْ تِلْكَ الْمَقَالَةُ الشَّنْعَاءُ الَّتِي تَفَوَّهُوا بِهَا بہت ہی بڑی اور نہایت قبیح بات ہے یہ کلمہ، جو ان کے منہ سے نکلا۔

یہی وہ بدترین اور شرمناک قول ہے جس کا اظہار انہوں نے یوں کیا کہ "اللہ نے بیٹا بنایا ہے"۔ حالانکہ یہ محض ایک جھوٹا، بے بنیاد اور محال دعویٰ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے سراسر خلاف، حقیقت کے منافی اور عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے باطل ہے۔

اس تعبیر میں ایک نہایت گہرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کو محض "ایک بات" یا "کلمہ" قرار دیا، یعنی ایسا بے وزن اور بے حقیقت قول، جس کی کوئی دلیل نہیں، سوائے اس کے کہ ان کی زبانوں نے اسے گھڑ لیا اور ان کے دلوں نے اس پر جھوٹ باندھ لیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دعویٰ نہ عقل کی بنیاد رکھتا ہے، نہ وحی کی، بلکہ صرف افتراء اور بہتان ہے۔

امام زمخشری کے مطابق كَبُرَتْ كَلِمَةً کی قراءت دو طرح سے آئی ہے: ایک رفع کے ساتھ كَلِمَةٌ بطورِ فاعل اور دوسری نصب کے ساتھ كلمةً بطورِ تمیز، نصب والی قراءت زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ

اس میں تعجب اور شدتِ انکار کا مفہوم پایا جاتا ہے، گویا کہا جارہا ہو، کیسی بڑی اور ہولناک بات ہے یہ!

پھر ارشاد ہوتا ہے تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ یہ جملہ "کلمہ" کی صفت ہے اور اس میں ان کی جسارت پر شدید تعجب اور نکیر کا اظہار ہے کہ وہ ایسی بے ہودہ اور سنگین بات اپنی زبانوں سے نکالنے کی جرأت کرتے ہیں، حالانکہ عام طور پر انسان کے دل میں شیطان بہت سے برے وسوسے ڈالتا ہے، مگر وہ انہیں زبان پر لانے سے جھجکتا ہے اور اپنے اندر ہی دبالیتا ہے، لیکن یہ لوگ اس حد تک بے باک ہو گئے کہ اس عظیم ترین منکر کو علانیہ زبان پر لے آئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ كَبُرَتْ میں ضمیر کس کی طرف لوٹتی ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ اسی قول کی طرف اشارہ ہے اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا یعنی اللہ کے لیے اولاد ثابت کرنے کا دعویٰ اور اسے "کلمہ" اس لیے کہا گیا ہے جیسے کسی مکمل قصیدے کو بھی ایک "کلمہ" کہہ دیا جاتا ہے۔

اسی مضمون کی شدت اور قباحت کو قرآنِ مجید نے ایک اور مقام پر نہایت لرزہ خیز انداز میں یوں بیان فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا. تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اور انہوں نے کہا: رحمٰن نے (اپنے لیے) اولاد بنالی ہے، بلاشبہ تم نے بہت ہی سنگین اور نہایت قبیح بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اس (بات کی ہولناکی) سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ (مریم)

الغرض، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت زور دار انداز میں اس باطل عقیدے کی تردید فرمائی، اس کی سنگینی کو واضح کیا اور یہ بتادیا کہ یہ محض ایک جھوٹا اور بے بنیاد قول ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کے سراسر منافی ہے۔

داعیِ اعظم کو ہدایتِ اُمّت کا غم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ اس آیت مبارکہ میں بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ کا کیا معنیٰ و مطلب ہے؟

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا {٦} الكهف

جواب ترجمہ: (اے میرے حبیب ﷺ! اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔

اعلان نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ دن رات کفار و مشرکین کے سامنے دین اسلام کی سچائیوں اور آخرت کی ابدی زندگی کی راحتوں اور نہ ماننے والوں کے لئے شدید عذاب کی تبلیغ فرماتے تو وہ لوگ نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کی صداقت پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ کفر و شرک میں زندگی گذارنے والے ایمان اور عمل صالح کو اختیار کر کے اپنی آخرت کو سنوار لیں لیکن دنیا کی ظاہری چمک دمک اور زیب و زینت کو سب کچھ سمجھنے والے آپ کی اطاعت قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔

ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو سچی راہ دکھادے اور اس پر چل کر اپنی زندگی کو دوسروں کے لئے ایک مثال بنادے۔ اس کے بعد خود انسان کی اپنی عقل و سمجھ اور سعادت ہے کہ وہ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوارتا ہے یا بے سمجھی اور بد نصیبی سے اپنی دنیا و آخرت کو برباد کرتا ہے۔

وہ لوگ جو دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور خوبصورتی کو دیکھ کر اس کے دیوانے ہو رہے ہیں ان میں سے ایک چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے، یہ پہاڑ، درخت، سرسبزی و شادابی اسی وقت تک ہے جب تک قیامت برپا نہیں ہوتی لیکن جب قیامت آجائے گی تو اس زمین پر سے ہر چیز کو فنا کر دیا جائے گا اور یہ دنیا ایک صاف چٹیل میدان کی طرح بن کر رہ جائے گی۔ انسان صرف اپنے اچھے یا برے اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہو گا۔ پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ کون خوش نصیب ہے اور کون بد نصیب ہے۔ (تفسیر بصیرت قرآن)

صاحب تفسیر ضیاء القرآن لکھتے ہیں کہ ادھر جور وجفا کا یہ حال ہے کہ کسی معقول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہیں اور ادھر رأفت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انہیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے صحن میں، بازار مکہ کی ہنگامہ پرور فضاؤں میں، ان کی نشست گاہوں میں اور ان کے خلوت کدوں میں جا جا کر انہیں سمجھایا جارہا ہے، وہ بار بار جھڑکتے ہیں، ناراض ہوتے ہیں، بپھرتے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے، جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے، ساری آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں، تو یہ اٹھتا ہے اپنا سر نیاز بارگاہ بے نیاز میں جھکاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کے لیے درد سوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں، وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے، وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشم مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کے لیے گر پڑتے ہیں، یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کن کے لیے ہیں؟ ان کے لیے جو ان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجئے۔ (ضیاء القرآن)

بَاخِعٌ: (غم کے سبب جان دینے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ **بخوع و بخع** سے اسم فاعل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** سے مراد ہے اپنی جان کو قتل کرنے والا۔ (ابن منذر) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** سے مراد ہے اپنی جان کو قتل کرنے والا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** سے مراد ہے اپنی جان کو قتل کرنے والا۔ (ابی حاتم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا {۷} وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا {۸} الكهف

جواب ترجمہ: بلاشبہ زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اور زمین پر جو کچھ ہے بلاشبہ ہم اسے بالکل صاف میدان بنادینے والے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی تمام تر زیب و زینت محض ایک حکیمانہ تدبیر اور الٰہی منصوبہ بندی کا حصہ ہے، چنانچہ روئے زمین پر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، سرسبز و شاداب کھیت، لہلہاتے باغات، رواں دواں ندیاں، جاندار مخلوقات اور بلند و بالا عمارات، یہ سب زمین کی زینت اور اس کے حسن کا سامان بنایا گیا ہے، مگر یہ زیبائش محض دل لبھانے کے لیے نہیں، بلکہ ایک عظیم امتحان کا ذریعہ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو آزمایا جائے کہ کون اپنے عمل میں زیادہ حسن، زیادہ اخلاص اور زیادہ اطاعت کا پیکر بنتا ہے، کون اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پیروی میں سبقت لے جاتا ہے، کون جلدی سے اس کی بندگی کی طرف لپکتا ہے اور کون دنیا کی دل فریبیوں، دلکشیوں، رعنائیوں، چکاچوند اور لبھانے والی چیزوں اور لذتوں میں کھو کر اپنی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی نہایت بلیغ انداز میں واضح فرمادی کہ یہ ساری زینت دائمی نہیں، ایک وقت مقرر ہے، جب یہ سب کچھ ختم کر دیا جائے گا، یہ سرسبز زمین ایک بے آب و گیاہ میدان میں تبدیل ہو جائے گی، جہاں نہ سبزہ ہوگا نہ زندگی کی کوئی رمق، صَعِيدًا جُرُزًا کے الفاظ اس ویرانی کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ گویا ہر شادابی کو قحط نے نگل لیا ہو، یا ٹڈی دل نے ہر ہریالی کو چٹ کر کے زمین کو بنجر کر دیا ہو۔

یہ بیان درحقیقت نبی کریم ﷺ کے لیے تسکینِ قلب کا سامان ہے، کہ آپ کفار کے انکار اور ہٹ دھرمی پر رنجیدہ نہ ہوں، گویا ربِ کریم اپنے محبوب سے فرماتا ہے: اے میرے رسول! آپ اپنا

تبلیغ ادا کرتے رہیے، ان کے کفر پر غم نہ کیجیے اور نہ ہی اپنی جان کو حسرتوں میں گھلایئے، یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے، جہاں ہم نے زینت کو آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، تاکہ نیک و بد میں امتیاز ہو جائے۔

اسی حقیقت کو مزید واضح کرتے ہوئے یہ لطیف اشارہ بھی دیا گیا کہ دنیا کی ہر زینت، خواہ کتنی ہی دلکش اور قیمتی کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت ایک عارضی آرائش سے زیادہ نہیں، جیسے انسان لباس زیب تن کرتا ہے اور کچھ وقت بعد اسے اتار دیتا ہے، اسی طرح دنیا کی یہ چمک دمک بھی عارضی ہے، جو ایک دن چھن جائے گی۔

لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا: میں اس آزمائش کی اصل روح کو بیان کیا گیا ہے، یعنی عمل کا حسن صرف ظاہری کثرت میں نہیں، بلکہ اس کے خلوص، سنت کے مطابق ہونے اور درست عقیدہ پر مبنی ہونے میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: **الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا**، وہ ذات جس نے موت اور زندگانی کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون اچھا ہے، اور حدیثِ نبوی ﷺ میں دنیا کی حقیقت یوں بیان ہوئی: "دنیا سرسبز اور شیریں ہے اور اللہ نے تمہیں اس میں نائب بنایا ہے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا: یہ جملہ دنیا کی بے ثباتی کو آخری درجہ تک واضح کر دیتا ہے اور انسان کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اس فانی زینت پر فریفتہ ہونے کے بجائے ان اعمال کی فکر کرے جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں دنیا کی حقیقت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ سراسر امتحان ہے، اس کی زینت عارضی ہے اور اس کا انجام فنا ہے اصل کامیابی اسی کی ہے جو اس آزمائش میں سرخرو ہو کر اپنے رب کی رضا حاصل کر لے، کیونکہ آخرکار جزا و سزا کا مرحلہ آنا ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

واقعہ اصحاب کہف ورقیم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا {۹} اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا {۱۰} فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا {۱۱} ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا {۱۲} نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى {۱۳} وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا {۱۴} هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا {۱۵} وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا {۱۶} الکھف

جواب ترجمہ: کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے۔ جب جوانوں نے غار میں ٹھکانا پکڑا تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، اور ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجیے۔ سو ہم نے ان کے کانوں پر سالہا سال تک پردہ ڈال دیا۔ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کونسا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔ ہم آپ سے ان کا واقعہ بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں، بلاشبہ یہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دیدی۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، ہم اس کے علاوہ کسی کو معبود نہیں بنائیں گے اس صورت میں تو ہم یقینی طور پر بڑی زیادتی کی بات کرنے والے ہو جائیں گے۔ یہ ہماری قوم کے لوگ

ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لیے کیوں نہیں لے آتے اس پر کھلی ہوئی دلیل، سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے۔ اور جب تم ان لوگوں سے اور ان کے معبودوں سے جدا ہو گئے جو اللہ کے سوا ہیں تو غار کی طرف پناہ لے لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے مقصد میں آسانی مہیا فرمائے گا۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور قرآنِ حکیم کی صداقت کا بیان تھا، اب اس کے بعد اصحابِ کہف کا قصہ ذکر فرمایا جا رہا ہے، جو درحقیقت کفارِ مکہ کے اس سوال کا جواب ہے جو انہوں نے یہود کی تعلیم پر آپ ﷺ کی آزمائش کے لیے کیا تھا، انہوں نے چند قدیم اور پُر اسرار واقعات کے بارے میں سوال کیا، جن میں ایک سوال اصحابِ کہف کا بھی تھا۔

یہاں اس قصہ کا بیان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ صدیوں پہلے گزرے ہوئے واقعات کا صحیح اور مستند علم بغیر وحی کے ممکن نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ یہ واقعات کسی سے سنے، نہ کسی کتاب سے پڑھے، بلکہ یہ سب علم وحیِ الٰہی کے ذریعے عطا ہوا، جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔

اسی طرح یہ واقعہ قیامت پر بھی دلیل ہے، اس لیے کہ جو ذاتِ باری تعالیٰ سینکڑوں سال تک سلا کر پھر بیدار کر سکتی ہے، وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے، کیونکہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے، اور دونوں کے احکام میں بڑی مشابہت ہے۔

اصحابِ کہف اور رقیم: کہف اس وسیع غار کو کہا جاتا ہے جو پہاڑ کے اندر ہو، جبکہ رقیم کے معنی لکھی ہوئی تحریر کے ہیں، غالب قول یہی ہے کہ ان نوجوانوں کے نام، نسب اور واقعہ کو ایک تختی پر لکھ کر غار کے دروازے پر نصب کر دیا گیا تھا، اسی نسبت سے انہیں اصحابِ کہف و رقیم کہا گیا۔ چنانچہ یہ دونوں دراصل ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں: غار میں پناہ لینے کی وجہ سے اصحابِ کہف اور ان کا حال تحریر کیے جانے کی وجہ سے اصحابِ رقیم۔

اجمالی واقعہ: یہ چند نوجوان ایک ظالم اور بت پرست بادشاہ دقیانوس کے عہد میں تھے، جو لوگوں کو زبردستی شرک پر مجبور کرتا تھا، یہ نوجوان اگرچہ شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، مال و دولت اور آرام و آسائش ان کے قدموں میں تھی، مگر جب ایمان و عقیدہ خطرے میں پڑا تو انہوں نے دنیا کی ساری زینت کو ٹھکرا دیا اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے شہر چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لے لی، یہ وہ مردانِ حق تھے جنہوں نے راحتوں کے محلات چھوڑ کر سنگلاخ غار کو اختیار کیا، مگر ایمان کی دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

اصحاف کہف کی دعا اور اللہ کی نصرت: جب یہ نوجوان غار میں داخل ہوئے تو انہوں نے عاجزی سے دعا کی: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لیے رشد و ہدایت کے اسباب مہیا فرما“۔

یہ دعا دراصل استقامت، حفاظت اور حسنِ انجام کی دعا تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان پر ایسی گہری نیند طاری کر دی کہ گویا ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے گئے ہوں، نہ کوئی آواز ان تک پہنچے، نہ کوئی خلل ان کے سکون میں مخل ہو۔

طویل نیند اور قدرتِ الٰہی کا ظہور: یہ نوجوان سینکڑوں سال تک اسی غار میں سوتے رہے، قرآنِ کریم نے اس مدت کو سِنِينَ عَدَداً (گنتی کے چند سال) فرمایا، تاکہ یہ واضح ہو کہ اللہ کے نزدیک طویل سے طویل زمانہ بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ پھر جب اللہ نے چاہا تو انہیں بیدار کر دیا، جیسے قیامت کے دن مردوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا، تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ بعث بعد الموت بالکل حق ہے۔

بیداری کے بعد گفتگو: جب وہ بیدار ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: ہم کتنی دیر سوئے رہے؟ کسی نے کہا: ایک دن یا اس سے بھی کم اور بعض نے کہا: ہمارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے؟ یہ جواب اپنی جگہ نہایت حکیمانہ تھا، کیونکہ حقیقت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

مقصدِ بیان: ان آیات کا اصل مقصد نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر کو تسلی دینا ہے، گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے: آپ ﷺ کفار کے انکار اور ہٹ دھرمی پر دل گرفتہ نہ ہوں، یہ دنیا محض آزمائش کی جگہ ہے، ہم نے اس کی زینت کو امتحان بنایا ہے اور ایک وقت آئے گا جب یہ سب فنا ہو جائے گا اور ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔

خلاصہ کلام: اصحابِ کہف کا یہ واقعہ ایمان کی استقامت، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی حقانیت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ یہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ دین کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دینا کامیابی ہے، دنیا کی زینت عارضی ہے اور اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی چیز بعید نہیں، پس دانا وہی ہے جو اس فانی دنیا کو آزمائش سمجھ کر باقی رہنے والی زندگی کی تیاری کرے۔ یہ واقعہ قدیم روم کے ایک شہر طرطوس میں پیش آیا تھا، جدید مواصلاتی ذرائع کے مطابق یہ واقعہ ترکی میں پیش آیا تھا۔

اصحابِ کہف کون تھے؟ یہ چند نوجوان تھے، اکثر شاہی یا معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، مگر دل ایمان سے روشن تھا، انہوں نے ظلم و شرک کے ماحول میں بھی توحید کو اختیار کیا اور باطل کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ ان کے معروف نام (روایات کے مطابق) ① مکسلمینا۔ ② تملیخا۔ ③ مرطونس۔ ④ کشطونس۔ ⑤ بیرونس۔ ⑥ ویتونس۔ ⑦ طبریوس (یا لطیبوس)) اور ان کا کتا: قطمیر۔ (ناموں میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے معمولی فرق پایا جاتا ہے)

اصحاب کہف کی حفاظت کا قدرتی انتظام

سوال اصحاب کہف کی عدم بیداری کا سبب کیا تھا؟ آیت کا ترجمہ و تفسیر کر کے بتائیں۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا {۱۷} الکھف.

جواب ترجمہ: اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ ان کے غار سے دائیں طرف

ہٹ کر لکل جاتا اور جب غروب ہوتا تو ان سے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا اور وہ اس غار کے ایک کشادہ حصے میں (سوئے ہوئے) تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کردے اس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اسے راستے پر لائے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں نیند کی آغوش میں پہنچادیا تھا، ان کی حفاظت کا انتظام فرمایا تھا، سورج اس طرح طلوع ہوتا تھا کہ ان تک اس کی روشنی اور گرمی نہیں پہنچ رہی تھی جس سے انہیں تکلیف پہنچتی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے، یعنی سورج جب طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو غار کے بائیں جانب سے ہو کر ان سے گزر جاتا ہے، پس انہیں دھوپ نہیں لگتی نہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور نہ دن کے آخری حصہ میں اور ان کی غار سرزمین روم میں بنات نعش (قطب شمالی کے قریب سات ستارے) کے سامنے تھی، پس سورج طلوع و غروب اور چلتے وقت ان سے ہٹ جاتا تھا ان تک نہ پہنچتا تھا کہ انہیں اپنی گرمی اور حرارت سے اذیت پہنچائے، ان کے رنگوں کو متغیر کرے اور ان کے کپڑوں کو بوسیدہ کرے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے، بیشک ان کی غار کے لئے ایک پردہ جنوب کی جانب سے تھا اور ایک پردہ دبور (پچھوائی ہوا) کی جہت سے تھا اور وہ اس کے کونے میں تھے۔

اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ سورج کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے، نہ یہ کہ غار کا دروازہ اس جانب تھا جو یہ ثابت کرتی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے، وَاِذَا غَرَبَت تَقرِضُهُم یعنی جب وہ ڈوبتا ہے تو اس کی تھوڑی سی دھوپ انہیں لگتی ہے، یہ قُرَاضَةُ الذَّهَبِ وَالفِضَّة (سونے اور چاندی کے ریزے) سے ماخوذ ہے، یعنی سورج اپنی تھوڑی سی شعائیں انہیں پہنچاتا ہے اور انہوں نے کہا، شام کے وقت دھوپ

کے ان کو مس کرنے اور پہنچنے میں ان کے بدنوں کی اصلاح تھی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں آیت اور علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی غار میں پناہ دی جس کی کیفیت اور حالت یہ تھی نہ کہ کسی دوسری غار میں جس میں بڑے دنوں میں سورج کی شعاعیں پڑنے سے وہ اذیت اور تکلیف محسوس کرتے۔ اور اس پر یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ سورج کا ان سے پھرنا، ایک طرف ہٹنا بادلوں کے سایہ کرنے یا کسی دوسرے سبب سے ہو اور مقصود ان تک کسی بلا اور مصیبت کے راہ پانے، بدنوں اور رنگوں کے متغیر اور تبدیل ہونے اور گرمی یا سردی کے ساتھ اذیت پہنچنے سے انہیں بچانے اور ان کی حفاظت کرنے کا بیان ہے۔ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ اور وہ غار کی ایک کشادہ جگہ میں سو رہے ہیں۔ اور اَلْفَجْوَةُ کا معنی وسیع اور کھلی جگہ ہے اور اس کی جمع فَجَوَاتٌ اور فجاء ہے، جیسا کہ رکوۃ کی جمع رکاء اور رکوات ہے۔ (تفسیر قرطبیؒ)

اصحاب کہف اور ان کا کتا

سوال اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے پہلو حالت نیند میں کیوں بدلتے تھے؟ نیز یہ بھی بتایئے کہ اصحاب کہف جب غار میں تھے تو ان کے ساتھ کون سا جانور تھا؟ قرآنی آیات ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۚ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا {۱۸} الکھف.

جواب ترجمہ: تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کے پہلو اس لیے تبدیل کیے جاتے تھے تاکہ زمین ان کے

گوشت کو نہ کھائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر سال میں دو بار ان کی کروٹ بدلی جاتی رہی اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ ہر سال میں ایک بار اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، ہر سات سال میں ایک بار کروٹ بدلی جاتی تھی اور ایک جماعت نے کہا ہے، بلاشبہ آخری نو سالوں میں ان کی کروٹ بدلی گئی اور رہے تین سو سال تو ان میں کروٹ نہیں بدلی گئی اور مفسرین کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ کروٹ بدلنا اللہ تعالیٰ کے فعل میں سے ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی فرشتہ مقرر ہو اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جارہی ہو۔ (تفسیر قرطبی)

اصحاب کہف کے ساتھ کون سا جانور تھا؟ اس بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ حقیقتاً کتا تھا اور وہ ان میں سے کسی ایک کے شکار یا کھیتی کی حفاظت یا اس کے ریوڑ کے لئے تھا؛ جیسا کہ امام تفسیر حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور اس کے رنگ میں بہت سا اختلاف کیا گیا ہے (ثعلبی) بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر کے رنگ کا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آسمان کے رنگ کا تھا۔

اس کتے کا نام کیا تھا اس میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام ریان تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **قطمیر** تھا۔ امام اور زاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، مشیر تھا، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا، بسیط تھا، حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، صہیا تھا، حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نقیا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام **قطفیر** تھا۔ (ثعلبی)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: وہ رات کے وقت بھاگ کر نکلے اور وہ سات آدمی تھے وہ ایک چرواہے کے پاس سے گزرے اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا اس نے بھی ان کے دین میں ان کی اتباع کی اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: **مَرُّوا بِكَلْبٍ فَنَبَحَ لَهُمْ فَطَرَدُوهُ فَعَادَ فَطَرَدُوهُ مِرَارًا، فَقَامَ الْكَلْبُ عَلَى رِجْلَيْهِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الدَّاعِي، فَنَطَقَ** وہ ایک کتے کے پاس سے گزرے اور وہ انہیں بھونکنے لگا تو انہوں نے اسے بھگایا وہ پھر لوٹ آیا تو انہوں نے اسے بار بار بھگایا، تو کتا اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دعا مانگنے والے کی طرح آسمان

کی طرف اٹھا دیئے، اور بول پڑا، اس نے کہا: لَا تَخَافُوا مِنِّي أَنَا أُحِبُّ أَحِبَّاءَ اللهِ تَعَالَى فَنَامُوا حَتَّى أَحْرُسَكُمْ ، تم مجھ سے نہ ڈرو! بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والوں سے محبت کرتا ہوں پس تم سو جاؤ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

اصحاب کہف کی بیداری اور قدرت کی جلوہ گری

سوال ان آیات میں اصحاب کہف سے متعلق مزید کیا فرمایا گیا ہے؟

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا {۱۹} اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا {۲۰} وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا {۲۱} الکھف

جواب ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں سوال کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم لوگ کتنی مدت ٹھہرے ہو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ایک دن یا ایک دن سے کم! بعضوں نے کہا کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے سو تم اپنے میں سے کسی کو یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو، سو وہ دیکھے کہ اس شہر کے کھانوں میں کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے، سو وہ تمہارے پاس اس میں سے کھانا لے آئے، اور کام کرنے میں خوش تدبیری سے کام لے اور تمہارے بارے میں کسی کو ہرگز خبر نہ دے۔ بیشک بات یہ ہے کہ اگر انہیں تمہارا پتہ چل جائے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور تم ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔ اور اسی طرح ہم نے ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ اس بات کو جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور یہ کہ

قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، جب کہ وہ لوگ اپنے درمیان ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے سو انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بنادو ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو لوگ ان کے معاملہ میں غالب ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ضرور ان پر مسجد بنائیں گے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان نوجوانوں کو طویل مدت تک خوابِ غفلت میں رکھا، اسی طرح ایک حکمتِ بالغہ کے تحت انہیں بیدار بھی فرمایا، تاکہ وہ آپس میں گفتگو کریں اور اس غیر معمولی واقعہ کے ذریعے حقیقتِ حال منکشف ہو۔ یہ "بعث" دراصل سکون و جمود کے بعد حرکت میں لانا ہے، گویا موت کی سی کیفیت کے بعد زندگی کی ایک جھلک دکھادی گئی۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ: اصحاب کہف بیداری کے بعد ایک دوسرے سے سوالات کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے رہے؟ یہ سوال اس احساس کا مظہر تھا کہ یہ نیند معمول سے کچھ زیادہ طویل محسوس ہو رہی ہے۔

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ: انہوں نے اندازہ لگایا کہ شاید ایک دن یا اس سے بھی کم وقت گزرا ہوگا، کیونکہ وہ صبح سوئے تھے اور بیداری شام کے قریب ہوئی، اس لیے یہی گمان غالب آیا، مگر پھر حقیقت کے ادراک نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ فیصلہ اپنے علم پر نہ کریں، بلکہ علمِ حقیقی کے مالک کے سپرد کردیں:

قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ: یہ جواب نہایت متوازن اور حکیمانہ تھا، جس میں عجز بھی ہے اور حقیقت پسندی بھی۔

فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ: اصحاب کہف طویل زمانہ سوئے رہے، پھر جب بیدار ہوئے تو انہیں بھوک کا احساس ہوا، باہمی مشاورت کی، رزق کی تلاش میں انتہائی احتیاطی تدابیر اختیار کیں، انہوں نے مشورے سے کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو یہ چاندی کے سکے دے کر شہر بھیجو، تاکہ وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ اور مناسب ہے اور وہی لے آئے۔

لیکن اس کے ساتھ نہایت تاکید کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی:

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا: اصحاف کہف نے کھانے کے لیے جب اپنے ساتھی کو بازار کی طرف روانہ کیا تو اس میں نہایت تاکید کے ساتھ ہدایت تھی کہ نہایت نرمی، احتیاط اور پوشیدگی کے ساتھ جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے پائے، یہ احتیاط اس لیے تھی کہ وہ اپنے سابقہ حالات کو ابھی تک برقرار سمجھ رہے تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ اگر ان کی قوم کو خبر ہو گئی تو:

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ: یا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے، یا پھر زبردستی اپنے باطل دین میں واپس لے جائیں گے اور ایسی صورت میں تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے۔

وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ: یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک قدرت کو بیان کیا جارہا ہے کہ جس طرح ہم نے اصحاف کہف کو بیدار کیا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا، یہ اطلاع محض ایک واقعہ نہیں تھی بلکہ ایک عظیم الٰہی نشانی تھی۔

لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا: اصحاب کہف کی بیداری اور لوگوں کو اس پر مطلع کرنے کا مقصد یہ تھا تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت عالم آشکار ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، ان کی نیند اور بیداری دراصل موت اور بعث کا عملی نمونہ تھی، جیسے انسان مر کر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ: جب لوگوں کو ان کا حال معلوم ہوا تو ان کے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا، خصوصاً قیامت اور بعثِ جسمانی کے بارے میں، بعض صرف روحانی زندگی کے قائل تھے اور بعض جسمانی حشر کے منکر تھے، چنانچہ اس عظیم نشانی کو دیکھ کر ان کے سامنے حق واضح ہو گیا۔

پھر ان کے بارے میں مشورہ ہوا: بعض نے کہا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا کہ ان پر ایک عمارت بنادو تاکہ یہ جگہ محفوظ ہو جائے۔ جبکہ اہلِ اقتدار نے کہا: لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا کہ ہم یہاں ایک عبادت گاہ تعمیر کریں گے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ فیصلہ اہلِ ایمان کا تھا یا اہلِ اقتدار کا، مگر بہر حال

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے واقعہ کو غیر معمولی اہمیت دی گئی۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اصحابِ کہف کی بیداری کے بعد کے حالات کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے: بیداری کے بعد ان کی حیرت اور بے خبری۔ باہمی سوال وجواب اور اللہ پر اعتماد۔ رزق کے حصول میں احتیاط اور دینی غیرت۔ اللہ کی طرف سے ان کے حال کا ظاہر ہونا۔ اور اس واقعہ کا قیامت کی دلیل بن جانا، یہ واقعہ رہتی دنیا تک کے لیے ایک روشن پیغام ہے کہ اللہ کی قدرت کے سامنے زمانہ، نیند اور موت سب بے حقیقت ہیں اور بعث بعد الموت ایک اٹل حقیقت ہے۔

اَصحاب کہف کی تعداد

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا {۲۲} وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْيْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا {۲۳} اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا {۲۴} الکھف

جواب ترجمہ: کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ پانچ آدمی ہیں چھٹا ان کا کتا ہے اٹکل پچو غیب پر حکم لگا رہے ہیں اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے آپ فرما دیجیے میرا رب ان کی تعداد کو خوب جاننے والا ہے، ان کو نہیں جانتے مگر تھوڑے سے لوگ سو آپ ان کے بارے میں سرسری بحث کے علاوہ زیادہ بحث نہ کیجیے اور ان کے بارے میں کسی سے بھی سوال نہ کیجیے۔ اور کسی چیز کے بارے میں آپ ہرگز یوں نہ کہیں کہ اسے کل کروں گا۔ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کی مشیت کا ذکر بھی کر دیں، اور جب آپ بھول جائیں تو آپ اپنے رب کو یاد کریں اور آپ یوں فرما دیجیے کہ امید ہے میرا رب مجھے وہ بات

بتادے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگ اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کرتے رہیں گے، کوئی کہے گا کہ وہ تین تھے، چوتھا ان کا کتا تھا، کوئی پانچ بتائے گا اور چھٹا کتا قرار دے گا اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، یہ تمام اقوال در حقیقت اندازوں اور گمانوں پر مبنی تھے، اسی لیے فرمایا:

رَجْمًا بِالْغَيْبِ: یعنی یہ سب بے دیکھے اور بے دلیل باتیں ہیں، محض ظن و تخمین کا تیر چلانا ہے، چنانچہ اصل حقیقت کو ان قیاسی اختلافات سے بالاتر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ رَّبِّيْ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ: یعنی اے میرے حبیب ﷺ! فرما دیجئے کہ ان کی صحیح تعداد کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اور بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں، یہ اسلوب اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہر وہ بحث جس کی بنیاد محض گمان ہو اور جس سے کوئی عملی ہدایت حاصل نہ ہوتی ہو، اس میں الجھنا دانشمندی نہیں۔

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا: نبی کریم ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ ان کے بارے میں بحث و مباحثہ نہ کریں، سوائے اس کے کہ اجمالی اور واضح بات بیان کر دیں، یعنی ایسے اختلافات میں الجھنے کی ضرورت نہیں جن کا نہ کوئی عملی فائدہ ہو اور نہ ہی ہدایت سے کوئی تعلق۔ اسی لیے مزید فرمایا:

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا: کہ آپ اس معاملے میں اہلِ کتاب سے بھی کوئی سوال نہ کریں، کیونکہ جب اصل علم اللہ کے پاس ہے تو ظنون و اوہام کے حامل لوگوں سے رجوع کرنا بے سود ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا: پھر سیاقِ کلام نہایت لطیف انداز میں قصہ سے ہٹ کر براہِ راست نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور آپ کو یہ ادب سکھایا جاتا ہے کہ کسی آئندہ کام کے بارے میں قطعی انداز میں یہ نہ کہیں کہ "میں کل یہ ضرور کر لوں گا"۔

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ: بلکہ ہر بات کو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کریں، کیونکہ حقیقی اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ تعلیم دراصل بندگی کا اعلیٰ مظہر ہے کہ انسان اپنے ارادے کو بھی اللہ کی مرضی کے تابع سمجھے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ: اگر کسی وقت "اِن شاء اللہ" کہنا بھول جائے تو جیسے ہی یاد آئے فوراً اللہ کا ذکر کرے اور اپنی بات کو اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ کر دے، یہ ہدایت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کا دل ہمیشہ اپنے رب کی یاد سے وابستہ رہنا چاہیے۔

وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا: اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ یہ دعا کریں کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ قریب اور بہتر ہدایت عطا فرمائے، گویا یہ تعلیم دی گئی کہ ہدایت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور اللہ اپنے بندے کو ہر مرحلے پر مزید روشنی اور بصیرت عطا فرماتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں تین بنیادی اصول نہایت حکیمانہ انداز میں بیان ہوئے، ① غیر ضروری اور بے بنیاد اختلافات سے اجتناب۔ ② علمِ حقیقی کو اللہ کے سپرد کرنا۔ ③ ہر کام کو اللہ کی مشیت کے ساتھ وابستہ کرنا۔ یہ آیات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان فضول بحثوں سے بچے، اللہ پر کامل اعتماد رکھے اور اپنے ہر ارادے کو "اِن شاء اللہ" کے نور سے منور کرے۔

اصحاب کہف غار میں کتنی مدت سوتے رہے؟

سوال اصحاب کہف نے غار میں کتنی مدت سوتے میں گزاری؟ قرآنی آیت سے وضاحت کریں۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا {۲۵} الکھف.

جواب ترجمہ: اور وہ (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال (سوتے) رہے۔

میلادی مدت کے لحاظ سے تین سو سال اور ہجری اعتبار سے نو سال زائد عرصہ انہوں نے سونے میں گزارا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی بات کو واضح کرتا ہے

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس مدت کی خبر دیتا ہے، جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو نو سال کی تھی۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے، اسی لئے تین سو الگ بیان کر کے پھر نو الگ بیان کئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اہل کہف کی مثال، حق کی پیروی، اخلاص و مومنین کا اجر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا {۲۶} وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا {۲۷} وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا {۲۸} وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۡ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا {۲۹} اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا {۳۰} اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا {۳۱} الکھف

جواب ترجمہ: (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے اسی کو آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے وہ کیا ہی دیکھنے والا ہے اور کیا ہی سننے والا ہے، ان لوگوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں فرماتا۔ اور آپ کے رب کی کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی اس کی تلاوت کیجیے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور ہرگز آپ اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے کو مقید رکھیے یہ لوگ اس کی رضا کے طالب ہیں اور آپ ایسا نہ کریں کہ دنیا والی زندگی کی زینت کے ارادہ سے ان سے آپ کی نظریں ہٹ جائیں اور ایسے شخص کی بات نہ ماننے جس کے دل

کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا، اور اس کا حال حد سے آگے بڑھ گیا۔ اور (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جس کا جی چاہے مومن ہو جائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے انہیں اس کی دیواریں گھیرے ہوئے ہوں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا، وہ مونہوں کو بھون ڈالے گا، وہ پینے کی بری چیز ہے، اور دوزخ آرام کی بری جگہ ہے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ بات واقعی ہے کہ ہم ان کا عمل ضائع نہیں کریں گے جو اچھے کام کرے۔ ان لوگوں کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، انہیں سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا، اور یہ لوگ سندس اور استبرق کے کپڑے پہنیں گے، جنت میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوں گے وہ بہت اچھا بدلہ ہے اور آرام کی اچھی جگہ ہے۔

قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا: اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اہلِ کہف نے جتنا عرصہ قیام کیا، اس کا حقیقی علم صرف اللہ کے پاس ہے، الموسوعۃ القرآنیہ کے مطابق، اللہ کے پاس آسمان و زمین کا سارا غیب ہے: **لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ**، اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں: **مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَّلِيٍّ**، اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا: **وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا**، یہ بیان ہمیں یاد دلاتا ہے کہ حقائقِ غیب میں انسان کا علم محدود ہے اور قیاس آرائی محض گمان پر مبنی ہو سکتی ہے۔

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ قرآن کی تلاوت اور تعلیم میں ثابت قدم رہیں، قرآن کی تعلیم میں مستقل رہیں: **وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ، مِنَ الْقُرْآنِ**، کوئی اللہ کے کلمات کو بدلنے پر قادر نہیں: **لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ**، اس کے سوا کوئی حقیقی پناہ گاہ نہیں: **وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا**، یہ ہدایت ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن کی رہنمائی انسان کے لیے سب سے بڑی پناہ اور روشنی ہے۔

وَاصبِر نَفسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدعُونَ رَبَّهُم بِالغَدَاةِ وَالعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجهَهُ: نبی ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ آپ اپنے آپ کو ان مخلص بندوں کے ساتھ رکھیں جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں، دنیا کی ظاہری چمک رکھنے والوں کی طرف نظر نہ اٹھائیں: وَلَا تَعدُ عَينَاكَ عَنهُم تُرِيدُ زِينَةَ الحَيَاةِ الدُّنيَا. اہلِ غفلت اور اللہ کے ذکر سے دور دل رکھنے والوں کی اطاعت نہ کریں: وَلَا تُطِع مَن أَغفَلنَا قَلبَهُ عَن ذِكرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ، یہ نصیحت ہمیں اخلاص اور سچائی کی صحبت اختیار کرنے اور دنیا کی رعنائی میں نہ بہکنے کی تعلیم دیتی ہے۔

وَقُلِ الحَقُّ مِن رَّبِّكُم: لوگوں سے واضح طور پر فرما دیجیے کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، ایمان یا کفر ہر شخص کی اپنی مرضی پر ہے فَمَن شَآءَ فَلۡيُؤۡمِن وَّمَن شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ. کافروں کے لیے عذاب شدید ہے، اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا، آگ پوری طرح ان پر محیط ہو گی، اگر پانی مانگیں تو پگھلے ہوئے تانبے جیسے پانی سے پلایا جائے گا، وَاِنۡ يَّسۡتَغِيۡثُوۡا يُغَاثُوۡا بِمَآءٍ كَالۡمُهۡلِ يَشۡوِى الۡوُجُوۡهَ، یہ اعلان اس بات کی یاد دہانی ہے کہ حق واضح ہے اور نتیجہ ہر شخص کی اپنی مرضی اور اعمال کے مطابق ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا: اہل ایمان اور نیکوکاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ہم عمدہ اعمال بجالانے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتے، یہ یقین دلاتا ہے کہ ہر نیک عمل اللہ کے ہاں محفوظ اور قابلِ جزا ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ: مؤمنین کی جزا جنتِ عدن ہے، جہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں، الموسوعہ القرآنیہ کے مطابق: سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، سبز ریشمی کپڑے: يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّيَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ، تختوں پر تکیہ لگائے آرام سے بیٹھیں گے: مُّتَّكِـئِيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ نِعۡمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا، یہ نعمتیں مؤمنین کے لیے بہترین اجر اور سکون کی علامت ہیں۔

خلاصۂ تفسیر: ① اہلِ کہف کے قیام کا صحیح علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ ② قرآن کی تعلیم میں ثابت قدم رہیں اور اللہ کے سوا کسی کو پناہ گاہ نہ سمجھیں۔ ③ اخلاص رکھنے والوں کی صحبت اختیار کریں اور دنیا کی ظاہری چمک میں نہ بہکیں۔ ④ حق کو واضح طور پر بیان کریں اور کافروں کے سخت انجام سے خبردار رہیں۔ ⑤ نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے اور مؤمنین کو جنت میں دائمی آرام اور نعمتیں نصیب ہوں گی۔ یہ آیات ہمیں ایمان، اخلاص، حق گوئی اور عمل صالح کی رہنمائی فراہم کرتی ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے واضح اصول بیان کرتی ہیں۔

دو باغ والوں کی عبرت انگیز مثال

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا {۳۲} كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا {۳۳} وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا {۳۴} وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا {۳۵} وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا {۳۶} قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا {۳۷} لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا {۳۸} وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا {۳۹} فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا {۴۰} اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا {۴۱} وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا {۴۲} وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا {۴۳} هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا {۴۴} الكهف

جواب ترجمہ: اور (میرے حبیب ﷺ) آپ ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجیے، ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے اور ان کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی اگا دی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پورا پھل دیتے تھے اور پھلوں میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی اور ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر جاری کر دی تھی۔ اور اس کے لیے اور بھی پھل تھے، سو اس نے باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مال والا ہوں اور میرے افراد بھی غلبہ پاتے ہیں۔ اور وہ اس حال میں اپنے باغ میں داخل ہوا کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا اس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی ہلاک ہو گا۔ اور نہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گی، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ ضرور ضرور پالوں گا۔ اس کے ساتھی نے جواب دیتے ہوئے کہا کیا تو نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا۔ لیکن میری بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا، اگر تو مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے کم ہوں۔ تو وہ وقت نزدیک ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرما دے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس کی وجہ سے تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اسے طلب کرنے کی کوشش نہ کر سکے۔ اور اس کے پھلوں کو آفت سے گھیر دیا گیا سو وہ اس حال میں ہو گیا کہ جو کچھ اس میں خرچ کیا تھا اس پر کف افسوس ملنے لگا۔ اور حال یہ تھا کہ اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہائے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ اور اس کے لیے ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلہ لینے والا تھا۔ ایسے موقع پر اللہ ہی کی مدد ہوتی ہے جو حق ہے وہ بہتر ہے ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت بلیغ اور سبق آموز مثال بیان فرمائی ہے، جس میں دو

اشخاص کا ذکر ہے، ایک وہ جو دنیاوی مال و دولت اور باغات کی فراوانی کے باوجود غرور و کفر میں مبتلا ہو گیا اور دوسرا وہ جو ظاہری اعتبار سے کمزور مگر ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال تھا، یہ مثال در حقیقت مومن و کافر کے فرق کو نمایاں کرنے کے لیے پیش کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے دو آدمیوں کا حال بیان کیجیے، ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو شاداب باغ عطا کیے، جن کے گرد کھجوروں کی قطاریں تھیں اور درمیان میں لہلہاتی کھیتی، یہ باغ اپنی بہار اور تازگی میں کامل تھے، نہ ان کے پھل میں کوئی کمی تھی اور نہ ان کی رونق میں کوئی خلل، مزید برآں ان کے درمیان ایک جاری نہر بھی بہتی تھی، جو اس نعمت کو اور بھی کامل بناتی تھی۔

اس شخص کو ان باغات کے علاوہ بھی وافر مال و اسباب حاصل تھا، مگر یہ نعمتیں اس کے لیے شکر کا ذریعہ بننے کے بجائے غرور و تکبر کا سبب بن گئیں، چنانچہ وہ اپنے مومن ساتھی سے فخر کے انداز میں کہنے لگا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس افراد و اعوان بھی زیادہ ہیں۔

ایک دن وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، مگر اس حال میں کہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا تھا، غرور نے اس کے دل کو اس قدر اندھا کر دیا کہ کہنے لگا: مجھے گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی فنا ہوں گے اور نہ ہی میں سمجھتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً اس سے بہتر مقام پاؤں گا۔

اس کے مقابلے میں اس کا مومن ساتھی نہایت حکمت اور شفقت کے ساتھ اسے نصیحت کرتا ہے، وہ کہتا ہے: کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے وجود بخشا اور ایک مکمل انسان بنا دیا؟ پھر اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے: میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

مزید نصیحت کرتے ہوئے وہ کہتا ہے: جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تجھے یوں کہنا چاہیے تھا: "ماشاء اللہ لا قوۃ اِلا باللہ" یعنی جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے اور اس کی توفیق کے بغیر کوئی قوت نہیں اور

یہ بھی سمجھاتا ہے کہ اگرچہ میں مال و اولاد میں تجھ سے کم ہوں، مگر ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تجھ سے بہتر عطا فرمائے اور تیرے باغ پر کوئی آسمانی آفت نازل کر دے جس سے یہ چٹیل میدان بن کر رہ جائے، یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور تو اسے ہر گز نہ پا سکے۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا اندیشہ دلایا گیا تھا، اچانک اس کے تمام باغات تباہی کی لپیٹ میں آ گئے اور اس کا سارا مال برباد ہو گیا، اب وہ حسرت و ندامت سے اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اور پکار اٹھا: کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔

مگر اب پچھتاوا بے سود تھا، نہ کوئی اس کی مدد کو آیا، نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا، آخر کار حقیقت آشکار ہوئی کہ اس موقع پر کارسازی اور اختیار صرف اللہ حق کے لیے ہے، وہی بہترین بدلہ دینے والا اور بہترین انجام عطا فرمانے والا ہے۔

یہ بلیغ مثال ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دنیا کی چمک دمک، مال و دولت اور ظاہری قوت دائمی ہے اور نہ ہی نجات کا ذریعہ، اصل کامیابی ایمان، شکر، تواضع اور اللہ پر کامل بھروسہ میں ہے، جبکہ تکبر، غرور اور کفر انسان کو بالآخر ہلاکت و حسرت کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔

حقیقت دنیا: ایک عارضی بہار کی مثال

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا {۴۵} الكهف

جواب ترجمہ: اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان کیجیے، جیسے کہ پانی ہو جو ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ذریعہ زمین سے اگنے والی چیزیں خوب گنجان ہو گئیں، پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا، جسے ہوائیں اڑا رہی ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اور آپ ان لوگوں کے

سامنے دنیا کی زندگی کی ایک مثال بیان کیجیے" یہ خطاب دراصل اُن متکبرین کے لیے ہے جو اہلِ ایمان، خصوصاً فقراء و مساکین کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنے قریب سے ہٹانے کا مطالبہ کرتے تھے، ان کے فریبِ نظر کو توڑنے کے لیے دنیا کی حقیقت ایک نہایت بلیغ تمثیل کے ذریعے واضح کی گئی۔

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ:

فرمایا کہ دنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، پھر اس کے ذریعے زمین کی روئیدگی گھنی اور شاداب ہو جاتی ہے، نباتات آپس میں گتھم گتھا ہو کر ایک دلکش منظر پیش کرتی ہیں، گویا زمین اپنی پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتی ہے، مگر یہ بہار عارضی ہے، چند ہی دنوں بعد یہی سرسبزی خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور ہوائیں اسے اڑا کر منتشر کر دیتی ہیں۔

اہلِ حکمت نے اس مثال میں نہایت گہری معنویت بیان کی ہے، دنیا کو پانی سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ پانی کبھی ایک جگہ ٹھہرتا نہیں، اسی طرح دنیا بھی کسی ایک کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، پانی اپنی حالت پر قائم نہیں رہتا، دنیا بھی ہر آن تغیر پذیر ہے، پانی بالآخر ختم ہو جاتا ہے، دنیا بھی فنا کے گھاٹ اترتی ہے اور جیسے کوئی شخص پانی میں داخل ہو کر اس کی تری سے نہیں بچ سکتا، ویسے ہی دنیا میں آنے والا اس کے فتنہ و آزمائش سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

مزید یہ کہ پانی اگر بقدرِ ضرورت ہو تو باعثِ نفع ہے، کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے، لیکن اگر حد سے بڑھ جائے تو تباہی کا سبب بن جاتا ہے، بعینہٖ دنیا بھی ہے، اس کی معتدل مقدار انسان کے لیے مفید ہے، مگر اس کی کثرت انسان کو سرکشی اور ہلاکت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اسی حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی کہ کامیابی اسی میں ہے کہ انسان دنیا کو ضرورت کے مطابق اختیار کرے اور اس کے فریب میں نہ آئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حقیقی فلاح اسی کو نصیب ہوئی جس نے اسلام قبول کیا، بقدرِ کفایت رزق پایا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نواز دیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ سرسبز و شاداب نباتات خشک ہو کر ٹوٹے پھوٹے تنکوں کی مانند ہو جاتی ہیں، جنہیں ہوائیں اڑا کر اِدھر اُدھر بکھیر دیتی ہیں، یہی دنیا کی حقیقت ہے، آج کی رونق کل کی ویرانی، آج کی بہار کل کی خزاں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا: اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے یعنی وہی اس کائنات کو پیدا کرنے والا، اسے فنا کرنے والا اور پھر دوبارہ زندہ کرنے والا ہے، اس کی قدرت کامل ہے اور وہ ہر نقص و کمزوری سے پاک ہے۔

یہ آیت انسان کو جھنجھوڑ کر یہ سبق دیتی ہے کہ دنیا کی چمک دمک محض ایک عارضی جلوہ ہے، اصل کامیابی اس میں نہیں، بلکہ اس رب کی رضا میں ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر آغاز اور ہر انجام ہے۔

باقی رہنے والی نیکیاں

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز اس آیت میں جو فرمایا **الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** اس سے کیا مراد ہے؟

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ الكهف.

جواب ترجمہ: مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید وابستہ کرنے کے لیے بھی بہتر۔

باقیات صالحات سے مراد وہ نیک عمل ہیں جو باقی رہنے والے ہیں، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان فقرا جیسے لوگ انجام دیتے ہیں۔

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَاباً: تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے افضل ہے۔

وَخَيْرٌ أَمَلاً: یعنی از روئے امید کے صاحب مال اور فرزندوں سے افضل ہیں نہ کہ عمل صالح سے، اور

دنیوی زیب وزینت میں خیر اور بھلائی نہیں ہے۔

باقیات صالحات کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آدمی کے قول و فعل میں سے ہر عمل صالح ہے جو آخرت کے لئے باقی رہے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی یوں ہی کہتے ہیں، علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اسے ترجیح دیتے ہیں، جب کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اسے درست تسلیم کرتے ہیں، اس لیے کہ ہر وہ کام جس کا ثواب باقی رہے اس کے لیے ایسا ہی کہنا مناسب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کھیتی دو قسم کی ہے دنیا کی کھیتی مال اور فرزند ہیں اور آخرت کی کھیتی باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو ان لوگوں کے لیے جمع کر دے گا۔ باقیات صالحات کے بارے میں ہر صاحب علم کی تعبیرات اپنی جگہ پر ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) سے مراد وہ کلمات ہیں جن کی فضیلت حدیث شریف میں مروی ہے

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ (مؤطا امام مالک) ایک روایت میں باقیات صالحات کے بارے میں یہ کلمات آئے ہیں اللّٰهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باقیات صالحات کی کثرت کرو۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا ہے، وہ تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا ہے، وہ تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا ہے، وہ تحمید یعنی الحمد للہ کہنا ہے، وہ حوقلہ یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ غُصْنًا فَخَرَطَهُ حَتَّى سَقَطَ وَرَقُهُ وَقَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتَّ هٰذَا خُذْهُنَّ إِلَيْكَ أَبَا الدَّرْدَاءِ قَبْلَ أَنْ يُحَالَ

بَيْنَكَ وَبَيْنَهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ وَصَفَايَا الْكَلَامِ وَهُنَّ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ (ثعلبی، تفسیر قرطبی)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک ٹہنی پکڑی اور اسے حرکت دی یہاں تک کہ اس کے پتے گر گئے اور فرمایا: بیشک جب مسلمان یہ کہتا ہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کے گناہ گر جاتے ہیں جیسا کہ یہ پتے گر گئے ہیں اے ابا الدرداء! انہیں اپنے پاس محفوظ کر لو۔ اس سے پہلے کہ تیرے اور ان کے درمیان کوئی حائل ہو، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں اور عمدہ اور خالص کلام میں سے ہیں اور یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عَلَيْكَ بِسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ فَإِنَّهُنَّ يَعْنِي يَحْطُطْنَ الْخَطَايَا كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا (ابن ماجہ) تجھ پر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا لازم ہے کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جس طرح درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقَةِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ: إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ لَتُسَاقِطُ مِنْ ذُنُوبِ الْعَبْدِ كَمَا تَسَاقَطَ وَرَقُ هَذِهِ الشَّجَرَةِ (ترمذی) حضرت نبی کریم ﷺ خشک پتوں والے درخت کے پاس سے گزرے تو آپ نے اسے چھڑی ماری تو پتے گرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر آدمی کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَأَنَّهَا قِيعَانٌ وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ

إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ (ترمذی) میں شب معراج حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے کہا: اے محمد! ﷺ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہنا اور انہیں یہ خبر دینا کہ جنت کی مٹی بڑی پاکیزہ اور زرخیز ہے، پانی بڑا عمدہ اور میٹھا ہے اور یہ کہ وہ بڑی ہموار اور نرم ہے اور اس کے پودے اور درخت سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اسی حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پوچھا کہ مَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (ماوردی، قرطبی) جنت کے درخت اور پودے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ يَغْرِسُ غَرْسًا فَقَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا الَّذِي تَغْرِسُ؟ قُلْتُ غِرَاسًا. قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى غِرَاسٍ خَيْرٌ مِنْ هَذَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ يُغْرَسُ لَكَ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ

حضرت نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور وہ پودے لگا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابا ہریرہ! تم کیا کر رہے ہو؟ "تو میں نے کہا: پودے لگا رہا ہوں، فرمایا: کیا میں تمہاری راہنمائی ایسے پودوں پر نہ کروں جو ان سے بہتر ہیں، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہر ایک کے بدلے تیرے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوں بھی کہا گیا ہے کہ باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیوں) سے مراد نیتیں اور ارادے ہیں، اس لیے کہ انہی کے ساتھ اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باقیات الصالحات سے مراد بنات یعنی بیٹیاں ہیں، جیسے کہ ابتدائی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سے مراد نیک اور پارسا بیٹیاں ہیں، ایسی صفات والی بیٹیاں

اپنے والدین کے لیے اجر و ثواب ہیں، آخرت میں ان سے وہ لوگ اپنی نیک امید وابستہ کر سکتے ہیں جنہوں نے ان سے احسان اور عمدہ سلوک کیا تھا۔

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي أُمِرَ بِهِ إِلَى النَّارِ فَتَعَلَّقَ بِهِ بَنَاتُهُ وَجَعَلْنَ يَصْرُخْنَ وَيَقُلْنَ رَبِّ إِنَّهُ كَانَ يُحْسِنُ إِلَيْنَا فِي الدُّنْيَا فَرَحِمَهُ اللهُ بِهِنَّ میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا، پھر اس کے ساتھ اس کی بیٹیاں چمٹ گئیں، انہوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور وہ کہہ رہی تھیں، اے ہمارے رب! یہ دنیا میں ہمارے ساتھ احسان کرتا تھا، اچھا سلوک کرتا تھا، چنانچہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دے گا۔ (تفسیر قرطبی)

قیامت کے مناظر اور عدل الٰہی کا بے لاگ حساب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا {۴۷} وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا {۴۸} وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّآ أَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا {۴۹} الکھف

جواب ترجمہ: اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ وہ کھلا میدان ہے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ وہ کھلا میدان ہے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ اور وہ آپ کے رب پر صفیں بنائے ہوئے پیش

کیے جائیں گے، بلاشبہ آج تم ہمارے پاس اسی حالت میں آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یوں سمجھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے۔ اور اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے سو آپ مجرمین کو دیکھیں گے کہ ان میں جو کچھ ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور وہ کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے کسی چھوٹے یا بڑے کو نہیں چھوڑا جسے لکھ نہ لیا ہو، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے، یعنی انہیں اپنی جگہوں سے ہٹا کر ریزہ ریزہ کر دیں گے اور تم زمین کو بالکل نمایاں اور ہموار دیکھو گے، اس پر نہ کوئی پہاڑ باقی رہے گا، نہ عمارت اور نہ کوئی درخت، زمین اپنی پوری سادگی اور برہنگی کے ساتھ ظاہر ہو جائے گی، اسی دن ہم تمام انسانوں کو جمع کریں گے اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو گا جو اس حشر سے بچ جائے، سب کے سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ: فرمایا کہ سب لوگ اپنے رب کے سامنے صف در صف پیش کیے جائیں گے، اس وقت انہیں جھنجھوڑتے ہوئے کہا جائے گا، تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، نہ مال ساتھ ہے، نہ جاہ و منصب، نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی ظاہری سہارا، مگر تم دنیا میں یہ گمان کرتے رہے کہ ہم تمہارے لیے حساب کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے، حالانکہ آج وہی وعدہ تمہارے سامنے حقیقت بن کر کھڑا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ: یہاں حساب کا مرحلہ بیان فرمایا کہ اعمال نامے رکھ دیے جائیں گے، اس منظر کو دیکھ کر مجرمین کے دل خوف سے کانپ اٹھیں گے، کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ اس کتاب میں ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا اندراج موجود ہے، وہ حیرت اور گھبراہٹ میں پکار اٹھیں گے، ہائے ہماری بدبختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی، مگر سب کو گن کر لکھ لیا ہے!

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا : پھر ہر شخص اپنے اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائے گا، نہ کسی کمی کے ساتھ اور نہ کسی زیادتی کے ساتھ، بلکہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ، اس موقع پر کسی کے ساتھ ذرّہ برابر بھی ناانصافی نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سراسر حق اور عدل پر مبنی ہے۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا: ارشاد فرمایا :اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا، یعنی جزا و سزا کا یہ نظام کامل انصاف پر قائم ہے، نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی، نہ کسی پر اس کے جرم سے بڑھ کر بوجھ ڈالا جائے گا۔

یہ آیات قیامت کے ابتدائی احوال، انسان کی بے بسی اور عدلِ الٰہی کی کامل تصویر پیش کرتی ہیں، یہ ہمیں متنبہ کرتی ہیں کہ دنیا کی مہلت دراصل امتحان ہے اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہر عمل کا حساب بے کم و کاست ہمارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

عداوتِ شیطان اور اطاعت الٰہی کا تقاضا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ أَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا {۵۰} الکھف

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنات میں سے تھا سو وہ اپنے رب کی فرمان برداری سے نکل گیا، کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کے لیے بہت برا بدل ہے۔

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے ازلی دشمن، شیطان، کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے ایک نہایت اہم عقیدتی و عملی سبق عطا فرمایا ہے، یہ آیت نہ صرف تخلیقِ آدم کے ایک عظیم واقعہ کو یاد دلاتی ہے بلکہ انسان کو اس کے مقام، ذمہ داری اور خطرات سے بھی خبردار کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدۂ تعظیمی کریں تو سب نے بلا چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی، مگر ابلیس نے سرکشی اختیار کی، اس کا یہ انکار محض ایک عمل نہیں تھا بلکہ تکبر، حسد اور بغاوت کا مظہر تھا، قرآن واضح کرتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ جنّات میں سے تھا، اس لیے اس میں نافرمانی کی صلاحیت موجود تھی، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اطاعت کے دائرے سے نکل گیا۔

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ: کے الفاظ نہایت بلیغ ہیں، جو اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ ابلیس نے محض ایک حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ وہ اللہ کی بندگی کے راستے سے ہی ہٹ گیا، یہی فسق اس کی دائمی لعنت اور محرومی کا سبب بنا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نہایت درد بھرے انداز میں انسانوں کو جھنجھوڑتا ہے، کیا تم ایسے دشمن کو اپنا دوست بناتے ہو، جو تمہاری ہلاکت کا خواہاں ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو انسان کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے، شیطان اور اس کی ذریت انسان کے کھلے دشمن ہیں، ان کا مقصد انسان کو گمراہ کرنا، اسے اللہ کی نافرمانی میں مبتلا کرنا اور بالآخر اسے تباہی کے گڑھے میں دھکیل دینا ہے۔

افسوس کہ انسان، جو اشرف المخلوقات ہے، وہ اپنے حقیقی محسن (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر اپنے ازلی دشمن کی پیروی اختیار کر لیتا ہے۔ اسی پر قرآن تبصرہ کرتا ہے: بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا: یعنی یہ کیسا برا سودا ہے کہ اللہ کی اطاعت کے بدلے شیطان کی غلامی اختیار کر لی جائے۔

اس آیت میں چند بنیادی حقائق نہایت وضاحت سے سامنے آتے ہیں: شیطان کی دشمنی قدیم، کھلی اور ناقابلِ انکار ہے۔ ابلیس کا انکار تکبر اور حسد کا نتیجہ تھا، جو انسان کے لیے بھی سب سے بڑے روحانی امراض ہیں۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی پیروی کرنا بدترین خسارہ ہے۔ انسان کو ہر حال میں اپنے رب کی بندگی اور اس کے احکام کی پیروی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ آیت درحقیقت انسان کے لیے ایک دائمی تنبیہ ہے کہ وہ اپنے راستے کا تعین سوچ سمجھ کر کرے، یا تو اطاعتِ الٰہی کا نورانی راستہ، یا پھر شیطان کی گمراہی کا تاریک راستہ۔

ابطال شرک اور قیامت کے دن باطل معبودوں کی رسوائی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا {۵۱} وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا {۵۲} وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا {۵۳} الکھف

جواب ترجمہ: میں نے انہیں آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا اور نہ ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔ اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ فرمائے گا کہ تم انہیں بلاؤ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ بنادیں گے۔ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نہایت مؤثر اور بلیغ انداز میں شرک کے باطل عقیدے کی جڑ کاٹ دی ہے اور یہ واضح فرمادیا ہے کہ جن ہستیوں کو مشرکین اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہ نہ تخلیق میں شریک ہیں، نہ اقتدار میں اور نہ ہی قیامت کے دن کسی کے کام آنے والے ہیں۔

ربط ماقبل: یہ آیت گزشتہ آیت کا تسلسل ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ ابلیس اور اس کی ذریت کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں شریک کیا اور نہ ہی انہیں خود ان کی پیدائش کے وقت حاضر کیا، گویا وہ نہ خالق ہیں، نہ معاونِ خالق، بلکہ سراسر عاجز اور بے اختیار مخلوق ہیں، حقیقت یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی قدرت کے ظہور میں کسی کو شریک نہیں بنایا اور نہ وہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بناتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خود گمراہ ہوں، وہ کسی کے رہنما یا مشکل کشا کیسے بن سکتے ہیں؟

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ: یہاں قیامت کے دن کا ایک نہایت ہولناک منظر پیش کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخاطب کر کے فرمائے گا: "بلاؤ اپنے ان شریکوں کو جنہیں تم نے میرا شریک گمان کیا تھا" چنانچہ وہ اپنے خود ساختہ معبودوں، خواہ وہ بت ہوں، جنّات ہوں یا دیگر باطل ہستیاں، کو پکاریں گے، مگر وہاں کوئی جواب نہ ملے گا، نہ کوئی مدد کو آئے گا اور نہ کوئی فریاد رسی کرے گا، اس کے برعکس، ان کے اور ان کے معبودوں کے درمیان ایک ہلاکت خیز آڑ حائل کر دی جائے گی، جو انہیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا کر دے گی اور یہی ان کی ناکامی اور رسوائی کی انتہا ہو گی۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا: یہ آیت اس انجام کو مزید واضح کرتی ہے، جب مجرم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ اس میں گرنے والے ہیں، اس وقت نہ کوئی تدبیر کام آئے گی، نہ کوئی پناہ گاہ ملے گی اور نہ ہی فرار کا کوئی راستہ ہو گا، ہر طرف سے مایوسی، حسرت اور عذاب ہی عذاب ہو گا۔

ان آیات کا مجموعی پیغام نہایت واضح ہے، شیطان اور اس کے پیروکار نہ خالق ہیں، نہ مددگار، لہٰذا ان کی اطاعت سراسر گمراہی ہے، شرک کی بنیاد بے حقیقت اور وہم پر ہے، جس کا قیامت میں کوئی سہارا نہ ہو گا، باطل معبود اپنے پجاریوں کو چھوڑ دیں گے اور وہ تنہا عذاب کے حوالے کر دیے جائیں گے، قیامت کا عذاب یقینی ہے اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں سوائے ایمان و اطاعت کے۔ یہ آیات انسان کو جھنجھوڑ کر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے ربِ حقیقی کی بندگی اختیار کرے یا باطل سہاروں کے پیچھے چل کر ابدی خسارے کا شکار ہو جائے۔

ہدایت کی وضاحت کے باوجود انسانی جدل اور ہٹ دھرمی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا

{۵۴}وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا {۵۵}الکھف

جواب ترجمہ: اور لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے عمدہ مضامین بیان کیے۔ اور انسان جھگڑے میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے۔ اور ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اس بات نے روکا ہے کہ ان کے ساتھ اگلے لوگوں جیسا معاملہ ہو جائے یا ان کے آمنے سامنے عذاب آجائے۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے ایک نہایت اہم اور افسوسناک پہلو کو بے نقاب کیا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ ہدایت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دلیل کی کمی نہیں بلکہ انسان کی اپنی ضد، تکبر اور بے جا جدل ہے، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر میں اسی حقیقت کو نہایت گہرائی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں انسانوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں، دلائل اور اسالیبِ بیان کو بار بار مختلف انداز سے پیش کیا ہے، یہ تنوع اور تکرار اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے ہدایت کو ہر پہلو سے روشن اور واضح کر دیا ہے، تاکہ کسی کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصریف (بار بار مختلف انداز سے بیان کرنا) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حجت کو مکمل کر دیا گیا ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑا گیا۔ اس کے باوجود قرآن یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا: یعنی انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

یہاں مراد وہ انسان ہے جو حق واضح ہو جانے کے باوجود محض اپنی خواہش، انا اور تعصب کی بنا پر بحث و تکرار میں پڑا رہتا ہے، وہ دلیل کو قبول کرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کرنے لگتا ہے اور یوں اپنی گمراہی کو خود مضبوط کر لیتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى: اس آیت میں اس ہٹ دھرمی کی اصل جڑ کو بیان کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ جب ہدایت ان کے پاس آچکی، تو انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے کسی چیز نے نہیں روکا، سوائے اس کے کہ وہ گزشتہ قوموں جیسا انجام دیکھنا چاہتے ہیں یا عذاب کو اپنی آنکھوں سے سامنے آتا ہوا دیکھ لیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دلیل کی بنیاد پر انکار نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ ضد اور سرکشی میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ گویا کہتے ہوں، پہلے عذاب آجائے، پھر مانیں گے! حالانکہ یہ طرزِ فکر سراسر ہلاکت کا راستہ ہے، کیونکہ ایمان بالغیب ہی اصل امتحان ہے۔ لفظ قُبُلًا کی تشریح میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عذاب کا سامنے آنا، عیان ہونا ہے، یعنی وہ اس وقت تک ایمان لانے کو تیار نہیں جب تک حقیقت آنکھوں کے سامنے ظاہر نہ ہو جائے اور یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں ایمان لانا بے سود ہو جاتا ہے۔

ان دونوں آیات کا خلاصہ یہ ہے، قرآن نے ہدایت کے لیے ہر ممکن اسلوب اختیار کیا اور ہر قسم کی مثالیں بیان کر دیں۔ اس کے باوجود منکرین کا انکار علمی نہیں بلکہ نفسیاتی اور اخلاقی بیماری، یعنی ضد اور تکبر، کا نتیجہ تھا۔ وہ دلیل کے بجائے عذاب کے منتظر تھے، جو ان کی انتہائی گمراہی کی علامت ہے، انسان کے لیے اصل کامیابی یہی ہے کہ وہ حق کو دلیل کے مرحلے پر ہی قبول کر لے، نہ کہ عذاب کے ظہور کا انتظار کرے، یہ آیات درحقیقت ہر دور کے انسان کے لیے ایک آئینہ ہیں، جو یہ بتاتی ہیں کہ ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے، مگر اسے بند کرنے والا خود انسان ہی ہوتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد بعثت

سوال حضرات انبیاء ورسل کی بعثت کے اہداف کیا ہوتے ہیں؟ آیت کی روشنی میں بتائیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا {۵۶} الکھف

جواب ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں کو) خوشخبری دیں اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے حق کو ڈگمگا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔

تفسیر: یہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بعثت کے اصل مقصد کو نہایت جامع اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے اور اس کے بالمقابل منکرین کے رویّے کی حقیقت کو بھی بے نقاب کیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر اس لیے کہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہوں، یعنی ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو جنت اور رضائے الٰہی کی خوشخبری سنائیں اور منکرین کو عذابِ الٰہی سے خبردار کریں، گویا رسالت سراسر خیر خواہی، رہنمائی اور اتمامِ حجت کا نام ہے، نہ کہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق معجزات دکھانے یا ان کے بے جا مطالبات پورے کرنے کا۔ لیکن اس کے برعکس کفار کا طرزِ عمل نہایت افسوسناک رہا۔ فرمایا:

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ: یعنی کافر لوگ باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں، ان کا یہ جدل محض علمی بحث نہ تھا، بلکہ عناد، ہٹ دھرمی اور ضد کا مظہر تھا، وہ رسولوں پر بے بنیاد اعتراضات کرتے، کبھی انہیں جادوگر کہتے، کبھی شاعر اور کبھی ان سے ناممکن مطالبات پیش کرتے، یہ سب کچھ اس لیے کہ حق کو کمزور کر سکیں۔ مزید فرمایا:

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ: یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اپنے باطل دلائل کے ذریعے حق کو اس کے مقام سے ہٹا دیں، لفظ "اِدحاض" نہایت معنی خیز ہے، جس کے اندر پھسلانے اور گرا دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے، گویا وہ حق کو ایسے گرانا چاہتے ہیں جیسے کوئی پاؤں کو پھسلا دے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حق اپنی جگہ مضبوط اور قائم رہتا ہے، اور باطل خود ہی مٹ جاتا ہے۔ پھر ان کے طرزِ عمل کی انتہا یہ بیان فرمائی گئی:

وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا: یعنی انہوں نے اللہ کی آیات اور انذارِ عذاب دونوں کو مذاق بنا لیا، قرآنِ مجید، جو سراسر ہدایت ہے، ان کے لیے استہزاء کا نشانہ بن گیا اور قیامت و عذاب کی تنبیہات کو بھی انہوں نے سنجیدگی سے لینے کے بجائے ہنسی کھیل سمجھ لیا۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے: انبیاء علیہم السلام کی بعثت رحمت، ہدایت اور اتمامِ حجت کے لیے ہوتی ہے۔ کفار کا جدل علمی نہیں بلکہ باطل اور ضد پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ حق کو مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، مگر حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اللہ کی آیات اور وعیدوں کا مذاق اڑانا انتہائی گمراہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ یہ آیت انسان کو سنجیدگی، حق پسندی اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو قبول کرنے کی دعوت دیتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ جو قومیں حق کا مذاق اڑاتی ہیں، وہ بالآخر خود اپنے انجام پر ہنسی کا نشانہ بن جاتی ہیں۔

آیاتِ الٰہی سے اعراض، دلوں کی محرومی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا {۵۷} وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِلًا {۵۸} وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا {۵۹} الکھف

جواب ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جسے اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی گئی سو اس نے ان سے روگردانی کی اور جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اسے بھول گیا بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر اس کے سمجھنے سے پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے، اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں ہرگز ہدایت پر نہ آئیں گے۔ اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا ہے، رحمت والا ہے، اگر وہ لوگوں کی ان کے اعمال کی وجہ سے گرفت فرماتا تو ان

کے لیے جلد ہی عذاب بھیج دیتا، بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے، اس وقت وہ اس سے ورے کوئی پناہ کی جگہ ہر گز نہ پائیں گے۔ اور ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ: یہ آیت اس سوال سے آغاز کرتی ہے کہ آخر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے، مگر وہ دانستہ ان سے منہ موڑ لے اور اپنے ان اعمال کو بھی فراموش کر دے جو وہ آگے بھیج چکا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا: یہ محض غفلت نہیں بلکہ ایک ارادی اعراض ہے، ایسا اعراض جس میں انسان نہ صرف حق کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ اپنے انجام سے بھی بے پرواہو جاتا ہے، یہی کیفیت در حقیقت ظلم کی انتہا ہے، چنانچہ جب کوئی شخص مسلسل حق سے روگردانی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق اس کے دل پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں اور اس کے کانوں میں ایسا بوجھ پیدا کر دیا جاتا ہے کہ وہ حق کو سننے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہتا، یہ سزا ابتداءً نہیں بلکہ اس کے اپنے اختیار کردہ رویّے کا نتیجہ ہوتی ہے، یوں وہ ہدایت کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر بھی اس میں داخل نہیں ہو پاتا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ: اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی شانِ رحمت کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کے ہر گناہ پر فوراً گرفت کر لیتا، مگر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مہلت دیتا ہے، تاکہ شاید انسان پلٹ آئے، سوچے اور توبہ کر لے۔

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِلًا: لیکن یہ مہلت دائمی نہیں، ہر فرد اور ہر قوم کے لیے ایک مقررہ وقت ہے، جس کے بعد نہ کوئی پناہ مل سکتی ہے اور نہ کوئی جائے فرار، جب وہ وقت آ پہنچتا

ہے تو پھر انسان اپنی تمام تدبیروں کے باوجود اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔

وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا: اسی حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ گزشتہ قوموں کا حوالہ دیتا ہے کہ کتنی ہی بستیاں ایسی ہوئیں جنہیں ان کے ظلم اور انکار کے باعث ہلاک کر دیا گیا، ان کے لیے بھی ایک وقت مقرر تھا اور جب وہ وقت آیا تو ان کی طاقت، ان کا مال اور ان کی تدبیریں سب بے کار ثابت ہوئیں۔

حاصلِ کلام: یہ آیات ہمیں تین بڑی حقیقتوں سے آگاہ کرتی ہیں، حق سے اعراض سب سے بڑا ظلم ہے، خصوصاً جب دلائل واضح ہو جائیں، اللہ کی مہلت دھوکہ نہیں بلکہ موقع ہے، واپسی کا، اصلاح کا، انجام سے کوئی نہیں بچ سکتا، جب مقررہ وقت آجائے تو نہ کوئی پناہ ہوتی ہے اور نہ کوئی مددگار۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے یہاں کن لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا {٦٠} فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا {٦١} فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا {٦٢} قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا {٦٣} قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا {٦٤} الكهف

جواب ترجمہ: اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے جوان سے کہا کہ میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں مجمع البحرین کو پہنچ جاؤں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں۔ سو جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچ گئے تو اپنی مچھلی کو بھول گئے سو وہ مچھلی سمندر میں راستہ بنا کر چلی گئی۔ سو جب وہ آگے بڑھ گئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ اس میں شک نہیں کہ اس سفر کی وجہ سے ہم کو بڑی تکلیف پہنچ گئی۔ جوان نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں جب ہم نے پتھر کے پاس

ٹھکانا لیا تھا تو بیشک میں مچھلی کو بھول گیا اور مچھلی کو یاد رکھنا مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا، اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طور پر اپنا راستہ بنالیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا یہی وہ موقع ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس لوٹے۔

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے وفادار خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ایک نہایت سبق آموز اور حکمت سے بھرپور واقعہ بیان ہوا ہے، جس میں علمِ الٰہی کی طلب، رہنمائی کی تلاش اور اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیوں کا ظہور نمایاں ہوتا ہے۔

اس واقعہ میں موسیٰ سے مراد مشہور پیغمبر موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں نوف بکالی نے جو دوسرے کسی موسیٰ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا ہے صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے اس پر سخت رد منقول ہے اور فتیٰ کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں جب یہ لفظ کسی خاص شخص کی طرف منسوب کر کے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا خادم مراد ہوتا ہے کیونکہ خدمت گار اکثر قوی جوان دیکھ کر رکھا جاتا ہے جو ہر کام انجام دے سکے اور نوکر و خادم کو جوان کے نام سے پکارنا اسلام کا حسن ادب ہے کہ نوکروں کو بھی غلام یا نوکر کہہ کر خطاب نہ کرو بلکہ اچھے لقب سے پکارو اس جگہ فتیٰ کی نسبت موسیٰ کی طرف ہے اس لئے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم اور روایات حدیث میں ہے کہ یہ خادم یوشع بن نون ابن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے بعض روایات میں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے مگر اس میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا صحیح روایات سے ان کا نام یوشع بن نون علیہ السلام ہونا تو ثابت ہے باقی اوصاف و حالات کا ثبوت نہیں (قرطبی)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا: اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں دو سمندر آپس میں ملتے ہیں، مفسرین نے اسے ایک خاص جغرافیائی مقام قرار دیا ہے اور بعض نے خلیج عقبہ اور خلیج سوئس کے سنگم کی طرف اشارہ کیا ہے، بہر حال، اصل مقصود اس جگہ کی تعیین نہیں بلکہ وہ نشانِ الٰہی ہے جو وہاں ظاہر ہونا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم ایک مچھلی ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے، جو ان کے لیے ایک علامت مقرر کی گئی تھی، چنانچہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو نَسِيَا حُوْتَهُمَا کے تحت مچھلی کا خیال نہ رہا، اگرچہ بظاہر یہ نسیان دونوں کی طرف منسوب کیا گیا، لیکن درحقیقت یہ بھول حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے ہوئی، جیسا کہ عربی اسلوب میں کبھی ایک کے فعل کو دونوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

اسی دوران وہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور قرآن نے اس منظر کو نہایت بلیغ انداز میں یوں بیان کیا :فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، یعنی اس نے سمندر میں اپنا راستہ اس طرح بنایا جیسے کوئی سرنگ ہو، یہ ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ تھا، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد میں تعجب کے ساتھ ملاحظہ فرمایا۔

جب یہ دونوں اس مقام سے آگے بڑھ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، یعنی ہمیں اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تھکاوٹ اسی وقت محسوس ہوئی جب وہ اس مقررہ مقام سے آگے نکل گئے، گویا اللہ تعالیٰ نے اس نشانی کے مقام تک انہیں مشقت سے محفوظ رکھا۔

اس پر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وہ واقعہ یاد آیا اور عرض کیا :فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ، کہ میں مچھلی کے بارے میں بھول گیا تھا اور شیطان نے مجھے یاد رکھنے سے غافل کر دیا، درحقیقت یہ بھول ایک ظاہری سبب تھا، ورنہ حقیقت میں یہی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ نشانی کا ظہور تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً فرمایا :ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ، یعنی یہی تو وہ چیز تھی جس کی ہمیں تلاش تھی، چنانچہ دونوں فوراً پلٹے اور فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا کے مطابق اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے اسی مقام کی طرف واپس آئے، تاکہ مطلوبہ جگہ تک درست طور پر پہنچ سکیں۔

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ سفر محض ایک عام سفر نہ تھا، بلکہ علمِ لدنی کے حصول کے لیے ایک عظیم جستجو تھی، مچھلی کا زندہ ہو کر سمندر میں چلے جانا ایک الٰہی علامت تھی اور

نسیان کا یہ واقعہ بظاہر بھول ہونے کے باوجود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت ایک رہنمائی کا ذریعہ بن گیا۔

یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ سچے طالبِ علم کو سفر کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، بظاہر معمولی واقعات میں بھی حکمتِ الٰہی پوشیدہ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خاص نشانیوں کے ذریعے منزل تک پہنچاتا ہے، یوں یہ قصہ علم، طلب، صبر اور توکل علی اللہ کا ایک نہایت بلیغ اور ایمان افروز نمونہ پیش کرتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع بن نون علیہما السلام کی ملاقات جس نیک بندہ سے ہوئی وہ کون تھے؟

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا {٦٥} الكهف.

جواب ترجمہ: تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔

وہاں ایک بندۂ خدا کو پایا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خاص علم سکھایا ہوا تھا جس میں نبوت اور ولایت دونوں کا احتمال ہے، اس علم سے مراد علمِ اسرار کونیہ ہے اور اس علم کو حصول قرب میں کچھ دخل نہیں جس علم کو قرب میں دخل ہے وہ علمِ اسرار الٰہیہ ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام بڑھے ہوئے تھے۔ (بیان القرآن: ص:۱۲۸: ج:۱)

عبداً: الخ اس عبد سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں دونوں قول لکھے ہیں۔ علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کا قول لکھا ہے کہ وہ نبی تھے۔ (تفسیر بحر محیط: ص:۱۴۷: ج:۶: روح المعانی: ص:۴۰۲: ج:۱۵: قرطبی: ص:۱۸: ج:۱۱) اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو

صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی تھے مگر رسول نہیں تھے اور فرماتے ہیں ان کے نبی ہونے کی سب سے زیادہ واضح دلیل وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ہی ہے۔ (کہف: ۸۲) (فتح الباری باب مایستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم الخ: ج:۱: ص:۱۷۶)

حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ نبی تھے چونکہ رَحْمَةً پر تنوین تنکیر کی ہے جو کامل رحمت پر دال ہے وہ وحی اور نبوت ہے۔ (ابو سعود: ص:۳۹۳: ج:۳) جمہور حضرات فرماتے ہیں رَحْمَةً سے مراد وحی اور نبوت ہے۔ (روح المعانی: ص:۴۰۲: ج:۱۵)

اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ اس میں بھی دونوں قول ہیں اور یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں جس پر کوئی حکم شرعی موقوف ہو اور ان کی حیات ممات کا عقیدہ رکھنا مؤمن ہونے کیلئے ضروری ہو بڑے بڑے اکابر میں اختلاف ہے حقیقت کو پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں جو لوگ حیات کے قائل ہیں ان کی یقینی طور پر بھی تغلیط نہیں کی جاسکتی۔ محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر حضرات شدت سے ان کی حیات کا انکار کرتے ہیں اور دیگر محدثین ان کی حیات کے قائل ہیں، سند کئی اعتبار سے کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم انکی حیات کے قائل ہیں۔ (گو ان حضرات سے جو روایات بھی پہنچی ہیں وہ بھی متکلم فیہ ہیں) اور باقی رہے حضرات صوفیا کرام رحمۃ اللہ علیہم تو وہ نہ صرف انکی حیات کے قائل ہی ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتیں ہیں۔ ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ اندلسی لکھتے ہیں وَالْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّهُ مَاتَ کہ جمہور فرماتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ (بحر محیط: ص:۱۴۷: ج:۶)

محاکمہ: کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں اقوال کے درمیان محاکمہ فرمایا ہے وہ یہ کہ تمام اشکالات کا حل اس میں ہے جو حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے فرمایا وہ یہ ہے کہ میں نے خود حضرت خضر علیہ السلام سے اس معاملہ کو حالت کشف میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں اور حضرت الیاس علیہ السلام ہم دونوں

زندہ نہیں ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری: ص: ۶۲: ج: ۶)

حکمت خضر علیہ السلام کا آغاز

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ الکھف

جواب ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ سے کہا کیا میں اس شرط پر تمہارے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ کو جو کچھ علم مفید سکھایا گیا ہے وہ آپ مجھے سکھا دیں۔ اس بندہ نے کہا بلاشبہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکتے۔ اور اس چیز پر تم کیسے صبر کرو گے جو چیز تمہارے علمی احاطہ میں نہیں ہے؟ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

تفسیر: یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہونے والا نہایت بامعنی اور حکمت آموز مکالمہ بیان ہوا ہے، جو علمِ نافع کے حصول، استاذ کے احترام اور صبر و تحمل کی اعلیٰ قدروں کو نہایت خوبصورتی سے اجاگر کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، باوجود اپنے جلیل القدر منصبِ نبوت کے، نہایت عاجزی اور ادب کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، یعنی کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ رشد و ہدایت والا علم سکھائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے؟ اس طرزِ گفتگو میں نہ صرف علم کی طلب جھلکتی ہے بلکہ استاذ کے سامنے تواضع اور اجازت طلب کرنے کا بہترین اسلوب بھی نمایاں ہے، گویا ایک نبی بھی علم کے معاملے میں خود کو طالبِ علم ہی سمجھتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا :إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے، اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان کے بعض افعال بظاہر ایسے ہوں گے جو شریعت کے عمومی ظاہری معیار کے خلاف محسوس ہوں گے اور ایک نبی کے لیے ایسے امور پر خاموش رہنا آسان نہیں ہوتا۔

اسی حقیقت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا :وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا، یعنی جس چیز کی حقیقت اور باطنی حکمت سے آپ واقف نہیں، اس پر صبر کیسے ممکن ہو گا؟ اس میں ایک نہایت گہرا اصول مضمر ہے کہ انسان عموماً اسی چیز پر بے صبری کا اظہار کرتا ہے جس کی حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آئے، حالانکہ بسا اوقات اس کے پس پردہ عظیم حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ادب اور حسنِ نیت کے ساتھ جواب دیا :سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ یہاں "ان شاء اللہ" کہنا اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے اپنی قوتِ صبر کو اللہ کی مشیت کے ساتھ وابستہ کیا، کیونکہ غیر معمولی حالات میں صبر کرنا آسان نہیں ہوتا۔

ان آیات سے یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ: علم کے حصول کے لیے تواضع اور ادب بنیادی شرط ہے، استاذ کے سامنے جھکنا اور اس سے اجازت طلب کرنا سنتِ انبیاء ہے، ہر وہ چیز جو بظاہر ناپسندیدہ ہو، ضروری نہیں کہ حقیقت میں بھی بری ہو، صبر، خصوصاً ایسے امور میں جن کی حکمت واضح نہ ہو، ایک اعلیٰ درجہ کی صفت ہے، طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے استاذ کی ہدایات کا احترام کرے اور جلد بازی سے بچے۔

مقام ملاقات موسیٰ و خضر علیہما السلام: تفاسیر معتبرہ کے مطابق، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے مقام مجمع البحرین پر ہوئی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ، قدیم مفسرین کے مطابق اس مقام کی تعیین میں مختلف آراء

پائی جاتی ہیں: امام زمخشری لکھتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں خلیج فارس اور بحر روم کا سنگم ہوتا ہے، جبکہ بعض دیگر کے نزدیک یہ طنجہ (مراکش) یا افریقہ کے ساحلی علاقے بھی ہو سکتے ہیں، مقامِ ملاقات کی کیفیت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے: بعض روایتیں کہتی ہیں کہ ملاقات خشکی پر کسی صخرہ کے پاس ہوئی اور بعض صحیح بخاری کی روایت کے مطابق خضر علیہ السلام سمندر کے وسط میں موجود تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے وہیں ملاقات کی، دیگر تفاسیر یہ وضاحت کرتی ہیں کہ مجمع البحرین سے مراد مشرقی ساحل کے قریب مقام ہے، یوں تمام معتبر روایات اور تفاسیر اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن نے اسے مجمع البحرین ہی قرار دیا ہے اور کسی خاص جغرافیائی نقطے کی قطعی تصدیق نص یا وحی سے نہیں ہوئی، لہٰذا مقامِ ملاقات کی درست تعبیر یہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات وجدائی کا منظر

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امر ربی سے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اس بارے میں آیات قرآنیہ کی روشنی میں بیان فرمائیں، نیز یہ بتایئے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس شرط پر ساتھ لے چلنے کا فرمایا۔

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا {۷۰} الکھف.

جواب ترجمہ: حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر فرمایا ہے، اس آیت مبارکہ میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے عائد کی گئی اس شرط کا ذکر ہے جس میں انہوں نے حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ چلنے کی ایک شرط یہ ہے کہ جب تک میں آپ سے خود کسی پیش آمدہ واقعہ سے متعلق عرض نہ کروں آپ نے بولنا نہیں ہے۔

سوال حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات و معاملات طے ہوئے، پھر اگلا مرحلہ کیا تھا؟

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا {۷۱} قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا {۷۲} قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا {۷۳} فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا {۷۴} قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا {۷۵} قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا {۷۶} فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى ۙ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا {۷۷} قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا {۷۸} اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا {۷۹} وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا {۸۰} فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا {۸۱} وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا {۸۲} الکھف

جواب ترجمہ: چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو ان صاحب نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ بولے: ارے کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔ خضر نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟ موسیٰ نے کہا: مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنایئے، وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ بول اٹھے: ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان

کو ہلاک کر دیا، جبکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی، جس کا بدلہ اس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا۔ خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟ موسیٰ بولے: اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے۔

یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں، چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی، ان صاحب نے اسے کھڑا کر دیا۔

موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے۔ خضر نے کہا: لیجیے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔ جہاں تک کشتی کا تعلق ہے وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو اور حسن سلوک میں بھی اس سے بڑھی ہوئی ہو، رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے تین عظیم واقعات نہایت جامع انداز میں بیان ہوئے ہیں، یہ واقعات بظاہر عجیب، بلکہ بعض اوقات خلافِ عقل

محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب ان کی حقیقت کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل کے پیچھے گہری حکمت اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کار فرما ہے۔

قرآنِ کریم نے ہر مرحلے کے آغاز کو فَانْطَلَقَا کے لفظ سے تعبیر کیا، یعنی دونوں آگے بڑھتے گئے اور ہر نئے مرحلے میں ایک نیا امتحان سامنے آتا گیا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طلبِ علم کا سفر مرحلہ وار آزمائشوں سے بھرا ہوتا ہے۔

پہلا واقعہ: کشتی کا ہے، جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسے عیب دار کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا، یعنی آپ نے ایک بہت بڑا اور سنگین کام کیا ہے، یہاں إِمْرًا ایسے عمل کو کہا گیا جو نہایت ہولناک اور غیر معمولی ہو، بظاہر یہ ایک ظلم محسوس ہوتا تھا کہ ایک غریب قوم کی کشتی کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔

یہاں کشتی کو عیب دار کرنے کا ذکر ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا، مفسرین کے مطابق یہ سوراخ اس طرح کیا گیا کہ کشتی کے تختوں میں سے ایک یا دو تختے نکال دیے گئے، حتیٰ کہ وہ بظاہر عیب دار نظر آنے لگی، بعد میں اس کی علت خود حضرت خضر علیہ السلام نے بیان فرمائی کہ ایک ظالم بادشاہ ہر صحیح و سالم کشتی کو زبردستی ضبط کر لیتا تھا، اس لیے انہوں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ وہ اس کی نظر سے بچ جائے، روایات میں آتا ہے کہ جب بادشاہ کے کارندے آئے تو انہوں نے کشتی کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر چھوڑ دیا، پھر اہلِ کشتی نے اسے معمولی مرمت سے درست کر لیا۔

یہ ظالم بادشاہ صرف ظالم ہی نہیں تھا بلکہ کافر بھی تھا، اس کا نام جلندیٰ ازدی بن کرکَرد تھا، یہ جزیرہ اندلس کے شہر قرطبہ میں براجمان تھا۔ (فتح الرحمٰن، تفسیر طہ الدرۃ، روح البیان) جلندی کا تعلق عمانی بادشاہوں کے سلسلہ کے ساتھ بھی جوڑ گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے مطابق اس کا نام ھدد بن بدد تھا، یہ عیص بن اسحاق کی اولاد میں سے تھا، یہ نام تورات میں مذکور ہے۔ یہ بہت ہی ظالم اور سفاک بادشاہ تھا، لوگوں کی کشتیاں غصب کر لیتا تھا، اسی وجہ سے خضر نے اس کشتی کا پھٹا اکھاڑ دیا تھا۔

دوسرا واقعہ: اس سے بھی زیادہ شدید تھا، جب حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے کو قتل کر دیا، اس بچے کی فطرت میں کفر و سرکشی تھی، اگر وہ بڑا ہوتا تو اپنے والدین کے لیے سخت آزمائش بن جاتا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا، یعنی آپ نے تو نہایت ہی منکر اور ناقابلِ برداشت کام کیا، یہاں نُكْرًا کا لفظ استعمال ہوا جو ایسے فعل کے لیے آتا ہے جسے عقل بھی قبول نہ کرے۔ مزید فرمایا :نَفْسًا زَكِيَّةً، یعنی ایک پاک اور معصوم جان کو ناحق قتل کر دیا گیا، یہ اعتراض اپنی جگہ بالکل بجا تھا، کیونکہ ظاہر میں یہی حقیقت تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر بار ادب کے ساتھ اپنی بات کہتے اور عرض کرتے :لَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا، یعنی میری اس لغزش پر مجھے سختی میں نہ ڈالیں، اس میں ایک طالبِ علم کا ادب اور اپنی کمزوری کا اعتراف نمایاں ہے۔

تیسرا واقعہ: ایک بستی میں پیش آیا، جہاں کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، لیکن اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعجب سے فرمایا :لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا، یعنی آپ چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے، کیونکہ یہ لوگ اس کے مستحق نہ تھے۔ اس بستی کی کوئی تعیین نہیں ہے، البتہ اس بستی کے رہنے والے لوگ بخیل اور غیر مہمان نواز ضرور تھے،

یہاں پہنچ کر حضرت خضر علیہ السلام نے ان تمام واقعات کی حقیقت بیان فرمائی، کشتی کے بارے میں بتایا کہ وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت کر کے روزی کماتے تھے اور ایک ظالم بادشاہ ہر صحیح کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا، اس لیے میں نے اسے عیب دار کر دیا تاکہ وہ محفوظ رہے، گویا بظاہر نقصان درحقیقت حفاظت کا ذریعہ تھا۔

بچے کے بارے میں فرمایا کہ وہ آئندہ چل کر اپنے مومن والدین کے لیے سخت آزمائش بن جاتا اور انہیں کفر و سرکشی میں مبتلا کر دیتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس کے بدلے ایک زیادہ پاکیزہ اور رحمت والا بیٹا عطا کرے۔ یہاں خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

دیوار کے متعلق بتایا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ خزانہ محفوظ رہے یہاں تک کہ وہ بڑے ہو جائیں۔ یہ سراسر رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ یعنی اللہ کی خاص رحمت کا مظہر تھا۔

آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے واضح کر دیا :وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي، یعنی میں نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے اور پھر فرمایا :ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا، یہی ان امور کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

ان آیات سے یہ عظیم اصول سامنے آتے ہیں، ہر وہ چیز جو بظاہر نقصان دہ ہو، ضروری نہیں کہ حقیقت میں بھی نقصان ہو، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں گہری حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتیں، علمِ ظاہری کے ساتھ ساتھ ایک علمِ باطنی بھی ہے جو اللہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے، صبر، خصوصاً نامعلوم حکمتوں پر، ایمان کی اعلیٰ علامت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور ان کی اولاد کی حفاظت ایسے طریقوں سے فرماتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے، یوں یہ واقعہ نہ صرف ایک تاریخی قصہ ہے بلکہ ایمان، صبر، توکل اور حکمتِ الٰہی کو سمجھنے کا ایک جامع درس بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

حضرت ذوالقرنین کا قصہ

سوال ان آیات کی روشنی میں قصہ ذوالقرنین بیان کیجیے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا {۸۳} إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا {۸۴} فَأَتْبَعَ سَبَبًا {۸۵} حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا {۸۶} قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا {۸۷} وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ الكهف

جواب ترجمہ: اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ: میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا کیے تھے، جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے اور وہاں انہیں ایک قوم ملی، ہم نے (ان سے) کہا: اے ذوالقرنین! (تمہارے پاس دو راستے ہیں) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔ انہوں نے کہا: ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور وہ اسے سخت عذاب دے گا، البتہ جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہو گا اور ہم بھی اس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے، اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے

دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اس (کی دھوپ) سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔

واقعہ اسی طرح ہوا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سازوسامان) تھا، ہمیں اس کی پوری پوری خبر تھی، اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔

انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں، تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں؟

ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لیے) بہتر ہے، لہذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا، مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔

یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ: اب آگ دھکاؤ، یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگارا کر دیا تو کہا کہ: پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اب میں اس پر انڈیلوں گا۔ چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ اس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔

ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے اور اس دن ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کر لیں گے۔

تفسیر: شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت، امیری اور فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین تھا، جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۲۷۲ ج ۶ و عمدۃ القاری ص ۳۲۷ ج ۷ بحوالہ معارف القرآن)

مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں توجیہیں درست ہیں ظاہر کے اعتبار سے تو وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچ گیا اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور باطنی اور معنوی طور پر یہ وجہ بھی درست ہے کہ اس کو علم ظاہر اور باطن دونوں عطا ہوئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور ہر ظاہر کے تحت ایک باطن ہوتا ہے اور یہ باطن اس ظاہر کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اگرچہ ظاہر میں بادشاہ تھا مگر باطنی اور معنوی طور پر روئے زمین کو خانقاہ بنائے ہوئے تھا۔

اصحاب کہف، کافر و ظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین یاجوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ و فساد برپا نہ کر سکے، اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

ذوالقرنین کا یہ قصہ جس طرح اس کی سلطنت اور شان و شوکت کے بیان پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی کرامتوں اور خارق عادت کارناموں کے بیان پر بھی مشتمل ہے جو اس کے ولی کامل ہونے کے دلائل ہیں بلکہ اس کے احوال اور اعمال پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ذوالقرنین بھی خضر کی طرح نمونہء ملائکہ ہو جس میں شان ملکیت بکسر اللام بمعنی بادشاہت اور شان ملکیت بفتح لام بمعنی فرشتہ ہونے کی کچھ صفت اور شان اس میں ودیعت کر دی گئی ہو اور یہ خیال اس لیے ہوا کہ بعض علماء نے خضر علیہ السلام کی طرح ذوالقرنین کو بھی فرشتہ بتایا ہے اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین فرشتہ تو نہ تھا بلکہ فرشتہ صفت انسان تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قوت اور قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا، ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا، خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق و مغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر اس کے وزیر با تدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔

قریش نے یہود کی تلقین سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اور اس کا قصہ کیا ہے ان آیات میں ان کے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور مرد صالح تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی حکومت اور خارق عادت شان و شوکت سے نوازا تھا اور ہر طرح کے ساز و سامان اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے جیسا کہ ارشاد ہے إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے اقطار ارض اور جوانب عالم کو مسخر کر دیا تھا اور تمام راستوں کا علم اس کو عطا کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ص ۳۳۸ ج ۷)

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے اور پانچواں فرمانروا امام مہدی علیہ السلام ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ امم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امت محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدی علیہ السلام ہوں گے (معارف القرآن کاندھلوی)

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے، یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا، سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لیے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا مشرق و مغرب تک نہ پہنچا تھا اور نہ اس نے یاجوج ماجوج کے روکنے کے لیے کوئی دیوار بنائی تھی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر کیا ہے نہ کہ سکندر یونانی کا لہٰذا دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ص ۳۳۷ ج ۷ و فتح الباری ۲۷۰ ص ج ۶ و قسطلانی ص ۱۱۱ ج ۷، و تفسیر ابو داؤد) اور اس ذوالقرنین کا زمانہ سلطنت نمرود کے بعد ہے (روح البیان ۲۹۰ ج ۵ اور روح المعانی ۲۷ ج ۶)

یا یوں کہو کہ گزشتہ قصہ میں طلب علم کے لیے سفر کا بیان تھا اب اس قصہ میں انتظام مملکت اور قیام معدلت اور مغرورین و متکبرین اور مفسدین کی سرکوبی کے لیے سفر کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کامل وہ ہے جو خدا کے ماننے والوں کے ساتھ نرمی کرے اور ظالموں اور مفسدوں کو سزا دے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! قریش مکہ یہود کے کہنے سے امتحاناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کا حال

پوچھتے ہیں کہ شاید آپ ﷺ کی نبوت میں قدح کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے، آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا مختصر حال ذکر کروں گا اب آگے اس کا قصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک جلیل القدر بادشاہ تھا تحقیق ہم نے اس کو زمین میں بڑی قدرت اور غلبہ دیا تھا یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کو اس کے لیے مسخر کر دیا تھا اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے جو حکمرانی اور ملکی فتوحات اور دشمنوں کی سرکوبی میں کام آسکیں۔ (زاد المسیر ۱۸۴ ج ۵) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا کہ ابر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا۔ (معارف)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے اور زمین کی اطراف و جوانب اور اس کے راستوں کا علم بھی اس کو عطا کر دیا تھا (دیکھو عمدۃ القاری ۳۳۸ ج ۷)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام چیزیں عطا کیں جو سلطنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے اور زمین کی تمام راہیں اس کے لیے آسان کر دیں کہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکے، مشرق سے مغرب تک کا سفر اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔

اس زمانہ میں ریل اور ہوائی جہاز اور تار برقی عجیب عجیب چیزیں خدا کی قدرت سے انسان کے لیے مہیا ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی مقبول بندے کے لیے اس سے بڑھ کر عجیب عجیب سامان مہیا کر دیئے ہوں جو کسی صنعت اور کاریگری کے محتاج نہ ہوں جیسے احادیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام تمام روئے زمین کے مالک اور فرماں روا ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو تمام روئے زمین کا مالک بنادے اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا فرمادے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی تھی، زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی، دم کے دم میں ہزاروں میل طے کر لیتا تھا جو خدا امریکہ اور روس کے لیے سامان مہیا کر سکتا

ہے وہ ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی مہیا کر سکتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا ذو القرنین نے اپنی عمر کے تین سفر کیے ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرے سفر کی سمت اور جہت بیان نہیں کی ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا۔ (معارف کاندھلوی)

یاجوج وماجوج: سورۃ الکہف میں یأجوج ومأجوج کا ذکر ایک ایسے فتنہ انگیز گروہ کے طور پر کیا گیا ہے جو اپنی کثرت، طاقت اور زمین میں فساد کے باعث مشہور ہیں، مفسرینِ کرام نے ان آیات کی تفسیر میں ان کے نسب، حقیقت، صفات اور انجام کے متعلق متعدد نکات بیان کیے ہیں۔

سب سے پہلے ان کے نسب کے بارے میں جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یأجوج ومأجوج حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ امام زمخشری، ابو السعود اور دیگر مفسرین نے صراحت کے ساتھ یہی موقف اختیار کیا ہے کہ یہ اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، گویا یہ بھی بنی آدم ہی میں سے ہیں۔

جہاں تک ان کی حقیقت کا تعلق ہے، تو مفسرین نے واضح کیا ہے کہ یأجوج ومأجوج کوئی ایک قوم نہیں بلکہ دو عظیم قبائل ہیں۔ ثعلبی اور لغوی مصادر میں انہیں قَبِيلَتَانِ مِنْ خَلْقِ اللهِ کہا گیا ہے، یعنی اللہ کی مخلوق میں سے دو بڑی جماعتیں۔

ان کی صفات کے بارے میں تفاسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ بعض روایات میں ان کے جسمانی اوصاف نہایت عجیب انداز میں بیان کیے گئے ہیں، جیسے کوئی انہیں انتہائی چھوٹا قد کا بتاتا ہے اور کوئی غیر معمولی لمبا، حتیٰ کہ بعض میں ان کے درندوں جیسے دانت اور ناخن ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے، اسی طرح بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ انسانوں اور ہر سبز وخشک چیز کو کھا جاتے تھے، تاہم اہلِ علم نے وضاحت کی ہے کہ ان میں سے اکثر اوصاف غیر ثابت یا ضعیف روایات پر مبنی ہیں، اس لیے ان کو محض نقل کے درجے میں رکھا جاتا ہے، نہ کہ قطعی حقیقت کے طور پر۔

قرآن میں جس قوم نے ذوالقرنین سے شکایت کی، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یأجوج ومأجوج زمین میں سخت فساد برپا کرتے تھے، مفسرین کے مطابق ان کا فساد قتل وغارت، کھیتیوں کی تباہی اور

عمومی بربادی کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا، بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ موسم بہار میں نکلتے تو کوئی سبز چیز باقی نہ چھوڑتے اور خشک چیزیں بھی اٹھالے جاتے۔

ذوالقرنین نے ان کے شر سے بچاؤ کے لیے ایک عظیم دیوار (سدّ) تعمیر کی، جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا یعنی وہ نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مضبوط رکاوٹ کو عبور کرنے یا توڑنے سے عاجز رہے۔

ان کی کثرت کے بارے میں بھی تفاسیر میں غیر معمولی مبالغہ آمیز روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں بیان کیا گیا کہ ان کی تعداد بے حد زیادہ ہے، حتیٰ کہ ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی نسل کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کو دیکھ لیتا ہے، تاہم یہ روایات بھی قطعی نہیں بلکہ آثار کے درجے میں ہیں۔

آخر کار، مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یأجوج و مأجوج کا خروج قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے، احادیثِ صحیحہ کے مطابق وہ آخری زمانے میں نکلیں گے، زمین میں شدید فساد پھیلائیں گے، یہاں تک کہ جھیلِ طبریہ کا پانی بھی پی جائیں گے، اور پھر اللہ تعالیٰ ایک خاص بیماری (نغف) کے ذریعے انہیں ہلاک فرمادے گا۔

نَغَف ایک قسم کے مہلک کیڑے (لاروا) ہوتے ہیں جو عموماً جانوروں کے جسم کے نرم حصوں، جیسے ناک یا دماغی بافتوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی مثال محدثین و اہلِ لغت نے بیان کی ہے، چنانچہ احادیثِ صحیحہ، خصوصاً صحیح مسلم کے مطابق اللہ تعالیٰ یأجوج و مأجوج پر اسی نوعیت کا عذاب مسلط فرمائے گا کہ یہ کیڑے ان کی گردنوں میں پیدا ہوں گے، جس کے نتیجے میں وہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، اور یہ کوئی عام بیماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیر معمولی اور غیبی عذاب ہوگا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ یأجوج و مأجوج دو عظیم انسانی قبائل ہیں، جو حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اپنی کثرت اور فساد کے باعث مشہور ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے وقتی طور پر ان کے شر کو ایک مضبوط

سدّ کے ذریعے روکا ہوا ہے، مگر آخری زمانے میں ان کا خروج ہو گا اور بالآخر وہ اللہ کے حکم سے ہلاک کر دیے جائیں گے۔

مالی معاوضہ لینے سے انکار: قرآنِ کریم کے مطابق جب یأجوج و مأجوج کے ظلم و فساد سے تنگ آکر ایک قوم نے ذوالقرنین سے فریاد کی تو انہوں نے نہایت مؤدبانہ انداز میں پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے لیے ایک مالی معاوضہ (خَرْج) مقرر کر دیں تاکہ وہ ان کے اور ان مفسد قبائل کے درمیان ایک مضبوط سدّ تعمیر کر دے، ان لوگوں نے عرض کیا تھا کہ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (ہم آپ کے لیے اس شرط پر کچھ مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دیں) خَرْج سے مراد وہ مال یا محصول ہے جو لوگ اپنی طرف سے ادا کرنے پر آمادہ تھے، گویا وہ اپنی حفاظت کے لیے ایک اجتماعی ذمہ داری اٹھانا چاہتے تھے، لیکن ذوالقرنین، جو عدل و انصاف کا پیکر تھا، اس نے اس پیشکش کو قبول کرنے کے بجائے ایک اصولی جواب دیا کہ جو اقتدار اللہ نے اسے عطا کیا ہے، وہی اس کے لیے کافی ہے اور وہ اصلاحِ حال اور دفعِ فساد کو اپنا فرض سمجھتا ہے، نہ کہ کوئی ایسا کام جس کے بدلے معاوضہ لیا جائے، اس سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ ایک عادل حکمران کے نزدیک رعایا کی حفاظت اور معاشرے سے فساد کا خاتمہ کوئی کاروبار نہیں بلکہ ذمہ داری اور امانت ہے، جسے وہ اخلاص اور دیانت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

ذوالقرنین نے اس موقع پر جو اصولی بات ارشاد فرمائی، وہ بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خير یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اقتدار، وسائل اور وسعت عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے مالی معاوضے (خرج) سے کہیں بہتر ہے۔ اس میں ایک طرف اللہ کی عطا پر کامل اعتماد ہے، اور دوسری طرف حکمرانی کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کہ وہ عوام سے محض خدمت کے بدلے معاوضہ وصول کرنے کے قائل نہیں۔ چنانچہ انہوں نے واضح کر دیا کہ انہیں مال و دولت کی ضرورت نہیں، بلکہ عملی تعاون درکار ہے فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ یعنی تم اپنی جسمانی قوت، محنت اور افرادی تعاون فراہم کرو۔

سدّ اور رَدم میں فرق: سورۃ الکہف میں یأجوج و مأجوج کے فتنے سے بچاؤ کے لیے قومِ سدّین نے ذوالقرنین سے یہ درخواست کی :فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا، یعنی وہ ایک عام رکاوٹ (سدّ) کے قیام کو کافی سمجھتے تھے، مگر ذوالقرنین نے جواب میں فرمایا : فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محض ایک سادہ بند پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم تعمیر کا ارادہ فرمایا۔

مفسرین کے نزدیک "سدّ" عام معنی میں ایک رکاوٹ یا دیوار ہے جو کسی راستے کو بند کرنے کے لیے بنائی جائے، یعنی ایک ایسا حاجز جو روک تو دیتا ہے مگر اپنی نوعیت میں سادہ اور درمیانی درجے کا ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں "ردم" نہایت مضبوط، بھاری اور تہہ در تہہ جمایا ہوا بند ہے، جو صرف راستہ بند نہیں کرتا بلکہ دو پہاڑوں یا دیواروں کے درمیان خلا کو مکمل طور پر بھر کر ایک ناقابلِ نفوذ دیوار کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لغوی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ ردم دراصل وہ تعمیر ہے جس میں پتھروں، لوہے اور دیگر مواد کو پرت در پرت اس طرح جما دیا جائے کہ اس میں کسی قسم کی کمزوری باقی نہ رہے، اسی لیے اسے سدّ سے زیادہ قوی اور پائیدار قرار دیا گیا ہے۔

اسی بنا پر قوم نے اگرچہ ایک عام سدّ کی درخواست کی تھی، لیکن ذوالقرنین نے اپنی حکمت، بصیرت اور تجربے کی بنیاد پر اس سے بہتر حل پیش کیا اور ردم کی صورت میں ایسی مضبوط رکاوٹ قائم کی جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا :فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا، یعنی یأجوج و مأجوج نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکے۔

یوں یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ سدّ ایک عام رکاوٹ ہے، جبکہ ردم ایک غیر معمولی، کثیف اور ناقابلِ تسخیر بند ہے، اس واقعہ میں ذوالقرنین کی یہ تدبیر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ایک صاحبِ بصیرت قائد محض وقتی حل پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایسا مضبوط اور دیرپا نظام قائم کرتا ہے جو آئندہ آنے والے خطرات کا بھی سدِّباب کر سکے۔

حشر قیامت اور خسارہ ابدی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ الکھف

جواب ترجمہ: اور اس دن ہم کافروں کے سامنے دوزخ پیش کر دیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے۔ سو کیا پھر بھی کافروں کو یہ خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو مہمانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتادیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا سو ان کے اعمال حبط ہوگئے سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ یہ ان کی سزا ہوگی یعنی دوزخ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق بنالیا۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا: قیامت کے دن جہنم کو کافروں کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے صاف دیکھ لیں گے، کسی قسم کا پردہ یا حجاب حائل نہ ہوگا۔ لفظ عَرْضًا اس مشاہدے کی شدت اور قطعیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اب ان کے اعمال کا انجام پوری طرح ان پر منکشف ہو چکا ہوگا۔

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں اللہ کے ذکر سے ڈھکی ہوئی تھیں، وہ حق کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی اندھے بنے رہے اور ان کے کان دعوتِ حق سننے سے قاصر رہے، درحقیقت یہ ان کے باطنی اندھے پن اور روحانی بہرے پن کی تصویر ہے کہ خواہشات اور غرور نے ان کے اِدراک کے دروازے بند کر دیے تھے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ: کیا کافروں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا کر بچ جائیں گے؟ یہ ان کی سخت غلط فہمی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم کو بطور "نُزُل" تیار کر رکھا ہے اور یہاں یہ لفظ بطورِ تہکم (طنزیہ طور پر) آیا ہے، کیونکہ مہمان نوازی کی جگہ کو عذاب کے لیے استعمال کرنا ان کے حال پر طنز ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا: اے میرے حبیب ﷺ! اعلان کیجیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ یہ اندازِ بیان سامع کو متوجہ کرنے اور حقیقت کی سنگینی کو اجاگر کرنے کے لیے ہے۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری محنتیں دنیا میں ضائع ہو گئیں، مگر وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ بہترین کام کر رہے ہیں، یہاں "سعی" سے مراد ان کی ہر جدوجہد ہے، جو باطل بنیاد پر ہونے کی وجہ سے سراسر گمراہی بن گئی۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، نتیجتاً ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہو گا، یعنی وہ بے قدر اور بے حیثیت قرار پائیں گے۔

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا: یہی ان کا بدلہ ہے، جہنم! کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑایا، انہوں نے نہ صرف حق کا انکار کیا بلکہ اہلِ حق کا استہزاء بھی کیا اور یہی ان کی ہلاکت کا اصل سبب بنا۔

نعمت فردوس اور راحت ابدی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا {۱۰۷} خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا {۱۰۸} الکھف

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کی مہمانی فردوس کے باغات ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے وہ کہیں جانا نہ چاہیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا: بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، ان کے لیے جناتُ الفردوس مہمانی کے طور پر تیار کی گئی ہیں۔ ”فردوس“ جنت کا سب سے اعلیٰ، بلند اور افضل مقام ہے، لغت میں اس کے معنی سرسبز، گھنے اور کشادہ باغ کے ہیں، خصوصاً ایسا باغ جس میں انگور کی بیلیں کثرت سے ہوں۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ لفظ اگرچہ دیگر زبانوں میں بھی مستعمل رہا، مگر عربی میں بھی مستعمل اور معروف ہے اور اس سے مراد بہترین اور دلکش باغ ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور وسطی حصہ فردوس ہے، اس کے اوپر عرشِ رحمن ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے نیک اعمال بجالائے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطورِ مہمانی اور اعزاز کے طور پر فردوس کے اعلیٰ ترین باغات تیار کر رکھے ہیں، جہاں وہ عزت و اکرام کے ساتھ اتارے جائیں گے۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا: وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں اور جانے کی خواہش تک نہیں کریں گے۔ یہاں حِوَلًا کا معنی ہے تبدیلی یا انتقال، دنیا میں انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایک حالت یا جگہ سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کا خواہاں رہتا ہے، کیونکہ کوئی بھی نعمت

مکمل اور دائمی نہیں ہوتی، مگر جنت، خصوصاً فردوس، ایسی کامل، دلنشین اور ہر خواہش کو پورا کرنے والی جگہ ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان کی یہ فطری بے قراری ختم ہو جاتی ہے۔

اس ارشاد میں ایک نہایت لطیف نکتہ پوشیدہ ہے کہ دنیا کی تمام بے اطمینانیاں، تلاش اور تبدیلی کی خواہشیں جنت میں جا کر ختم ہو جائیں گی، کیونکہ وہاں ہر نعمت اپنے کمال کو پہنچ چکی ہو گی، انسان کو نہ کسی کمی کا احساس ہو گا، نہ کسی اور مقام کی طلب، بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے اسی نعمت میں مگن اور راضی رہے گا۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں اہلِ ایمان کے انجامِ خیر کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ایمان اور عملِ صالح کا صلہ جنتُ الفردوس ہے، جو سب سے اعلیٰ مقام ہے، وہاں نہ صرف دائمی قیام نصیب ہو گا بلکہ ایسی کامل راحت میسر ہو گی کہ انسان کبھی اس سے نکلنے یا کسی اور چیز کی خواہش بھی نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے جنت الفردوس کا مستحق بنا دے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات کی وسعت و گہرائی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا {۱۰۹} الکھف

جواب ترجمہ: (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔ اگرچہ ہم اس سمندر میں بڑھانے کے لیے اسی جیسا دوسرا سمندر لے آئیں۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، علم اور قدرت کی لا محدود وسعت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

① کلماتِ الٰہی کی لا محدودیت: آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اگر دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے کلمات، یعنی اس کی صفات، قدرتوں، حکمتوں اور نشانیوں، کو لکھنا

شروع کیا جائے تو وہ سیاہی ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قدرتیں اور اس کی حکمتیں غیر متناہی ہیں۔

② مزید سمندر بھی ناکافی ہیں: اگر ایک سمندر ختم ہو جائے اور اس کے بعد مزید سمندر لائے جائیں، بلکہ بار بار لائے جائیں، تب بھی اللہ کی صفات اور اس کے کلمات کا احاطہ ممکن نہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوق کے وسائل خواہ کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں، خالق کی عظمت کو مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتے۔

③ علمِ انسانی کی محدود حیثیت: انسان کا علم، خواہ وہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو، اللہ کے علم کے مقابلے میں نہایت معمولی ہے، گویا ایک قطرہ سمندر کے مقابلے میں، اس مثال سے انسان کو اپنی حقیقت اور عاجزی کا احساس دلایا گیا ہے۔

④ اللہ کی حقیقی معرفت ناممکن ہے: کوئی بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کی پوری قدر، اس کی مکمل تعریف اور اس کی حقیقی شان کو نہیں پا سکتی، انسان جتنی بھی حمد و ثنا کرے، وہ اللہ کی شان سے کم ہی رہے گی، کیونکہ وہ اپنی ذات میں بے حد و حساب ہے۔

⑤ دنیا اور آخرت کا تقابل: اس مضمون کے ضمن میں ایک نہایت اہم تنبیہ یہ بھی ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں آخرت کے مقابلے میں انتہائی حقیر ہیں، جیسے ایک رائی کا دانہ پوری زمین کے مقابلے میں، اس سے انسان کو آخرت کی فکر اور دنیا کی حقیقت سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

خلاصۂ کلام: یہ آیت انسان کو اس کی حقیقت یاد دلاتی ہے کہ وہ محدود ہے اور اس کا علم بھی محدود، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے کلمات لامحدود اور بے پایاں ہیں، لہٰذا بندے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ عاجزی اختیار کرے، اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی بے انتہا عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

مقام تواضع اور حقیقت نبوت

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا {۱۱۰} الکھف

جواب ترجمہ (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ میں تو بشر ہی ہوں تمہارا جیسا میری طرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہو سو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

① مقامِ تواضع اور حقیقتِ نبوت: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کلامی عظمت اور بے پایاں صفات کو بیان فرمایا تو اس کے بعد اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ وہ راہِ تواضع اختیار کریں، اسی لیے ارشاد ہوا: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، یہاں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ حضور ﷺ کی بشریت باقی انسانوں جیسی ہے، مگر ایک عظیم امتیاز کے ساتھ يُوحَىٰ إِلَيَّ میری طرف وحی کی جاتی ہے، گویا اصل شرف اور امتیاز وحیِ الٰہی ہے، نہ کہ ظاہری ساخت۔

② توحید کا حصر (حقیقی پیغام): لفظ "اِنَّمَا" حصر کے لیے آتا ہے، یعنی بات کو خاص اور محدود کر دیتا ہے، اس سے یہ حقیقت نمایاں ہوئی، أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے، یہ آیت توحیدِ خالص کا اعلان ہے، جسے عقلی اور نقلی دلائل دونوں سے ثابت کیا گیا ہے، جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ دیگر مقامات پر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

③ لقاءِ الٰہی کی حقیقت: ارشاد ہوا: فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ، "رجاء" کا معنی ہے نفع کی امید رکھنا، جبکہ "خوف" ضرر کے اندیشہ کو کہتے ہیں، یہاں "لقاءِ رب" کے بارے میں دو آراء ذکر کی گئی ہیں۔ ①: اہلِ سنت کے نزدیک: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ ② بعض دیگر کے نزدیک:

اس سے مراد اللہ کے ثواب سے ملاقات ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ کے آخر میں متعدد آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لقاءِ الٰہی (دیدارِ خداوندی (کا تحقق ہوگا اور یہی اہلِ حق کا عقیدہ ہے۔

④ عملِ صالح کی شرطیں: فرمایا، فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا، یعنی جو شخص اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہو، وہ نیک اعمال میں مشغول ہو جائے۔ لیکن امام رازی رحمہ اللہ ایک نہایت اہم نکتہ بیان کرتے ہیں کہ ہر نیک عمل واقعی "صالح" نہیں ہوتا، کیونکہ: کبھی وہ اللہ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی ریا (دکھاوے) کے لیے لہٰذا عملِ صالح کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں ①: اخلاص، عمل صرف اللہ کے لیے ہو۔ ②شرک سے پاکی، اس میں کسی اور کی آمیزش نہ ہو، اسی لیے فرمایا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

⑤ شانِ نزول اور اخلاص کی حقیقت: روایت ہے کہ جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک عمل اللہ کے لیے کرتا ہوں، لیکن جب کوئی اسے دیکھ لیتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : اللہ اس عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں کسی کو شریک کیا جائے، یعنی اگر اصل نیت ریا ہو تو عمل مردود ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے لیے دو اجر ہیں: ایک پوشیدہ عمل کا اور ایک ظاہر ہونے کا، امام رازی رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہیں: پہلی روایت اس صورت پر محمول ہے جب مقصد ریا اور شہرت ہو۔ دوسری روایت اس صورت پر جب مقصد یہ ہو کہ لوگ اس سے نیکی میں اقتداء کریں پہلا درجہ مبتدیوں کا ہے، جبکہ دوسرا درجہ کاملین کا مقام ہے۔

الحمد للہ آج سورۃ الکہف کے اضافات و ترمیمات کی تکمیل ہوئی۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (حال مقیم، سوہان اسلام آباد)

۱۵ اپریل ۲۰۲۶ء بروز اتوار، ڈھائی بجے شب

سورۃ مریم: تعارف

سوال سورۃ مریم کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ مریم مکی سورت ہے، اس کا نمبر ۱۹واں ہے، اٹھانوے آیات پر مشتمل ہے، چھے رکوعوں پر مشتمل ہے، سورۃ مریم قرآنِ حکیم کی نہایت دلنشین اور روح پرور سورتوں میں سے ہے، جس کے نزول کے بارے میں جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ چنانچہ مفسرِ کبیر زاد المسیر میں امام ابن الجوزی رحمہ اللہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی مضمون کو الدر المنثور میں بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے تقویت حاصل ہے، البتہ بعض اہلِ علم نے چند آیات خصوصاً آیتِ سجدہ اور آیت وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا کو مدنی قرار دیا ہے، جیسا کہ محاسن التأویل میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا معروف نام "مریم" ہے، جو اس کے مرکزی مضمون حضرت مریم علیہا السلام کے عظیم اور معجزاتی واقعہ کی مناسبت سے رکھا گیا، اسی بنا پر مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سورت میں حضرت مریم علیہا السلام کی پاکیزگی، عفت اور ان کے مقامِ بلند کا نہایت بلیغ انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے، بعض اہلِ علم نے اس کا ایک نام کٓهٰيٰعٓصٓ بھی ذکر کیا ہے، کیونکہ سورت کا آغاز انہی حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔

مضامین: مضامین کے اعتبار سے سورۃ مریم ایک جامع اور ہمہ گیر پیغام کی حامل ہے، اس کا آغاز حضرت زکریا علیہ السلام کی مناجات اور دعا سے ہوتا ہے، جس میں بڑھاپے کے باوجود اولاد کی طلب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت ایک عظیم رحمت کے طور پر سامنے آتی ہے، اس کے بعد حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی غیر معمولی تدبیر کا روشن مظہر ہے۔

مزید برآں، اس سورت میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے تذکرے بھی نہایت حکمت کے ساتھ آئے ہیں، جن میں ایمان، صبر، دعا اور توکل کے مختلف پہلو اجاگر کیے گئے ہیں، سورت کا ایک اہم محور عقیدۂ

توحید کی وضاحت اور شرک کی تردید ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا اور باطل عقائد کی جڑ کاٹ دی گئی۔

اخلاقی و ایمانی پہلوؤں میں یہ سورت اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ دین کی حفاظت اور اس کی نسل در نسل منتقلی ایک عظیم ذمہ داری ہے، نیز اس میں اللہ کے نیک بندوں پر اس کی خصوصی نصرت، دعا کی قبولیت اور اولیاء کے لیے غیر معمولی اسباب کی فراہمی جیسے حقائق بھی نہایت لطیف انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

آخر میں، آخرت کا تصور نہایت مؤثر اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، جہاں ہر انسان کے انجام اور اللہ کے حضور حاضری کا نقشہ دلوں کو جھنجھوڑ دیتا ہے، اسی ضمن میں وہ معروف واقعہ بھی ملتا ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں اس سورت کی ابتدائی آیات تلاوت کیں تو دربار پر رقت طاری ہو گئی، یہ واقعہ اس سورت کے روحانی اثر اور اس کی حقانیت کی ایک روشن دلیل ہے۔ الغرض، سورۃ مریم اللہ تعالیٰ کی قدرت، انبیائے کرام علیہم السلام کی دعاؤں، پاکیزگی و عفت، توحید خالص اور ایمان کی بقا کے عظیم پیغام کا ایک حسین اور جامع مرقع ہے، جو قاری کے قلب و روح کو منور کر دیتا ہے۔

حروف مقطعات

سوال سورۃ مریم کی ابتدا میں بیان کیے گئے كٓهٰيٰعٓصٓ {۱} حروف کے مجموعہ کی تفسیر کیجیے۔

جواب ترجمہ: ان حروف کی مراد اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ یہ حروفِ مقطعات ہیں، جن کے بارے میں اہلِ علم کا مسلک یہی ہے کہ ان کا حقیقی اور قطعی مفہوم اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، انسانی عقل ان کے کنہ (حقیقت) تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی، البتہ ان کے آغاز میں آنے کی حکمتوں پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ان حروف کے ذریعے قرآنِ کریم کے اعجاز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، گویا یہ اعلان ہے کہ یہ عظیم کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہاری روزمرہ کی زبان

بنتی ہے، مگر اس کے باوجود تم اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے سے عاجز ہو۔ یوں یہ حروف انسان کو چیلنج بھی دیتے ہیں اور اس کی بے بسی کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔

مزید بر آں، ان حروف کا ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ یہ سامعین کی توجہ کو بیدار کرتے ہیں۔ خاص طور پر اس ماحول میں، جب کفارِ مکہ نے باہم یہ طے کر رکھا تھا کہ قرآن کو نہ سنیں گے اور اس کے دوران شور و غوغا کریں گے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ، اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور مچاؤ، شاید تم غالب آجاؤ۔

ایسے میں جب یہ منفرد اور غیر مانوس حروف، اپنی خاص ادائیگی، مد اور نغمگی کے ساتھ، ان کے کانوں میں پڑتے تو ان کی توجہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف مبذول ہو جاتی، اور وہ سننے پر مجبور ہو جاتے۔ پھر جب فوراً بعد واضح اور بامعنی آیات ان پر وارد ہوتیں تو وہ چاہے نہ چاہیں، ان کے اثر سے بچ نہ پاتے، اسی بنا پر بعض اہلِ علم نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حروف دراصل سورتوں کے نام اور قرآن کے تعارف کا ایک اسلوب بھی ہیں، جو اس کے آغاز میں ایک منفرد شان اور وقار پیدا کرتے ہیں۔ الغرض، کٓهٰيٰعٓصٓ اپنے اندر اسرارِ الٰہیہ کا ایک جہان رکھتا ہے، ایک طرف یہ علمِ الٰہی کی وسعت کی علامت ہے اور دوسری طرف قرآن کے اعجاز، تاثیر اور دعوتی حکمت کا نہایت بلیغ مظہر۔

اوّلین اور جمہور اہلِ لغت و تفسیر کی رائے یہ ہے کہ یہ حروف دراصل حروفِ تہجی ہیں، جن کے ذریعے سورت کا آغاز کیا گیا ہے۔ امام ابو اسحاق الزجاج رحمہ اللہ اور دیگر ائمۂ لغت کے نزدیک ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآنِ کریم انہی معروف حروف سے مرکب ہے جن سے عرب اپنی فصیح و بلیغ گفتگو تشکیل دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں، گویا یہ حروف ایک خاموش مگر زبردست چیلنج ہیں، جو اہلِ زبان کو ان کی بے بسی کا احساس دلاتے ہیں۔

اسی مفہوم کو بعض مفسرین نے مزید وسعت دیتے ہوئے کہا کہ یہ حروف قرآن کے اعجاز اور تحدی (چیلنج) کی طرف اشارہ ہیں، یعنی تمہاری زبان کے یہی سادہ حروف جب کلامِ الٰہی میں ڈھلتے ہیں

تو ایسا معجزانہ کلام بن جاتے ہیں جس کی نظیر پیش کرنا انسانی بساط سے باہر ہے، اس طرح یہ حروف نہ صرف قرآن کی عظمت کو نمایاں کرتے ہیں بلکہ سننے والوں کے اذہان کو بھی متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس پیغام کو غور سے سنیں۔

دوسری رائے، جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، یہ ہے کہ ان حروف میں ہر حرف اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً "کاف" سے "کریم"، "ہا" سے "ہادی"، "عین" سے "علیم"، اور "صاد" سے "صادق" مراد لیا گیا، اس تعبیر کے مطابق یہ حروف دراصل صفاتِ الٰہیہ کے رموز ہیں، جو ایک نہایت لطیف اور رمز آلود اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں۔

بعض اہلِ علم نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا کہ یہ حروف اسمِ اعظم یا اسمائے حسنیٰ کے کسی جامع مفہوم کی طرف اشارہ ہیں، اگرچہ اس کی تعیین قطعی طور پر ممکن نہیں، تاہم ایک نہایت محتاط اور قوی موقف یہ بھی ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں، جن کا حقیقی اور قطعی علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ بہت سے مفسرین نے اس رائے کو اختیار کیا کہ بندہ ان کے ظاہری پہلوؤں پر غور تو کرے، مگر ان کے حتمی مفہوم کو اللہ کے سپرد کر دے، یہی طریقہ ادبِ قرآن کے زیادہ قریب ہے۔

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کٓهٰيٰعٓصٓ محض چند حروف نہیں، بلکہ معانی و حکمت کے کئی در وا کرنے والے اشارات ہیں، یہ بیک وقت قرآن کے اعجاز کی دلیل بھی ہیں، سامع کے دل و دماغ کو بیدار کرنے کا ذریعہ بھی اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کی یاد دہانی بھی، یوں ان حروف میں ایک طرف انسانی عقل کے لیے دعوتِ فکر ہے، تو دوسری طرف اس کی حد بندی کا اعلان بھی کہ کچھ اسرار ایسے ہیں جو صرف ربِّ کائنات ہی کے علم میں محفوظ ہیں۔

بارگاہِ خداوندی میں فریادِ زکریا علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا {۴} وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا {۵} مریم

جواب ترجمہ: یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی۔ جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طریقہ پر پکارا۔ عرض کیا کہ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا۔ اور بلاشبہ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک ولی عطا فرما دیجیے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا: یہ اس رحمتِ الٰہی کا دلنشین تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت زکریا علیہ السلام پر فرمائی، اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد محض قصہ گوئی نہیں، بلکہ اس میں اہلِ ایمان کے لیے عبرت، تسلی اور امید کے روشن چراغ پوشیدہ ہیں، تاکہ بندہ ہر حال میں اپنے رب کی رحمت سے وابستہ رہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا: جب انہوں نے اپنے رب کو نہایت آہستگی اور اخلاص کے ساتھ پکارا، یہ دعا کی وہ شان ہے جس میں ریا و نمود کا شائبہ تک نہیں ہوتا، بلکہ بندہ اپنے رب کے حضور راز و نیاز کی کیفیت میں ہمکلام ہوتا ہے، ایسی خفیہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا:
عرض کیا: اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھر چکا ہے، مگر اے پروردگار! میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں لوٹا، یہ کلمات بندگی کی انتہائی لطیف تصویر پیش کرتے ہیں، جہاں بندہ اپنی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہے، مگر ساتھ ہی اپنے رب کی رحمت پر کامل یقین بھی ظاہر کرتا ہے، ماضی کی قبول شدہ دعائیں اس کے یقین کو مزید مضبوط کر دیتی ہیں۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا: اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کے بارے میں اندیشہ رکھتا ہوں کہ وہ دین کی ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا نہ کر سکیں گے اور میری بیوی بانجھ ہے، اس لیے تو اپنے فضل سے مجھے ایسا وارث عطا فرما جو دین کے کام میں میرا معاون ہو۔

یہ دعا محض اولاد کی خواہش نہیں، بلکہ دین کی بقا اور اس کی خدمت کا جذبہ اس کے پسِ منظر میں کارفرما ہے، حضرت زکریا علیہ السلام ایک ایسے جانشین کے طلبگار ہیں جو دین کی امانت کو سنبھالے، نہ کہ صرف نسب کو آگے بڑھانے والا ہو، یوں ان آیاتِ کریمہ میں دعا کا ادب، عاجزی، یقینِ کامل اور دین کے لیے فکرمندی، سب نہایت حسین اور مؤثر انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں، جو ہر طالبِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کیا ہوتی ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا {٦} مریم.

جواب ترجمہ: جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب کی اولاد سے بھی میراث پائے اور یارب! اسے ایسا بنائیے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔

باتفاق جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم اس جگہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں، کیونکہ اول تو حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہو گا اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

بے شک علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام درہم اور دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ اپنی وراثت میں علم چھوڑتے ہیں، پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے انبیاء کی وراثت سے بہت

سارا حصہ حاصل کر لیا۔

اہل تشیع کا رد: مفسرین کرام نے یہاں لفظِ وراثت کے مفہوم پر نہایت دقیق اور علمی گفتگو فرمائی ہے، خصوصاً اس مقام پر اہلِ تشیع کی طرف سے ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ یہاں وراثت سے مراد مالی وراثت ہے اور اس کے ذریعے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اپنے اموال کے وارث چھوڑتے ہیں، ان کے نزدیک لفظِ وراثت اپنے حقیقی معنی یعنی مال کے انتقال پر محمول ہے اور اسے کسی مجازی معنی کی طرف پھیرنے کی ضرورت نہیں۔

بعض آثار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں يَرِثُنِي مَالِي یعنی میرا مالی وارث ہو کا مفہوم بیان کیا، تاہم اہلِ سنت کا مسلک، جو احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، اس کے برخلاف ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نہ اپنے پیچھے مال بطورِ میراث چھوڑتے ہیں اور نہ ان کا مال تقسیمِ وراثت کے طور پر منتقل ہوتا ہے، بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ یہی مفہوم بعض شیعہ مصادر میں بھی منقول ہے، چنانچہ ان کے ہاں معتبر کتابوں میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں، کیونکہ انبیاء نے نہ درہم چھوڑے اور نہ دینار، بلکہ انہوں نے اپنے علم کو میراث بنایا۔ یہ حدیث اپنے اسلوبِ حصر إِنَّمَا کے ساتھ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اصل میراث علم، حکمت اور دین ہے، نہ کہ دنیاوی مال۔

اسی بنا پر جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں وراثت کو علم، نبوت اور دینی منصب کی وراثت پر محمول کرنا ہی راجح ہے، اس کی تائید قرآنِ مجید کے دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے، جہاں وراثت کا اطلاق محض مال تک محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ کتاب، علم اور زمین جیسے معانی میں بھی آیا ہے، جیسے: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ اور إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ، ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ وراثت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے، جو علم، اقتدار اور منصبِ ہدایت کو بھی شامل ہے۔

اہلِ تشیع کا یہ کہنا کہ یہاں وراثت کو نبوت یا علم پر محمول کرنے سے کلام میں تکرار یا بے فائدگی لازم آتی ہے، قابلِ تسلیم نہیں، کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ کہنا: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف وارث ہی نہیں بلکہ ایک صالح، مقبول اور دین کا اہل جانشین چاہتے تھے، جو وراثتِ علم وہدایت کا صحیح حق ادا کرے۔

مزید برآں، یہ کہنا کہ علم چونکہ کسبی چیز ہے، اس لیے اس کی وراثت نہیں ہو سکتی، بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ قرآن و حدیث میں علم کی نسبت وراثت کی طرف کی گئی ہے اور اس سے مراد وہ دینی سرمایہ ہے جو انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

عقلی وروحانی اعتبار سے بھی اس بات کا بعید ہونا ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جیسی عظیم اور زاہد ہستی جو دنیاوی علائق سے منقطع اور اللہ کی طرف متوجہ تھی، اپنی دعا میں محض مال کی فکر کرے، انبیائے کرام علیہم السلام کی بلند ہمتیں دنیا کے فانی مال ومتاع سے کہیں بالاتر ہوتی ہیں، لہٰذا یہ تصور کہ انہوں نے اپنے مال کے ضائع ہونے کے خوف سے اولاد کی دعا کی، ان کے مقامِ نبوت کے شایانِ شان نہیں۔

اگر بالفرض یہ اندیشہ ہوتا بھی تو اس کا حل ان کے لیے آسان تھا کہ وہ اپنے مال کو اپنی زندگی ہی میں اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے، مزید یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے وقتِ وفات کا علم بھی ہوتا ہے، اس لیے اچانک موت کا خوف بھی ان کے حق میں محلِ استدلال نہیں بنتا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا محض دنیاوی وراثت کے لیے نہیں تھی، بلکہ وہ ایک ایسے وارث کے طلبگار تھے جو دین کی خدمت، شریعت کی ترویج، اور نبوی مشن کے تسلسل کا ذریعہ بنے، یہی وہ وراثت ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شایانِ شان ہے اور یہی مفہوم اس آیت کے سیاق وسباق اور مجموعی تعلیماتِ قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

الغرض، لفظِ وراثت یہاں اپنے وسیع اور بامقصد مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس کی صحیح تعبیر یہی ہے کہ انبیاء کی حقیقی میراث علم، ہدایت اور دین کی امانت ہے، نہ کہ دنیا کا فانی مال۔

پیر کرم شاہ الازھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے، یہ احادیث صرف اہل سنت کی کتب میں ہی موجود نہیں بلکہ شیعہ کی کتب میں صحیح سند سے مروی ہیں۔ چنانچہ ان کے محدث اعظم کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وذٰلك إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا اَحَادِيثَ مِن اَحَادِيثِهِم فَمَنْ أَخَذَ بشَيءٍ مِّنهَا فَقَد أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

ترجمہ: انبیاء کے وارث علماء ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء درہم اور دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے حکیمانہ ارشادات بطور ورثہ دیتے ہیں۔ جس نے ان اشادات سے کوئی چیز حاصل کی تو اس نے نبوت کی میراث کا بڑا حصہ لیا۔

اس حدیث میں اِنَّمَا کا لفظ قطعی طور پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس کے شیعہ بھی معترف ہیں، ان احادیث کی روشنی میں جو فریقین کے نزدیک صحیح ہیں ہم آیت میں يَرِثُنِي کا معنی وراثت علم ہی کرینگے۔ (ضیاء القرآن)

اس کے علاوہ پیغمبر کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ مال ومتاع کی محبت میں اسیر ہو، وہ ہر وقت جس ازل کے جلووں کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں، دنیا کی نفیس سے نفیس چیز بھی ان کے دامن دل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی، دوسرا حضرت زکریا کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرکے اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے، ان کے پاس اتنی دولت ہی کہاں تھی جس کے لیے وہ ہر وقت فکر مند رہتے، ان تمام امور کے پیش نظر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں، کہ آیت میں وراثت سے مراد وراثت مال نہیں بلکہ علم و حکمت کی وراثت ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن للازھری) پتا چلا کہ جس وراثت کے لیے حضرت زکریا دعا فرمارہے تھے وہ وراثت نبوت ہے، وہ اس سلسلہ میں ان کا بھی جانشین ہو اور آل یعقوب کا بھی جانشین ہو۔

قبولیت دعاء، قدرتِ الٰہی کا ظہور

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا {۷} قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا {۸} قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا {۹} قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا {۱۰} فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا {۱۱} مریم

جواب ترجمہ: اے زکریا بیشک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہو گا اور حال یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ فرمایا یوں یہ ہو گا، تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم تندرست رہو گے۔ سو وہ محراب سے اپنی قوم پر نکلے اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو۔

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا: اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں خوشخبری دی کہ ہم تمہیں ایک ایسے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا، اور اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا، اس بشارت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور عطا کی شان نمایاں ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے جو غیر معمولی اور بے مثال ہوتی ہیں۔

قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا: حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا، جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں

بڑھاپے کی انتہائی حد کو پہنچ چکا ہوں؟ یہ سوال دراصل قدرتِ الٰہی پر تعجب کا اظہار ہے، نہ کہ انکار؛ کیونکہ مومن کا دل اللہ کی قدرت پر یقین رکھتا ہے، مگر غیر معمولی حالات پر حیران بھی ہوتا ہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا: فرمایا گیا: ایسا ہی ہوگا، تمہارے رب نے کہا ہے کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے اور میں نے تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے، اس میں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو واضح کیا گیا ہے کہ جو ذات عدم سے وجود پیدا کر سکتی ہے، اس کے لیے کسی بھی غیر معمولی چیز کو وجود میں لانا مشکل نہیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا: حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادے، فرمایا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے، حالانکہ تم بالکل صحیح وسالم ہوگے، یہ نشانی دراصل ایک معجزہ تھی، جو قبولیتِ دعا کا یقین دلانے کے ساتھ ذکر وعبادت کی طرف خصوصی توجہ کا ذریعہ بھی بنی۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا: پھر حضرت زکریا علیہ السلام اپنی عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور اشاروں کے ذریعے انہیں بتایا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کیا کرو، یہ ان کی دعوتی شان کو ظاہر کرتا ہے کہ خود بھی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف جلیلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا {۱۲} وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا {۱۳} وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا {۱۴} وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا {۱۵} مریم

جواب ترجمہ: اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں حکم دے دیا۔

اور ان کو اپنے پاس سے رقت قلبی کی صفت اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ پرہیز گار تھے۔ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے اور وہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان پر اللہ کا سلام ہو جس دن پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے۔

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا: پس اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا عظیم فرزند عطا فرمایا اور جب وہ اس عمر کو پہنچے کہ خطاب کے قابل ہوئے تو انہیں حکم دیا گیا: اے یحییٰ! کتاب (تورات) کو پوری قوت، عزم اور محنت کے ساتھ تھام لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں حکمت، فہم دین اور پختہ عزم عطا فرمایا، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کم عمری ہی میں علم و حکمت کی دولت سے نواز دیتا ہے اور انہیں غیر معمولی فکری و روحانی پختگی عطا فرماتا ہے۔

وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا: اور ہم نے اپنی خاص رحمت سے انہیں نوازا، انہیں پاکیزگی عطا کی، اور وہ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے، یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کے مظہر تھے، ان کا باطن گناہوں کی آلائش سے پاک تھا اور وہ ہر حال میں اللہ کے احکام کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرنے والے تھے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا: اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک کرنے والے، نرم خو اور خدمت گزار تھے اور نہ وہ سرکش تھے اور نہ نافرمان، یہ آیت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اخلاقِ عالیہ کو نمایاں کرتی ہے کہ وہ نہ صرف اللہ کے حقوق ادا کرنے والے تھے بلکہ حقوق العباد، خصوصاً والدین کے حقوق میں بھی کامل تھے اور تکبر و سرکشی سے کوسوں دور تھے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا: اور ان پر سلامتی ہے اس دن جب وہ پیدا ہوئے اور اس دن جب وہ وفات پائیں گے اور اس دن جب وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، یہ تینوں مواقع انسان کی زندگی کے نہایت نازک اور خوفناک مرحلے ہوتے ہیں، پیدائش، موت اور

قیامت کا دن، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تمام مواقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل سلامتی اور امان عطا کی گئی، جو ان کے بلند مقام اور اللہ کے نزدیک ان کی مقبولیت کی روشن دلیل ہے۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی علمی، عملی اور اخلاقی عظمت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، علم و حکمت، تقویٰ و طہارت، والدین سے حسنِ سلوک اور تکبر سے پاکیزگی، یہ سب اوصاف ایک کامل انسان کی تصویر پیش کرتے ہیں اور پھر ان پر اللہ کی طرف سے ہر مرحلے میں سلامتی کی بشارت ان کی رفعتِ شان کو مزید نمایاں کرتی ہے۔

تذکرہ حضرت مریم علیہا السلام اور ولادت عیسیٰ علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا {۱۶} فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا {۱۷} قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا {۱۸} قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا {۱۹} قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا {۲۰} قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا {۲۱} فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا {۲۲} فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا {۲۳} فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا {۲۴} وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا {۲۵} فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا {۲۶} مریم

جواب ترجمہ: اور کتاب میں مریم کو یاد کیجیے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسی جگہ چلی گئی جو مشرق کی جانب تھا۔ پھر اس نے ان لوگوں سے ورے ایک پردہ ڈال لیا سو ہم نے اس کی

طرف اپنا فرشتہ بھیج دیا جو اس کے سامنے صحیح سالم آدمی بن کر ظاہر ہو گیا۔ مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ فرشتے نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ مریم نے کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا یوں ہی ہو گا تیرے رب نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی اور لہٰذا اس حمل کو لیے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی۔ سو درد زہ اسے کھجور کے تنے کے پاس لے آیا، وہ کہنے لگی ہائے کاش! میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو جاتی۔ سو اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ تو غم گین مت ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر پیدا فرما دی ہے۔ اور تو کھجور کے تنے کو اپنی جانب حرکت دے جس سے تجھ پر پکی تیار کھجوریں گریں گی۔ سو تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے لیے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا: اور (اے نبی!) اس کتاب میں مریم علیہا السلام کا تذکرہ کیجیے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب ایک گوشہ تنہائی میں جا بیٹھی تھیں، یہ تنہائی دراصل عبادت، طہارت اور رب سے تعلق کی گہرائی کے لیے تھی، جہاں وہ دنیا کے ہنگاموں سے الگ ہو کر اپنے پروردگار کی یاد میں مشغول تھیں۔

مَكَانًا شَرْقِيًّا: اس سے مراد وہ مقام ہے جو مشرقی جانب واقع تھا، چنانچہ مفسرین کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام بیت المقدس کے مشرق میں ایک گوشۂ خلوت میں تشریف لے گئیں۔ لفظ شرقی لغت میں مشرق کی طرف منسوب ہونے کے لیے آتا ہے، جس سے اس جگہ کی جہت اور تنہائی دونوں کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا: پس انہوں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک پردہ قائم کرلیا تاکہ خلوت میں عبادت کر سکیں، تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتے (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا، جو ان کے سامنے ایک مکمل اور خوبصورت انسان کی صورت میں ظاہر ہوئے، یہ منظر غیر معمولی تھا، جس میں فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا تاکہ پیغامِ الٰہی کو مناسب انداز میں پہنچایا جاسکے۔

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا: جب حضرت مریم علیہا السلام نے ایک اجنبی مرد کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے، یہ جملہ ان کی پاکدامنی، حیا اور تقویٰ کا روشن اظہار ہے کہ خطرے کے احتمال پر بھی انہوں نے اللہ کی پناہ کو اپنا سہارا بنایا۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا: فرشتے نے کہا: میں کوئی عام انسان نہیں بلکہ تیرے رب کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں، یہ بشارت ایک عظیم معجزے کی تمہید تھی، جس میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک نیا جلوہ دکھانے والا تھا۔ غُلَامًا زَكِيًّا: غلام سے مراد لڑکا یا نرینہ اولاد ہے، جبکہ "زکیّ" کے معنی ہیں: نہایت پاکیزہ، طاہر اور گناہوں کی آلائش سے منزہ، گویا یہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عطا ہونے والا فرزند ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے پاک ہوگا۔

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا: حضرت مریم علیہا السلام نے تعجب سے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا، جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں کوئی بدکار عورت ہوں؟ یہ سوال ان کی عفت و عصمت کی گواہی ہے اور اس غیر معمولی بشارت پر فطری حیرت کا اظہار بھی۔ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا: "بغیّ" ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جو بدکاری میں مبتلا ہو، حضرت مریم علیہا السلام کا یہ جملہ اپنی کامل عفت، پاکدامنی اور بلند اخلاقی مقام کی صریح گواہی ہے کہ وہ ہر قسم کی بے حیائی سے

پاک تھیں۔

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا

فرشتے نے جواب دیا: ایسا ہی ہو گا، تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور ہم اس بچے کو لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں گے اور یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے، یہ آیت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کو بیان کرتی ہے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی نتائج پیدا کرنے پر قادر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اسی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔

هَيِّنٌ: کے معنی ہیں: آسان، سہل اور بے مشقت، اللہ تعالیٰ کے فرمان هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر باپ کے بچے کو پیدا کرنا بھی اس کی قدرت کے لیے نہایت آسان ہے۔ اٰيَةً لِّلنَّاسِ: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک عظیم نشانی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر واضح دلیل ہے اور ساتھ ہی ایمان والوں کے لیے رحمت کا ذریعہ بھی۔ اَمْرًا مَّقْضِيًّا: مَقضِیّ کے معنی ہیں: فیصلہ شدہ، طے شدہ اور نافذ کردہ امر یعنی یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلے کے مطابق ہونا تھا، جس میں کوئی تغیر ممکن نہیں۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا: پس وہ اس بچے کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور لوگوں سے دور ایک الگ مقام پر چلی گئیں، یہ علیحدگی اس غیر معمولی حالت کو چھپانے اور اللہ کے فیصلے کے تحت تنہائی اختیار کرنے کے لیے تھی۔

مَكَانًا قَصِيًّا: قصیّ کے معنی ہیں: دور، الگ تھلگ اور گوشہ نشین مقام، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام لوگوں سے دور ایک ایسی جگہ چلی گئیں جہاں وہ مکمل تنہائی میں رہ سکیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا: پھر دردِ زہ انہیں کھجور کے درخت کے تنے تک لے آیا، تو وہ بول اٹھیں: کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور بالکل بھولی بسری ہو جاتی، یہ کلمات ان کی شدید اضطرابی کیفیت اور اس اندیشے کا

اظہار ہیں کہ لوگ ان پر کیا الزام لگائیں گے۔

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ: اَجَاءَ (باب افعال کا ماضی) جَاءَ (ثلاثی مجرد) بہ زیادتی ہمزہ متعدی بنایا گیا ہے لیکن اس کا ترجمہ فقط لانا نہیں بلکہ مجبور کر کے زبردستی لانا ہے یعنی دردِ ولادت نے اس کو مجبور کیا اور مجبور کر کے اس کو ایک درخت کے تنا کی طرف لے آیا۔ **مَخَاضُ** مصدر ہے۔ **مَخَضَتِ الْمَرْأَةُ** عورت کے پیٹ کے اندر بچہ نے باہر نکلنے کے لیے حرکت کی **مَخَاضُ** کی طرف لانے کی نسبت بطور مجاز فی الاسناد ہے یعنی **مَخَاضُ** کے وقت اللہ اس کو لے آیا، یہ مطلب ہے کہ مخاض کے سبب سے وہ آگئی درخت کے پاس۔ (مظہری)

جِذْعِ النَّخْلَةِ: "جذع" درخت کے تنے یا ٹھونٹھ کو کہا جاتا ہے، یہاں مراد کھجور کے درخت کا تنا ہے، جس کے پاس حضرت مریم علیہا السلام کو دردِ زہ لاحق ہوا۔ **نَسْيًا مَنْسِيًّا**: یہ ترکیب انتہائی بلیغ ہے، جس کا مفہوم ہے: ایسی بھولی بسری اور حقیر چیز جسے کوئی یاد نہ کرے، حضرت مریم علیہا السلام کے اس قول میں ان کی شدید اضطرابی کیفیت اور بدگمانی کے اندیشے کا اظہار پایا جاتا ہے۔

فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا: تو نیچے سے آواز آئی: غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے، یہ آواز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی یا فرشتے کی، بہر حال اس میں تسلی اور رحمت کا پیغام تھا۔ **تَحْتَكِ سَرِيًّا**: "سریّ" سے مراد ایک بہتا ہوا چشمہ یا ندی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے قدموں کے نیچے پانی کا ایک جاری سلسلہ پیدا فرما دیا، جو ان کے لیے تسکین اور رحمت کا باعث بنا۔

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا: اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، وہ تم پر تازہ کھجوریں گرا دے گا، یہاں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ بندے سے ظاہری اسباب اختیار کرنے کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ **رُطَبًا جَنِيًّا**: "رطب" تازہ اور نرم کھجور کو کہتے ہیں، جبکہ "جنیّ" کے معنی ہیں: پکا ہوا اور فوراً توڑنے کے قابل، یعنی ایسی کھجوریں جو بالکل

تیار اور لذیذ حالت میں ہوں۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا: پس کھاؤ، پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اگر تم کسی انسان کو دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لیے خاموشی کا روزہ رکھا ہے، اس لیے آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی، یہ خاموشی دراصل اللہ کے حکم کے تحت تھی، تاکہ حضرت مریم علیہا السلام خود جواب دینے کے بجائے اس معجزے کو ظاہر ہونے دیں جو ان کے بیٹے کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔

وَقَرِّي عَيْنًا: یہ ایک معروف عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے: آنکھیں ٹھنڈی کرو، دل کو سکون دو، غم کو چھوڑ دو، اس میں تسلی اور اطمینان کا نہایت لطیف پہلو پایا جاتا ہے۔ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ: "نذر" کے معنی ہیں: کسی عبادت یا طاعت کا پختہ عہد کرنا، یہاں مراد "نذرِ سکوت" ہے، یعنی حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ کے لیے یہ عہد کیا کہ وہ اس دن کسی انسان سے گفتگو نہیں کریں گی۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت مریم علیہا السلام کی پاکیزگی، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کو نہایت مؤثر اور روح پرور انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہ واقعہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے غیر معمولی طریقے سے اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے اور اپنے برگزیدہ بندوں کو آزمائش کے ساتھ ساتھ غیر معمولی نصرت اور تسلی بھی عطا کرتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت و عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا {۲۷} يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا {۲۸} فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا {۲۹} قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا {۳۰} وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ

مَا دُمْتُ حَيًّا {۳۱} وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا {۳۲} وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا {۳۳} ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ {۳۴} مریم

جواب ترجمہ: سو وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے کر آئی ان لوگوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو تو نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی۔ سو مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارہ میں ابھی بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنا دیا، اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا۔ اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے سچی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں۔

فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ: پس مریم علیہا السلام اپنے نومولود بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں، ان کا یہ آنا دراصل اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر کے اظہار کے لیے تھا، مگر ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ منظر قوم کے لیے نہایت حیرت اور انکار کا باعث بنا۔

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا: قوم نے سخت تعجب اور انکار کے ساتھ کہا: اے مریم! تم نے تو بڑا ہی عجیب اور بے سابقہ کام کر ڈالا ہے، یہاں **فَرِيًّا** سے مراد ایسا معاملہ ہے جو خلافِ عادت اور لوگوں کی نظر میں نہایت سنگین ہو۔ **شَيْئًا فَرِيًّا:** یہ ترکیب ایک نہایت شدید اور غیر معمولی معاملے کی طرف اشارہ کرتی ہے، مفسرین کے نزدیک **فَرِيًّا** ایسے کام کو کہتے ہیں جو گھڑا ہوا، خلافِ عادت اور انتہائی عجیب ہو، گویا قومِ مریم علیہا السلام نے اس لفظ کے ذریعے اپنے شدید تعجب اور انکار کا اظہار کیا کہ تم

ایک ایسا معاملہ لے آئی ہو جو عقل و عادت دونوں سے ماورا ہے۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا: انہوں نے کہا: اے ہارون کی بہن! نہ تمہارے باپ کوئی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی۔ یہ خطاب دراصل مریم علیہا السلام کے پاکیزہ خاندانی پس منظر کی طرف اشارہ ہے تاکہ ان پر لگایا جانے والا الزام اور بھی زیادہ تعجب خیز دکھائی دے۔

اِمْرَأَ سَوْءٍ: اس سے مراد ایسا شخص ہے جو بدکردار اور اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو، قرآنِ کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے والد کے بارے میں اس لفظ کی نفی کرکے ان کے پاکیزہ نسب اور بلند خاندانی شرافت کو نمایاں کیا۔ **بَغِيًّا:** یہ لفظ خاص طور پر بدکار عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو عفت و عصمت کے دائرے سے خارج ہو، قوم نے اس لفظ کو بطورِ الزام استعمال کیا، حالانکہ حقیقت اس کے سراسر برعکس تھی اور یہی تضاد اس واقعہ کی عظمت کو مزید واضح کرتا ہے۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ: مریم علیہا السلام نے جواب دینے کے بجائے بچے کی طرف اشارہ کیا، یہ ان کے اس نذرِ سکوت کا نتیجہ تھا جس کا حکم انہیں دیا گیا تھا اور ساتھ ہی یہ اللہ کی قدرت کے ظہور کا پیش خیمہ بھی تھا۔

قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا: قوم نے حیرت سے کہا: ہم اس بچے سے کیسے بات کریں جو ابھی گہوارے میں ہے؟ ان کے نزدیک یہ بات عقل سے بعید تھی کہ ایک نومولود بچہ گفتگو کرے۔ **الْمَهْدِ:** "مھد" اس نرم اور ہموار بستر کو کہتے ہیں جو شیر خوار بچے کے لیے تیار کیا جائے، بعض اہلِ تفسیر نے اس سے گود بھی مراد لی ہے، اس لفظ کے ذریعے بچے کی انتہائی کم عمری کو نمایاں کیا گیا، تاکہ معجزۂ کلامِ عیسیٰ علیہ السلام کی شان مزید ظاہر ہو۔ **صَبِيًّا:** اس سے مراد ایسا بچہ ہے جو ابھی شیر خواری کے مرحلے میں ہو، قوم کا تعجب اسی بنا پر تھا کہ ایک ایسا بچہ جو ابھی بولنے کے قابل بھی نہیں، وہ کیسے گفتگو کرے گا۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا: اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا، یہ پہلا اعلان توحید و عبودیت کا تھا، جس میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حقیقت واضح کر دی کہ وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ: اور اس نے مجھے جہاں بھی رہوں، باعثِ برکت بنایا، یعنی میری ذات لوگوں کے لیے خیر، ہدایت اور نفع کا ذریعہ ہو گی۔ **مُبَارَكًا:** یہ لفظ خیر و برکت کے ہمہ گیر مفہوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "مبارک" قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ جہاں بھی ہوں گے، لوگوں کے لیے نفع، ہدایت اور خیر کا ذریعہ بنیں گے، علم میں بھی، عمل میں بھی اور اخلاق میں بھی۔

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا: اور اس نے مجھے زندگی بھر نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا، یہ عبادت اور حقوق العباد دونوں کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا: اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا، یہاں ماں کی عظمت اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ **جَبَّارًا:** "جبار" اس شخص کو کہتے ہیں جو سرکش، سخت دل اور تکبر سے بھرپور ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وصف کی نفی کر کے اپنی عاجزی، انکساری اور بندگیِ رب کا اظہار فرمایا۔ **شَقِيًّا:** یہ لفظ اس بدبخت شخص کے لیے آتا ہے جو خیر و سعادت سے محروم ہو، اس کی نفی کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سراپا خیر اور سعادت ہیں، نہ کہ محرومی و شقاوت کے حامل۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا: اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا، یہ تینوں مراحل انسانی زندگی کے نہایت اہم اور پر ہیبت ادوار ہیں، جن میں اللہ کی خاص حفاظت کا ذکر کیا گیا ہے۔ **أُبْعَثُ حَيًّا:** یہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت، وفات اور بعثت، ان تینوں مراحل میں اللہ کی سلامتی کا ذکر کر کے انسانی حیات کے اہم ترین

مراحل کی طرف رہنمائی فرمائی۔

ذَالِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ: یہی ہے عیسیٰ بن مریم، سچی بات جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت یہی ہے جو بیان کی گئی، نہ اس میں کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ قَوْلَ الْحَقِّ: یہ تعبیر اس حقیقت کو قطعی اور فیصلہ کن انداز میں بیان کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہی سچا اور برحق بیان ہے، اس میں ہر قسم کے باطل عقائد کی تردید اور حق کا اثبات موجود ہے۔ يَمْتَرُونَ: اس کا معنی ہے شک کرنا، اختلاف میں پڑنا یا جھگڑنا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے بارے میں مختلف باطل نظریات کا شکار ہو گئے، حالانکہ قرآن نے حق کو نہایت واضح انداز میں بیان کر دیا۔

یہ پورا واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و عبودیت کا روشن اور فیصلہ کن اعلان ہے، جو ہر قسم کے باطل عقائد کی تردید کرتا ہے اور حق کو واضح ترین انداز میں سامنے لاتا ہے۔

توحید خالص، حقیقت مسیح علیہ السلام اور روز حسرت کی ہولناکی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ {۳۵} وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ {۳۶} فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ {۳۷} اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۳۸} وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۳۹} اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ {۴۰} مریم

جواب ترجمہ: یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ میرا

رب ہے اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔ پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کر لیا۔ سو بڑے دن کی حاضری کے موقع پر ان لوگوں کی بڑی خرابی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ وہ کیا ہی سننے والے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن ظالم لوگ آج صریح گمراہی میں ہیں۔ اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ: اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے، وہ ہر نقص اور احتیاج سے پاک ہے، اولاد کا تصور مخلوق کے ساتھ خاص ہے، جب کہ خالق اس سے منزہ و برتر ہے، جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو محض اپنے حکم "کن" سے اسے وجود بخش دیتا ہے، اس میں اس کی کامل قدرت اور بے نیازی کا اعلان ہے، جو ہر باطل عقیدہ، خصوصاً الوہیتِ مسیح کے دعوے کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واضح اور دوٹوک اعلان ہے کہ اللہ ہی میرا اور تم سب کا رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، اس ایک جملے میں عبودیتِ مسیح علیہ السلام اور توحیدِ باری تعالیٰ دونوں نہایت جلال کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور نصاریٰ کے تمام غلو آمیز تصورات کی تردید ہو گئی۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ: اتنی روشن ہدایت کے باوجود لوگوں نے گروہ بندی اختیار کی اور طرح طرح کے باطل عقائد گھڑ لیے، اس اختلاف کا انجام یہ بتایا گیا کہ کفر اختیار کرنے والوں کے لیے قیامت کے عظیم منظر میں سخت ہلاکت اور تباہی ہے، جہاں ہر باطل خیال ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

اختلافِ احزاب کی حقیقت: فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ سے مراد وہ مختلف گروہ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں متضاد اور باطل عقائد میں بٹ گئے۔ مفسرین کے نزدیک اس میں بالخصوص یہود و

نصاریٰ شامل ہیں: یہود نے نعوذ باللہ آپ پر بہتان تراشی کی، جبکہ نصاریٰ نے غلو کرتے ہوئے آپ کو الوہیت یا ابنیتِ الٰہی کا درجہ دے دیا، اس طرح حق کے واضح بیان کے باوجود، امتیں اپنے ہی اختلافات کی بھینٹ چڑھ گئیں۔

مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ کی معنوی لطافت: اس جملے میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ یہ اختلاف باہر سے مسلط نہیں ہوا، بلکہ انہی کے اندر سے پیدا ہوا، گویا ان کے اپنے نظریات، خواہشات اور فکری انحراف نے انہیں گروہوں میں تقسیم کر دیا، بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک یہاں "مِن" زائدہ ہے، جو اس مفہوم کو مزید مؤکد کرتی ہے کہ اختلاف انہی کے درمیان واقع ہوا۔

وعیدِ ہلاکت: فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا، وَيۡلٌ عربی اسلوب میں نہایت سخت وعید کے لیے آتا ہے، جس میں ہلاکت، تباہی اور شدید عذاب کا مفہوم پوشیدہ ہے، یہاں ان لوگوں کے لیے یہ وعید سنائی گئی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حق سے ہٹ کر باطل اقوال گھڑ لیے۔

مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ کی ہولناکی: "مشہد" سے مراد وہ عظیم حاضری اور منظر ہے جس میں سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہو گا، یہ قیامت کا دن ہے، جسے "یوم عظیم" کہا گیا، یعنی ایسا دن جو اپنی ہیبت، شدتِ حساب اور انکشافِ حقائق کے اعتبار سے بے مثال ہو گا، اس دن ہر باطل نظریہ ٹوٹ جائے گا، مگر اس انکشاف کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

مجموعی پیغام: آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اصل حقیقت واضح ہونے کے باوجود اہلِ کتاب نے اختلاف کی راہ اختیار کی، جس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے، اس انحراف کا انجام یہ ہے کہ قیامت کے دن، جب سب حقیقتیں کھل جائیں گی، انہیں سخت عذاب اور حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ آیت انسان کو یہ درس دیتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اختلاف، تعصب اور خواہشِ نفس کی پیروی انسان کو ہلاکت کے کنارے تک پہنچا دیتی ہے، اور پھر واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ: یہ ایک بلیغ اسلوبِ تعجب ہے، قیامت کے دن یہ لوگ خوب سننے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے، جب حقائق ان پر منکشف ہوں گے، مگر آج وہ ظلم و گمراہی میں اس قدر ڈوبے ہیں کہ نہ سننے کو تیار ہیں نہ دیکھنے کو، گویا بصیرت چھن چکی ہے اور ہدایت کے دروازے خود اپنے اوپر بند کر لیے گئے ہیں۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ: اے نبی ﷺ! انہیں اس دن سے ڈرایئے جو سراسر حسرت و ندامت کا دن ہو گا، جب فیصلہ صادر ہو چکے گا، واپسی کا کوئی راستہ نہ رہے گا اور یہ دنیا میں غفلت کے پردوں میں لپٹے ایمان سے محروم رہے، اس دن کی حسرت ایسی ہو گی جس کا ازالہ ممکن نہ ہو گا۔

حسرت اور افسوس کا دن کافروں کے لیے ندامت اور شرمندگی کا دن ہو گا، جس دن اللہ کی طرف سے معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، موت کو سفید مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا، مخلوق کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، اہل ایمان جنت کی طرف چلے جائیں گے اور کافر دوزخ کی طرف چلے جائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں ان چیزوں سے غافل رہے جن سے ان کو ڈرایا جاتا رہا، نہ یہ حق و صداقت کی تصدیق کرتے تھے اور نہ ہی نیک اعمال بجالاتے تھے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اس روز کو یوم الحسرت اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ ایک خاص قسم کی حسرت اہل جنت کو بھی ہو گی جیسا کہ طبرانی اور ابو یعلیٰ نے بروایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہو گی بجز ان لمحات وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔

اور بغوی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت و ندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یہ ندامت و حسرت کس بناء پر ہو گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والے کو اس پر حسرت ہو گی کہ اور زیادہ نیک اعمال

کیوں نہ کر لئے کہ اور زیادہ درجات جنت ملتے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہو گی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آگیا۔ (مظہری)

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ: بالآخر زمین اور اس پر بسنے والے سب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہی حقیقی وارث ہے، سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، نہ کوئی اقتدار باقی رہے گا، نہ کوئی دعویٰ، صرف ربِّ واحد کی بادشاہی اور اس کا فیصلہ۔

ان آیاتِ کریمہ میں تین عظیم حقائق پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کہ وہ ہر طرح کی نسبتِ اولاد سے پاک ہے۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے خالص توحید اور اپنی بندگی کا اعلان۔ ③ قیامت کے دن کا ہولناک انجام، جہاں آج کی غفلت، کل کی حسرت بن کر سامنے آئے گی۔ یہی مضامین دلوں کو جھنجھوڑتے ہیں، عقیدہ درست کرتے ہیں اور انسان کو انجامِ آخرت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

واقعہ ابراہیم علیہ السلام اور دعوت توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا {۴۱} اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا {۴۲} يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا {۴۳} يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا {۴۴} يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا {۴۵} قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا {۴۶} قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا {۴۷} وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا {۴۸} فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا {۴۹}

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا {۵۰}مریم

جواب ترجمہ: اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے۔ بیشک وہ صدیق تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، سو تم میرا اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش نہ کرو، بلاشبہ شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ بلاشبہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہیں رحمن کی طرف سے کوئی عذاب پکڑ لے پھر تم شیطان کے دوست ہو جاؤ۔ ان کے باپ نے جواب دیا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے ہٹنے والا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ضرور تجھے سنگسار کروں گا۔ اور تو مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا اسلام لے لو میں تمہارے لیے عنقریب اپنے رب سے استغفار کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ کرتا ہوں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے سے محروم نہ رہوں گا۔ پھر جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرلی جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا فرمادیے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنادیا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان کو بلند کردیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا: اے رسول! اس کتابِ ہدایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیجیے، جو سچائی کے پیکر، حق کی تصدیق کرنے والے اور اللہ کے برگزیدہ نبی تھے، ان کی ذات صدق و اخلاص اور یقینِ کامل کا روشن نمونہ تھی۔ **صِدِّيقًا نَّبِيًّا:** لفظ صدّیق مبالغہ کا صیغہ ہے، جس سے مراد وہ شخصیت ہے جو سچائی میں کامل اور حق کی تصدیق میں انتہائی درجہ پر فائز ہو، یہ محض سچ بولنے والا نہیں بلکہ سراپا صدق ہوتا ہے اور نبیًّا اس منصبِ جلیل کی طرف

اشارہ ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ کے احکام کا حامل اور اس کا پیغامبر بنتا ہے، یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں کمالِ صدق اور منصبِ نبوت دونوں جمع کر دیے گئے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا: جب انہوں نے نہایت ادب و شفقت کے ساتھ اپنے باپ آزر سے فرمایا: اے میرے محترم باپ! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ آپ کی پکار سن سکتی ہیں، نہ آپ کو دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی کسی نقصان یا فائدے کا اختیار رکھتی ہیں؟ **وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا:** لایُغنی کا معنی ہے: کسی چیز سے کفایت نہ کرنا، نہ بچا سکنا، مفسرین کے مطابق یہاں مشرک معبودوں کی بے بسی بیان کی گئی ہے کہ وہ نہ کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کسی نفع کا ذریعہ بن سکتے ہیں، یہ تعبیر توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کا نہایت بلیغ اسلوب ہے۔

يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا: اے میرے باپ! مجھے وہ علم عطا ہوا ہے جو آپ کو حاصل نہیں، لہٰذا آپ میری پیروی کیجیے، میں آپ کو سیدھے اور درست راستے کی طرف رہنمائی کروں گا۔ **صِرَاطًا سَوِيًّا:** صراط راستے کو کہتے ہیں، جبکہ سویاً کے معنی ہیں: سیدھا، معتدل اور درست، گویا یہ ایسا راستہ ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، بلکہ کامل اعتدال اور ہدایت ہے، یعنی دینِ توحید۔

يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا: اے میرے باپ! شیطان کی پیروی نہ کیجیے، کیونکہ شیطان ہمیشہ سے اللہ رحمن کا نافرمان رہا ہے، اس کی اطاعت درحقیقت گمراہی کی پیروی ہے۔ **عَصِيًّا:** یہ عاصٍ سے ماخوذ ہے اور مبالغہ کے طور پر آیا ہے، یعنی انتہائی نافرمان، یہاں شیطان کی سرکشی اور اس کی دائمی بغاوت کو واضح کیا گیا ہے، کہ وہ ابتدا ہی سے اللہ کے حکم کا مخالف رہا۔

يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا: اے میرے باپ! مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ اسی حالت میں رہے تو اللہ کا عذاب آپ کو آلے گا اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں گے۔ **وَلِيًّا:** ولیّ کے معنی ہیں: دوست، مددگار اور ساتھی، سیاقِ آیت میں اس کا

مفہوم یہ ہے کہ کافر شخص اپنے کفر کے سبب شیطان کا ساتھی اور اس کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا: باپ نے غصے میں آ کر کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بیزاری اختیار کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور تم ایک مدت تک مجھ سے دور ہو جاؤ۔ **لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا:** لأرجمنک کے بارے میں مفسرین نے دو معنی بیان کیے، سنگسار کرنا (حقیقی معنی) سخت گالی دینا (مجازی معنی) مَلِیًّا کے معنی ہیں: طویل مدت، لمبا زمانہ، یعنی آزر نے غصے میں کہا: اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سزا دوں گا اور تم مدتوں کے لیے مجھ سے دور ہو جاؤ۔

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا: ابراہیم علیہ السلام نے نہایت حلم و بردباری کے ساتھ جواب دیا: آپ پر سلام ہو! میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ **كَانَ بِي حَفِيًّا:** حفیّ کا معنی ہے: نہایت مہربان، لطف کرنے والا، باریک بینی سے خیال رکھنے والا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا ہے، میری دعاؤں کو قبول کرتا آیا ہے۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا: اور میں آپ سے اور ان معبودوں سے کنارہ کش ہوتا ہوں جنہیں آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور میں اپنے رب ہی کو پکارتا رہوں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ **شَقِيًّا:** شقی کے معنی ہیں: بدبخت، محروم خیر، یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام امید ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کو پکار کر محروم اور بدبخت نہیں ہوں گے، بلکہ سعادت نصیب ہو گی۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا: پس جب انہوں نے ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی، تو ہم نے انہیں اس کا بہترین صلہ دیا اور انہیں حضرت اسحاق علیہ السلام عطا کیے اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بخشا اور ان دونوں کو نبوت کے اعلیٰ منصب سے سرفراز فرمایا۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا: اور ہم نے اپنی رحمت سے انہیں بے شمار نعمتیں عطا کیں اور ان کے لیے دنیا میں سچی اور بلند پایہ نیک نامی قائم کر دی، تاکہ رہتی دنیا تک لوگ انہیں عزت و محبت سے یاد کریں۔ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا: یہ نہایت بلیغ اور جامع تعبیر ہے، لسان صدق سے مراد ہے: سچی تعریف، نیک نامی اور دائمی حسنِ ذکر، علیًّا یعنی بلند، عالی مرتبہ، مفسرین کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو ایسا بلند پایہ ذکر عطا فرمایا جو رہتی دنیا تک لوگوں کی زبانوں پر جاری رہے گا اور یہ تعریف سچی اور حقیقی ہوگی، نہ کہ مبالغہ یا جھوٹ پر مبنی۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید، ان کا حکیمانہ اندازِ تبلیغ، باپ کے ساتھ انتہائی ادب و شفقت اور مخالفت کے باوجود صبر و استقامت کو نمایاں کیا گیا ہے، یہاں ایک اہم سبق یہ ہے کہ حق کی دعوت حکمت، نرمی اور احترام کے ساتھ دینی چاہیے، مخالفت آئے تو صبر اختیار کیا جائے، اور اللہ کی رضا کے لیے تعلقات تک قربان کرنے پڑیں تو دریغ نہ کیا جائے، یہی وہ طرزِ عمل ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا و آخرت میں سربلند کیا اور اللہ نے انہیں نسلوں تک کے لیے ہدایت کا مینار بنا دیا۔

تذکرہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا {۵۱} وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا {۵۲} وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا {۵۳} مریم

جواب ترجمہ: اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کیجیے بلاشبہ وہ خاص کیے ہوئے تھے اور وہ رسول تھے اور نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا اور انہیں سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا: اے میرے حبیب ﷺ! اس کتابِ ہدایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی کیجیے، جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، چنے ہوئے اور خاص بندوں میں سے تھے۔ مُخْلَصًا: کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے منتخب فرمایا اور انہیں ہر طرح کی آلودگی سے پاک کر کے خالص اپنی اطاعت کے لیے مخصوص کر دیا اور وہ صرف نبی ہی نہیں بلکہ رسول بھی تھے، یعنی شریعت اور پیغامِ الٰہی لے کر مبعوث کیے گئے۔

وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا: اور ہم نے انہیں طور کے پہاڑ کے دائیں جانب سے پکارا، یہ الْأَيْمَنِ (دائیں جانب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام و موقع کے اعتبار سے تھا، اس ندا میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور خطاب شامل تھا، پھر ہم نے انہیں اپنے قربِ خاص سے نوازا اور راز و نیاز کے شرف سے مشرف کیا، یہاں تک کہ وہ براہِ راست کلامِ الٰہی سننے کے عظیم اعزاز سے سرفراز ہوئے، یہی وہ مقام ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیمُ اللہ کے شرف سے ممتاز کیا، کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، جو انبیاء میں ایک منفرد امتیاز ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا: اور ہم نے اپنی خاص رحمت اور فضل سے انہیں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر عطا فرمایا، یہ عطا دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت تھی جس میں انہوں نے اپنے مشن کی اعانت کے لیے اپنے بھائی کو شریکِ کار بنانے کی درخواست کی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی دعا قبول فرمائی بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت کے منصب پر فائز کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کو قوت و استحکام عطا فرمایا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھبہ کے لفظی معنیٰ عطیہ کے ہیں، حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ ان کی امداد کے لئے حضرت ہارون کو بھی نبی بنا دیا جائے دعا قبول کی گئی اسی کو لفظ وَهَبْنَا سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہم نے عطیہ دے دیا موسیٰ علیہ السلام کو ہارون کا، اسی لئے حضرت ہارون کو هِبَةُ اللهِ بھی کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

تذکرہ اسماعیل علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا {۵۴} وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا {۵۵} مریم

جواب ترجمہ: اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول تھے نبی تھے۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ: قرآنِ کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مستقل تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی ذاتِ گرامی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ مفسرین، خصوصاً امام مراغی رحمہ اللہ کے نزدیک اس ذکر کا مقصد ان کے مقام و کمال کو نمایاں کرنا اور ان کی صفاتِ عالیہ کی طرف خصوصی توجہ دلانا ہے، تاکہ اہلِ ایمان ان کی سیرت سے رہنمائی حاصل کریں۔

إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ: یہ وصف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت کا نمایاں ترین امتیاز ہے، مفسرین نے اس کے متعدد پہلو بیان کیے ہیں، بعض روایات کے مطابق انہوں نے ایک شخص سے وعدہ کیا اور اس کی وفا میں طویل مدت، یہاں تک کہ ایک سال تک انتظار فرمایا، بعض اقوال میں چند دنوں تک انتظار کا ذکر ہے، جو ان کے غیر معمولی صبر اور وفاداری کو ظاہر کرتا ہے۔ امام زمخشری کے نزدیک انہیں اس وصف کے ساتھ ذکر کرنا دراصل ان کی تکریم ہے، کیونکہ صدقِ وعد ان کی معروف اور نمایاں خصلت تھی۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے اس کو اس عظیم آزمائش سے جوڑا ہے جب انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہونے کے حکم پر صبر کا وعدہ کیا اور اسے پورا کر دکھایا۔ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وصف محض لوگوں سے کیے گئے وعدوں تک محدود نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد یعنی احکامِ الٰہی کی کامل پیروی کو بھی شامل ہے۔ ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وفا، دیانت اور التزامِ حق کے اعلیٰ ترین نمونے تھے۔

وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا: یہاں ان کے منصبِ رسالت و نبوت کو بیان کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ "رسول" ہونا لازماً نئی شریعت لانے کو مستلزم نہیں، بلکہ وہ سابقہ شریعت کی تبلیغ پر بھی مامور ہو سکتا ہے، جیسا کہ اولادِ ابراہیم علیہم السلام اپنی اصل میں ایک ہی دینی سلسلے سے وابستہ تھی۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے اہل و عیال کی اصلاح پر توجہ دیتے تھے۔ مفسرین کے مطابق یہ اس بات کی تعلیم ہے کہ اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے ہونا چاہیے۔ زمخشری کے الفاظ میں وہ اپنے گھر والوں کو عبادت اور نیکی کا حکم دے کر انہیں دوسروں کے لیے نمونہ بناتے تھے۔ بعض اہلِ علم نے أَهْلَهُ سے مراد ان کی پوری امت لی ہے، کیونکہ نبی اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ یہ آیت دعوتِ دین کے ایک اہم اصول کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ قریبی لوگوں کی اصلاح مقدم ہے۔

وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا: یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سب سے جامع اور عظیم صفت ہے۔ مفسرین کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ: ان کے اعمال، اقوال اور نیتیں سب اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھیں۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو رضائے الٰہی کے مطابق تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ نہ صرف اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور یہی انسانی کمال کی انتہا ہے۔

تذکرہ حضرت ادریس علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا {٥٦} وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا {٥٧} مریم

جواب ترجمہ: اور کتاب میں ادریس کو یاد کیجیے بلاشبہ وہ صدیق تھے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھالیا۔

قرآنِ حکیم ان مبارک آیات میں حضرت ادریس علیہ السلام کا نہایت اختصار مگر بڑی عظمت کے ساتھ ذکر فرماتا ہے اور ان کے مقام و مرتبہ کی دو بنیادی جہات کو نمایاں کرتا ہے: صدقِ کامل اور رفعتِ بلند۔

نسب، نام اور تعارف: مفسرین کے اقوال کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام کا اصل نام اخنوخ تھا اور آپ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء میں شمار ہوتے ہیں، آپ کو "ادریس" اس وجہ سے کہا گیا کہ آپ کثرت سے اللہ کی کتابوں کا درس و تدریس فرمایا کرتے تھے۔ بعض روایات میں آپ کے ساتھ مختلف علوم و فنون جیسے لکھنا، لباس تیار کرنا اور حساب کی ابتداء منسوب کی گئی ہے، لیکن محقق مفسرین (خصوصاً امام مراغی رحمہ اللہ) نے ان روایات کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے اور قطعی اعتماد کو قرآن کے بیان تک محدود رکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک روایت کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نہایت عبادت گزار، شب زندہ دار اور کثرتِ ذکر کرنے والے تھے، وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے اور اپنی کمائی کا بڑا حصہ صدقہ کر دیتے تھے، ان کی یہی پاکیزہ زندگی ان کی رفعتِ مقام کا سبب بنی۔ (تفسیر بحر العلوم)

إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا: صدق و نبوت کا کمال: اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو "صدّیق" اور "نبی" قرار دیا، "صدّیق" وہ ہستی ہوتی ہے جو نہ صرف خود سچائی پر قائم ہو بلکہ ہر حق بات کی دل و جان سے تصدیق کرے، اس میں صدقِ قول، صدقِ عمل اور صدقِ نیت تینوں کا کمال پایا جاتا ہے، "نبی" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی عطا ہوئی اور آپ کو بندگانِ خدا کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا گیا، یوں یہ دونوں اوصاف مل کر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام نہ صرف علمِ حق کے حامل تھے بلکہ اس کے عملی نمونہ بھی تھے۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا: رفعتِ مقام کی حقیقت: اس آیت میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھالیا، مفسرین نے اس رفع کے بارے میں دو اہم تعبیرات بیان کی ہیں ① معنوی رفعت (درجہ و مقام کی بلندی) بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ان کا مقامِ نبوت، قربِ الٰہی اور روحانی مرتبہ ہے۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے "رفعِ ذکر" اور "علوِ شان" کے

الفاظ آتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی ان کے بلند مرتبے کو بیان کیا گیا ہے۔ ② حسی رفع (آسمان کی طرف اٹھایا جانا) جمہور مفسرین نے اس سے مراد جسمانی طور پر آسمان کی طرف اٹھایا جانا لیا ہے۔

احادیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا، اس بنا پر ایک بڑی جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ آپ کو زندہ حالت میں آسمان پر اٹھایا گیا، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں معروف ہے۔

حیات یا وفات؟: اس مسئلہ میں مفسرین کے درمیان چند اقوال پائے جاتے ہیں: پہلا قول : آپ آسمان پر زندہ ہیں (یہی قول جمہور کا ہے اور حدیثِ معراج سے تقویت پاتا ہے) دوسرا قول : آپ آسمان پر اٹھائے گئے مگر وہیں وفات پا گئے۔ تیسرا قول : آپ کی وفات ہو چکی، مگر اس کی تفصیل قطعی طور پر معلوم نہیں۔ قبر کے مقام کے بارے میں کوئی مستند اور قطعی روایت موجود نہیں، اس لیے اس باب میں توقف ہی راجح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رحمہ اللہ سے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ

جَاءَهُ خَلِيلٌ لَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَسَأَلَهُ حَتَّى يُكَلِّمَ مَلَكَ الْمَوْتِ حَتَّى يُؤَخِّرَ قَبْضَ رُوحِهِ فَحَمَلَهُ ذَالِكَ الْمَلَكَ بَيْنَ جَنَاحَيْهِ فَصَعِدَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا كَانَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَإِذَا مَلَكُ الْمَوْتِ يَقُولُ بُعِثْتُ وَقِيلَ لِي اقْبِضْ رُوحَ إِدْرِيسَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ، وَأَنَا أَقُولُ كَيْفَ ذَلِكَ وَهُوَ فِي الْأَرْضِ فَالْتَفَتَ إِدْرِيسُ فَرَآهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَبَضَ رُوحَهُ هُنَاكَ (تفسیر کبیر)

حضرت ادریس علیہ السلام کا ایک فرشتہ دوست تھا، آپ نے اس سے درخواست کی کہ وہ انہیں ملک الموت سے ملا دے تاکہ ان کی موت میں تاخیر ہو جائے، وہ فرشتہ انہیں اپنے پروں پر اٹھا کر آسمان کی طرف لے گیا، جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچے تو وہاں ملک الموت کو یہ کہتے ہوئے پایا گیا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے

کہ ادریس کی روح چوتھے آسمان پر قبض کروں، حالانکہ میں تعجب کر رہا تھا کہ وہ تو زمین پر ہیں! اسی لمحے حضرت ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے، چنانچہ وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی۔

حاصلِ کلام: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت ادریس علیہ السلام کی شخصیت کے دو درخشاں پہلو نمایاں کیے گئے ہیں، (۱) صدقِ کامل، جو ایمان و عمل کی معراج ہے۔ (۲) رفعتِ مقام، جو اللہ کے قرب اور عظمتِ شان کی دلیل ہے۔ یہ دونوں صفات اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ جو بندہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں بلند مقام عطا فرماتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا یہ تذکرہ اہلِ ایمان کے لیے ایک روشن مثال ہے کہ سچائی، عبادت اور اخلاص انسان کو کس طرح رفعتِ دوام تک پہنچا دیتے ہیں۔

سجدہ خشیت سے انجام آخرت تک

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا {۵۸} فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا {۵۹} إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا {۶۰} جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا {۶۱} لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا {۶۲} تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا {۶۳} وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا {۶۴} رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا {۶۵} وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا {۶۶} أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ

شَيْـًٔا {٦٧} فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا {٦٨} ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا {٦٩} ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا {٧٠} مریم

جواب ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی ان میں انبیاء کرام ہیں جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چن لیا جب ان پر رحمن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر جاتے ہیں۔

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ جنت ہمیشہ رہنے کے باغوں کو شامل ہو گی جس کا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ اس وعدہ کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ وہ اس میں سلام کے علاوہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور ان کا رزق انہیں جنت میں صبح شام ملا کرے گا۔ یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو۔

اور ہم نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کے لیے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سو آپ اس کی عبادت کیجیے اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہیے کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں۔

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا یہ ضروری بات ہے کہ میں عنقریب زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان اس بات کو نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ تیرے رب کی قسم ہے ہم ان لوگوں کو ضرور ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر ہم ان کو

دوزخ کے قریب اس حال میں حاضر کر دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر ہم ہر جماعت میں ان کو علیحدہ کر دیں گے (جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی) جو رحمن کے مقابلہ میں بہت سخت سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ: یہ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کا ذکر اس سورت میں حضرت زکریا علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک کیا گیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ انبیاء ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے، کشتیٔ نوح میں سوار ہونے والوں کی اولاد سے اور حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام کی ذریت میں سے تھے، اللہ نے انہیں ہدایت بخشی، منتخب فرمایا اور منصبِ نبوت سے سرفراز کیا، ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے آیاتِ الٰہی تلاوت کی جاتیں تو خشیتِ الٰہی سے مغلوب ہو کر سجدہ ریز ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ: ان پاکیزہ نفوس کے بعد ایسے نااہل جانشین پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا، اس کے حقوق ادا نہ کیے اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل پڑے، انہوں نے گناہوں، خصوصاً شہوات میں ڈوب کر اپنی زندگی برباد کر لی، ایسے لوگ عنقریب جہنم میں رسوائی اور ہلاکت کا مزہ چکھیں گے۔

إِلَّا مَن تَابَ: تاہم اللہ کی رحمت کا دروازہ بند نہیں، جو شخص سچے دل سے توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل اختیار کرے، وہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہو جائے گا جو جنت میں داخل کیے جائیں گے، ان کے اعمال کا اجر ذرہ برابر بھی کم نہ کیا جائے گا۔

جَنَّاتِ عَدْنٍ: یہ دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کا وعدہ رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے، اگرچہ انہوں نے ان کو دیکھا نہیں، مگر ایمان کی بنیاد پر یقین رکھا، اللہ کا وعدہ یقینی ہے، جو ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا: ان جنتوں میں نہ کوئی بیہودہ بات سنائی دے گی، نہ کوئی لغو کلام، بلکہ ہر طرف سلامتی اور پاکیزہ گفتگو کا ماحول ہو گا، فرشتے بھی اہلِ جنت کو سلام پیش کریں گے اور انہیں صبح و شام ان کی خواہش کے مطابق رزق فراہم کیا جائے گا۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ: یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے ان بندوں کو بناتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، یعنی اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ: یہاں فرشتوں کی زبان سے یہ حقیقت بیان کی گئی کہ وہ اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے بلکہ صرف اللہ کے حکم سے آتے ہیں، جو کچھ ہمارے سامنے ہے، جو کچھ پیچھے ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں۔

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: وہی آسمانوں اور زمین کا خالق، مالک اور مدبر ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کیجیے اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہیے، کیونکہ اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ: منکرِ قیامت بطورِ استہزاء کہتا ہے: کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ گویا اسے یہ امر ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ: کیا وہ یہ بات یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا، جب وہ کچھ بھی نہ تھا؟ جب پہلی تخلیق ممکن ہوئی تو دوبارہ پیدا کرنا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے؟

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ: اے میرے حبیب ﷺ! آپ کے رب کی قسم، ہم ان سب کو ان کے شیاطین سمیت قبروں سے نکالیں گے، پھر انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرا کر کھڑا کریں گے، ذلت و رسوائی کے ساتھ۔

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ: پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو الگ نکالیں گے جو سب سے زیادہ سرکش اور نافرمان تھے، یعنی گمراہی کے پیشوا اور قائدین۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ: اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کون لوگ جہنم میں داخل ہونے اور اس کے عذاب کو بھگتنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

کیا ہر شخص کو دوزخ عبور کرنا پڑے گی؟

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا {۷۱}مریم

جواب ترجمہ: اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گزر نہ ہو، اس بات کا تمہارے پروردگار نے حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔

یعنی کوئی انسان مومن یا کافر ایسا نہ رہے گا جس کا ورود جہنم پر نہ ہو ورود سے مراد دخول نہیں بلکہ عبور ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں لفظ مرور بھی آیا ہے اور اگر دخول مراد لیا جاوے تو مومنین متقین کا دخول اس طرح ہو گا کہ جہنم ان کے لئے برد و سلام بن جائے گی ان کو اس کی کوئی تکلیف محسوس نہ ہو گی جیسا کہ حضرت ابو سمیہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نیک آدمی یا فاجر آدمی باقی نہ رہے گا جو ابتداً جہنم میں داخل نہ ہو مگر اس وقت مومنین متقین کے لئے جہنم برد و سلام بن جائے گی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے نار نمرود برد و سلام بنادی گئی تھی۔ اس کے بعد مومنین کے یہاں سے نجات دے کر جنت میں لے جایا جائے گا یہی معنٰی آیت کے اس اگلے جملے کے ہیں ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یہ مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ ورود کا آیا ہے اگر اس کے معنٰی دخول کے بھی لئے جاویں تو دخول بطور عبور کے مراد ہو گا اس لئے کوئی تضاد نہیں۔ (معارف القرآن)

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے کہیں گے اللہ نے تو فرمایا تھا کہ ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور ہمارا ورود تو ہوا ہی نہیں تو ان سے فرمایا جائے گا کہ تم وہیں سے گزر کر تو آرہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت آگ کو ٹھنڈی کر دیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک بار اپنی بیوی صاحبہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی رونے لگیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں روئیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپ نے فرمایا مجھے تو آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم :۷۱)، یاد آگئی اور رونا آگیا۔ مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا نہیں؟ اس وقت آپ بیمار تھے۔

حضرت ابو میسرہ رحمۃ اللہ علیہ جب رات کو اپنے بستر پر سونے کیلئے جاتے تو رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہی آیت ہے۔ یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہوگا اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں؟

ایک بزرگ شخص نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گزرنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یقیناً معلوم ہے۔ پھر پوچھا کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کوئی علم نہیں پھر فرمایا ہمارے لئے ہنسی خوشی کیسی؟ یہ سن کر اس وقت سے لے کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

نجات متقین اور گمراہوں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا {۷۲} وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا {۷۳} وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا {۷۴} قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا {۷۵} وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا {۷۶} مریم

جواب ترجمہ: پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں ایسی

حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے مقام کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو سازو سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے۔ آپ فرما دیجیے کہ جو شخص گمراہی میں ہو گا تو رحمن اسے مہلت دے گا یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو یا عذاب ہو گا یا قیامت ہو گی۔ سو عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون ہے جو بری جگہ والا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہے۔ اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا: پھر اس ہولناک مرحلہ یعنی صراط پر گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو نجات عطا فرمائے گا، وہ جو اس کے احکام کی پیروی کرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے اور ظالموں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ جہنم میں گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے، نہ انہیں وہاں سے نکلنے کی طاقت ہو گی اور نہ فرار کی کوئی راہ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ: جب ان لوگوں کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر اہلِ ایمان سے تکبر و غرور کے ساتھ کہتے ہیں: بتاؤ! ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر ہے، ہم جو عالی شان مکانوں اور عمدہ مجلسوں کے مالک ہیں، یا تم جو ظاہری طور پر کمزور اور بے سر و سامان ہو؟

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ: حالانکہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جو مال و دولت، زیب و زینت اور ظاہری شان و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، ان کے لباس زیادہ نفیس، ان کے جسم زیادہ آسودہ اور ان کی زندگی زیادہ پر تعیش تھی، مگر یہ سب کچھ انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکا۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ: اے میرے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے: جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں اور آگے بڑھ جائے، یہاں تک کہ جب وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا، خواہ دنیا میں یا آخرت میں، تو انہیں حقیقت کھل جائے گی کہ بدترین مقام اور کمزور ترین مددگار کس کے ہیں: وہ خود یا اہلِ ایمان؟

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى: اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو مزید ہدایت، ایمان اور اطاعت کی توفیق عطا فرماتا ہے، ان کے نیک اعمال، جو دائمی سعادت کا ذریعہ ہیں، اللہ کے نزدیک اجر کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے بھی نہایت مبارک۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں نہایت حکیمانہ انداز میں دو حقیقتیں واضح کی گئی ہیں: متقین کا انجام: نجات، سلامتی اور کامیابی۔ کفار و ظالمین کا انجام: ذلت، بے بسی اور دائمی عذاب۔ اور اس کے ساتھ ایک اہم اصول بھی بیان ہوا کہ: دنیا کی مہلت کامیابی کی دلیل نہیں، بلکہ آزمائش ہے۔ گمراہوں کو مہلت اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں، جبکہ اہلِ ہدایت کو مزید ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ یہی قرآن کا اٹل فیصلہ ہے کہ اصل کامیابی ظاہری مال و جاہ میں نہیں، بلکہ ایمان، تقویٰ اور اعمالِ صالحہ میں ہے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور عاص بن وائل

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ اس میں کس کا ذکر ہے؟ شانِ نزول کیا ہے؟

اَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا {۷۷} اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا {۷۸} كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا {۷۹} وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِينَا فَرْدًا {۸۰} مریم

جواب ترجمہ: بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔ کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا یا اس نے

رحمن سے کوئی عہد لیا ہے۔ ہرگز نہیں ہم عنقریب اس کی بات لکھ لیں گے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے رہیں گے۔ اور اس کی کہی ہوئی چیز کے ہم مالک رہ جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

شان نزول: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں لوہار تھا اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو، اس کافر نے کہا بس تو پھر یہی رہی جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اولاد بھی ملے گی وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آجانا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (بخاری مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مکہ میں اس کی تلوار بنائی تھی جس کی اجرت اس نے ادا نہیں کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے اس لئے مجھے جو جواب دیا میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس پر یہ آیتیں اتریں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی ریشم پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا۔ (ابن کثیر) اس آیت میں جس مردود شخص کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کافر تھا، اس کا نام عاص بن وائل تھا۔

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا: یہ منکرِ حق جو بڑے وثوق سے آخرت میں مال و اولاد کے عطا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس نے غیب پر اطلاع حاصل کر لی ہے کہ ایسی بات یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے؟ یا پھر اس نے رحمن کے ہاں کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے کہ اسے ضرور نوازا جائے گا؟ یہ استفہام دراصل اس کے دعوے کی تردید اور اس کے باطل گمان کا ابطال ہے، کہ نہ اسے غیب کا علم ہے اور نہ ہی اللہ کے ہاں کوئی ایسا وعدہ جس پر وہ تکیہ کر رہا ہو۔

كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ: ہرگز نہیں! حقیقت اس کے خیال کے برعکس ہے، ہم اس کی ہر بات کو لکھ رہے ہیں، اس کے اقوال و اعمال سب محفوظ کیے جارہے ہیں اور اس کے باطل دعووں اور گستاخانہ رویّے کے سبب اس کے عذاب میں اضافہ کیا جائے گا، یعنی وہ صرف اپنے اعمال ہی کا نہیں بلکہ اپنے جھوٹے دعوؤں کا بھی خمیازہ بھگتے گا۔

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ: اور جس مال و اولاد پر وہ فخر کر رہا ہے، ہم اسے اس سے چھین لیں گے اور سب کچھ ہمارے ہی قبضۂ قدرت میں آجائے گا، آخرکار وہ ہمارے حضور اکیلا آئے گا، نہ مال ساتھ ہوگا، نہ اولاد، نہ کوئی سہارا، وہ تمام اسباب جن پر اسے ناز تھا، اس سے سلب کر لیے جائیں گے اور وہ محض اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں انسان کے ایک بڑے فریب کو بے نقاب کیا گیا ہے، یعنی دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی کامیابی کی دلیل سمجھ لینا، قرآن واضح کرتا ہے کہ: نہ کسی کو غیب کا علم ہے، نہ کسی کے پاس اللہ کا کوئی ضمانتی وعدہ، اور نہ مال و اولاد آخرت میں کسی کام آئیں گے، حقیقت یہ ہے کہ انسان تنہا آئے گا، حساب دے گا اور اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا، پس اصل کامیابی دعوؤں میں نہیں بلکہ ایمان، عمل اور اللہ سے سچی وابستگی میں ہے۔

باطل معبودوں کی بے بسی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ مریم

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالیے تاکہ وہ ان کے لیے عزت کی چیزیں بن جائیں۔ خبر دار ایسا ہر گز نہیں ہے، وہ عنقریب ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور وہ ان کے مخالف بن جائیں گے۔ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے ہیں۔ سو آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجیے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔ ہم متقیوں کو رحمن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف اس حال میں چلائیں گے کہ وہ پیاسے ہوں گے۔ کوئی شخص سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمن کے پاس سے اجازت لی۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمن نے اولاد اختیار کرلی ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ عِزًّا کا معنی ہے مددگار اور محافظ، یعنی اولاد، علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ العز موسلا دھار بارش کو بھی کہتے ہیں؛ کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عزاً ان بتوں کی طرف راجع ہے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اس کو واحد ذکر فرمایا کیونکہ یہ مصدر کے معنیٰ میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کے ساتھ عزت پائیں اور ان کے ذریعے اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **كَلَّا**، معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے سمجھا بلکہ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے یعنی وہ انکار کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ** (القصص ۶۳) ہم آپ کے سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور یہ بت جمادات ہیں عبادت کا علم نہیں رکھتے۔

كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا: ضداً کا معنیٰ ہے ان کی خصومت و تکذیب میں ان کے خلاف مددگار ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان کے دشمن ہوں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ ان پر مصیبت ہوں گے پس ان کے معبودوں کو جمع کیا جائے گا اور ان کو عقل دی جائے گی اور وہ بولیں گے اور کہیں گے: یارب! ان کو عذاب دے جنہوں نے تجھے چھوڑ کر

ہماری عبادت کی۔ (تفسیر قرطبی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ: اے میرے حبیب ﷺ! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر رکھا ہے، جو انہیں مسلسل گمراہی کی طرف ابھارتے، گناہوں پر اکساتے اور دینِ حق سے روکتے رہتے ہیں؟ یہ اشتعال اور اکساہٹ ان کی سرکشی میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ: پس آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجیے کہ ان پر فوراً عذاب نازل ہو، ہم ان کی عمریں گن رہے ہیں، ان کے ہر لمحے کا حساب رکھا جارہا ہے، جب مہلت کی مدت پوری ہو جائے گی تو انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ: اور یاد کیجیے وہ دن جب ہم متقین کو نہایت عزت واکرام کے ساتھ اپنے حضور جمع کریں گے، جیسے معزز مہمان بادشاہ کے دربار میں پیش کیے جاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں اللہ کے احکام کی پیروی اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا۔

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا: اور مجرموں کو ہم جہنم کی طرف اس حال میں ہانک کر لے جائیں گے کہ وہ سخت پیاسے ہوں گے، گویا پیاس کی شدت نے انہیں بے حال کر رکھا ہو، یہ ان کی ذلت ورسوائی کی ایک ہولناک تصویر ہے۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ: اس دن کوئی کسی کی سفارش کا مالک نہ ہو گا، سوائے اس کے جس نے دنیا میں اللہ کے ساتھ ایمان اور اس کے رسولوں کی تصدیق کے ذریعے ایک مضبوط عہد قائم کیا ہو، یعنی شفاعت بھی اسی کے لیے ہو گی جس کا تعلق ایمان کے ساتھ ہو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا: اور یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکین نے یہ بے بنیاد دعویٰ کیا کہ رحمن نے اپنے لیے اولاد اختیار کر لی ہے، یہ نہایت سنگین اور عظیم باطل عقیدہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت کے سراسر خلاف ہے۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں تین بنیادی حقائق نہایت قوت کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں ①: گمراہی کی حقیقت: شیاطین کافروں کو گناہوں کی طرف دھکیلتے ہیں، مگر یہ سب اللہ کی مشیت کے تحت ایک آزمائش ہے۔ ② مہلتِ الٰہی: اللہ تعالیٰ فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے، تاکہ حجت پوری ہو جائے۔ ③ انجامِ آخرت: متقین: عزت و تکریم کے ساتھ اللہ کے حضور۔ مجرمین: ذلت، پیاس اور جہنم کا عذاب اور آخر میں عقیدۂ توحید کی بنیاد کو مضبوط کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، اس کے لیے اولاد کا تصور محال اور باطل ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو نجات کی اساس اور گمراہی سے حفاظت کا اصل ذریعہ ہے۔

شَيْئاً إِدّاً کا کیا مطلب ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کی وضاحت فرمائیں، نیز بتایئے کہ شَيْئاً إِدّاً کا کیا مطلب ہے؟

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً {۸۹} مریم

جواب ترجمہ: (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ إِدّاً کا معنی سخت ممنوع اور سخت بری چیز۔ علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلاِدُّ اَلاِدَّۃُ کا مطلب ہے ہولناک اور سخت ترین معاملہ، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا کہ تم سخت ترین معاملہ لائے ہو یہ اسی سے ہے، عربی محاورہ ہے کہ ادت فلانا داھیہ تودۃ إِدّاً یعنی فلاں کو سخت شدت نے آلیا، اَلاِدُّ کا معنی غلبہ اور قوت بھی ہے، ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: إِدّاً ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے جب کوئی انتہائی ناپسندیدہ کام کرے۔

علامہ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں تین لغات ہیں۔ إِدّاً ہمزہ کے ساتھ، یہ قرأت عامہ ہے۔ إِدّاً ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، یہ سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت ہے اور آد مثل مادیہ بعض عربوں کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ سے بھی مروی ہے کہ گویا یہ الثقل کے معنی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: ادہ الحمل یودہ اوداً بوجھ نے اسے بوجھل کر دیا ہے۔

عقیدہ ولد اللہ کی شدید تردید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا {۹۰} اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا {۹۱} وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا {۹۲} اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا {۹۳} لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا {۹۴} وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا {۹۵} مریم

جواب ترجمہ: قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد تجویز کی۔ اور رحمن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔ جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب رحمن کے پاس بندگی اختیار کیے ہوئے حاضر ہوں گے۔ اللہ نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کیا ہے اور ان سب کو اچھی طرح گن رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس تنہا آئے گا۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قرآنِ کریم نہایت جلال، ہیبت اور زورِ بیان کے ساتھ اس باطل عقیدہ کی تردید فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہو، اس عقیدے کی قباحت کو اس قدر نمایاں کیا گیا ہے کہ پوری کائنات اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کے قریب نہیں رہتی، اسلوبِ بیان ایسا پر شکوہ اور لرزا دینے والا ہے کہ دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور عقل اس کی سنگینی کو فوراً محسوس کرتی ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا: یعنی یہ دعویٰ اس قدر سنگین اور قبیح ہے کہ آسمان قریب ہیں کہ پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں، مفسرین کے مطابق یہاں يَتَفَطَّرْنَ اور تَنْشَقُّ وغیرہ الفاظ شدتِ انکار اور عظمتِ جرم کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں، گویا یہ کائناتی نظام خود اس گستاخی کو برداشت کرنے سے عاجز نظر آتا ہے، یہ محض تمثیل نہیں بلکہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توحید کائنات کی بنیاد ہے اور شرک اس بنیاد کو ہلا دینے والا ایک عظیم فتنہ ہے۔

اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا: یعنی یہ ساری ہولناکی اس لیے ہے کہ لوگوں نے اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کی، مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ دَعَوۡا سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لیے بیٹا ثابت کیا اور اس کا دعویٰ کیا، خواہ وہ نصاریٰ کا عقیدہ ہو، یہود کا یا مشرکین کا، یہ دعویٰ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، بے نیازی اور کمالِ قدرت کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا: یہ جملہ اس عقیدہ کی قطعی نفی ہے، مَا يَنۡۢبَغِىۡ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے مقام، اس کی شانِ ربوبیت اور اس کے کمال کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اولاد حاجت کی دلیل ہوتی ہے یا جنس و مشابہت کی علامت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر حاجت سے پاک اور ہر مشابہت سے منزہ ہے، لہٰذا اس کے لیے اولاد کا تصور ہی باطل اور ناممکن ہے۔

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا: یہاں حقیقت کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کے بندے ہیں، کوئی بھی اس کی الوہیت میں شریک نہیں، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے، نہ ہمسر، یہ آیت توحید کی بنیاد کو نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم کرتی ہے۔

لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا: اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو گن رکھا ہے، ان کے احوال، اعمال اور تعداد سب اس کے علم میں ہیں، یہاں احصاء اور عدّ کے الفاظ اس کامل علم کی طرف اشارہ ہیں جس میں کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا: قیامت کے دن ہر شخص: تنہا ہو گا، نہ مال ساتھ ہو گا، نہ اولاد، نہ کوئی مددگار، ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود جواب دینا ہو گا۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں تین بنیادی حقائق نہایت قوت کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں ①: عقیدۂ "ولد اللہ" انتہائی سنگین اور کائنات کو ہلا دینے والا باطل عقیدہ ہے۔ ② اللہ تعالیٰ ہر عیب، حاجت اور نسبت سے پاک ہے، وہ یکتا اور بے مثال ہے۔ ③ تمام مخلوق اس کی بندہ ہے اور قیامت

کے دن ہر فرد تنہا اس کے حضور پیش ہو گا۔ یہ آیات دراصل توحیدِ خالص کا اعلان اور شرک کی جڑ کا مکمل استیصال ہیں اور انسان کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ وہ ایک عظیم رب کے سامنے جواب دہ ہے، جس کے سامنے نہ کوئی تعلق کام آئے گا نہ کوئی سہارا۔

اہل ایمان کے لیے محبت عامہ کی بشارت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَتُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَکَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ہَلۡ تُحِسُّ مِنۡہُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَہُمۡ رِکۡزًا ﴿۹۸﴾ مریم

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمن ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گا۔ سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقین لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ اور ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا: یہ آیت اہلِ ایمان کے لیے ایک عظیم بشارت ہے کہ جو لوگ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ مفسرین کے مطابق اس ''وُدّ'' کے دو پہلو ہیں: اللہ تعالیٰ خود ان سے محبت فرماتا ہے اور اپنے بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دیتا ہے، یوں ایک مومن صرف اللہ کے ہاں ہی نہیں بلکہ بندگانِ خدا کے نزدیک بھی مقبول اور محبوب ہو جاتا ہے، یہ محبت دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں نہایت آسان بنا دیا، تاکہ اس کا پیغام واضح طور پر لوگوں تک پہنچ سکے۔ اس

آسانی کے دو بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ①: بشارت برائے متقین، لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں، ان کے لیے یہ قرآن خوشخبری ہے، نجات، رحمت اور جنت کی بشارت۔ ② انذار برائے معاندین، وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا

قَوْمًا لُّدًّا: سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضد، ہٹ دھرمی اور جھگڑالو پن میں حد سے بڑھ جاتے ہیں، اور حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہوتے۔ قرآن ان کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اپنے انجام سے ڈریں اور سرکشی سے باز آجائیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ: اللہ تعالیٰ انسان کو تاریخ کے آئینے میں جھانکنے کی دعوت دیتا ہے کہ اس سے پہلے کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ایک نہایت بلیغ سوال کے ذریعے حقیقت واضح فرمائی:

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا: یعنی کیا آج ان میں سے کسی کا نام و نشان باقی ہے؟ کیا ان کی کوئی سرگوشی بھی سنائی دیتی ہے؟ یہ سوال دراصل عبرت دلانے کے لیے ہے کہ: وہ قومیں اپنی طاقت، دولت اور شان و شوکت پر نازاں تھیں، مگر آج ان کا کوئی وجود باقی نہیں۔

خلاصۂ پیغام: ان آیات میں تین نہایت اہم حقائق بیان ہوئے ①: ایمان اور عملِ صالح انسان کو اللہ اور مخلوق دونوں کے نزدیک محبوب بنا دیتے ہیں۔ ② قرآن ہدایت کا آسان ذریعہ ہے، جو متقین کے لیے خوشخبری اور سرکشوں کے لیے تنبیہ ہے۔ ③ گزشتہ اقوام کا انجام ایک خاموش مگر زبردست درس ہے کہ سرکشی کا انجام فنا اور مٹ جانا ہے۔ یہ آیات دل کو نرم کرتی ہیں، عقل کو بیدار کرتی ہیں اور انسان کو یہ پیغام دیتی ہیں کہ اگر وہ عزت، محبت اور نجات چاہتا ہے تو ایمان و عملِ صالح کا راستہ اختیار کرے، ورنہ تاریخ کے مٹ جانے والے صفحات میں اس کا شمار بھی ہو سکتا ہے۔

آج سورۃ مریم میں اضافہ جات و ترمیمات جدیدہ کی تکمیل ہوئی۔ الحمد للہ

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۸ اپریل ۲۰۲۶ء بروز بدھ سات بجے علی الصبح

سُورۃ طٰہٰ (تعارف)

سوال سورۃ طٰہٰ کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ طٰہٰ قرآنِ حکیم کی نہایت پر اثر اور بلیغ سورتوں میں سے ہے، جس میں تسلی، ہدایت، دعوتِ توحید اور تاریخِ انبیاء کے ذریعے انسان کو رشد و فلاح کی راہ دکھائی گئی ہے، اس سورت کا اسلوب نہایت دلنشیں، نرم اور دعوتی ہے، جو خاص طور پر ابتدائی مکی دور کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ معتبر تفاسیر کے مطابق سورۃ طٰہٰ مکی سورت ہے، قرآنِ مجید کی بیسویں سورت ہے، اس کی آیات کی تعداد ۱۳۵ ہے، مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ سورت سورۃ مریم کے بعد نازل ہوئی اور دونوں سورتوں میں مضامین کی ایک معنوی ربط و مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام اس کی ابتدائی آیت کے الفاظ "طٰہٰ" سے ماخوذ ہے، مفسرین نے اس کے متعدد معانی بیان کیے ہیں، یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے، بعض کے نزدیک اس کا معنی "یا رجل" (اے مردِ کامل) ہے اور بعض مفسرین نے اسے نبی کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں شمار کیا ہے، اس طرح یہ نام اپنے اندر تعظیمِ نبوی ﷺ اور تسلی کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

مرکزی مضمون: سورۃ طٰہٰ کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ اسلام اور قرآن انسان کے لیے باعثِ رحمت و سعادت ہیں، نہ کہ مشقت و تنگی، اسی حقیقت کو آغاز ہی میں یوں بیان کیا گیا، مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ یعنی ہم نے قرآن کریم اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، بلکہ یہ ہدایت، راحت اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔

اہم مضامین اور واقعات: ① نزولِ قرآن کا مقصد، سورت کے آغاز میں واضح کیا گیا کہ: قرآن نصیحت، ہدایت اور یاد دہانی کے لیے ہے، یہ انسان کو سعادتِ دارین عطا کرنے والا کلام ہے۔

② حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل واقعہ، اس سورت کا سب سے نمایاں حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت ہے، جسے نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس میں شامل اہم مراحل: وادیٔ مقدس میں پہلی وحی، عصا اور یدِ بیضاء کے معجزات، فرعون کے ساتھ مقابلہ، جادوگروں کا ایمان لانا، بنی اسرائیل کی

نجات، سامری کا فتنہ، یہ قصہ دراصل دعوتِ حق، صبر، توکل اور اللہ کی نصرت کا عملی نمونہ ہے۔

③ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ، سورت کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ بیان کر کے، انسان کی اصل حقیقت، شیطان کی دشمنی، اور توبہ ورجوع کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

④ توحید اور عظمتِ الٰہی، سورۃ طٰہٰ میں بار بار اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کر کے یہ حقیقت واضح کی گئی، وہی خالق، مالک اور مدبر ہے، اسی کے لیے عبادت خاص ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

⑤ نماز اور ذکرِ الٰہی کی تاکید، اس سورت میں خاص طور پر، نماز کی پابندی، اور اللہ کے ذکر کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے، کیونکہ یہی بندگی کا اصل جوہر ہے۔

⑥ بشارت و انذار کا اسلوب، قرآن کا پیغام دو پہلو رکھتا ہے، اہلِ ایمان کے لیے بشارت، منکرین کے لیے تنبیہ، یہ سورت نہایت حکمت کے ساتھ دونوں پہلوؤں کو بیان کرتی ہے۔

⑦ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی کامیابی، سورت کے آخری حصے میں واضح کیا گیا، دنیا عارضی ہے، اصل کامیابی اتباعِ قرآن میں ہے، جو اللہ کی ہدایت کو اختیار کرے گا، وہی کامیاب ہو گا۔

سورۃ مریم سے مناسبت

مفسرین نے دونوں سورتوں کے درمیان خوبصورت ربط بیان کیا ہے، سورۃ مریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات اجمالاً بیان ہوئے، سورۃ طٰہٰ میں خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے آیا گویا سورۃ طٰہٰ، سورۃ مریم کی تکمیل اور توضیح ہے۔

خلاصۂ کلام

سورۃ طٰہٰ ایک جامع دعوتی سورت ہے جس میں: قرآن کی رحمت و آسانی، توحید کی دعوت، انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد اور آخرت کی جواب دہی، سب کو نہایت حسین اسلوب میں یکجا کر دیا گیا ہے، یہ سورت انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ہدایت کا راستہ اختیار کرو، کیونکہ یہی راحت، کامیابی اور دائمی سعادت کا راستہ ہے۔

نزول قرآن کی حکمت و تسلی رسول ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

طٰهٰ{۱}مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى{۲}اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى{۳}تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى{۴}طٰهٰ

جواب ترجمہ: ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لیے جو ڈرتا ہو۔ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔

طٰهٰ: اس مختصر مگر پُر معنی لفظ کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال بیان کیے ہیں: اوّل یہ کہ "طٰہٰ" حروفِ مقطعات میں سے ہے، جن کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور ان کے ذریعے قرآن کی اعجازی شان کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا معنی "یا رجل" (اے مردِ کامل) ہے اور اس خطاب کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو عزت و تکریم کے ساتھ پکارا گیا ہے۔ سوم بعض اہلِ علم نے اسے ایک لطیف اشارہ قرار دیا کہ نبی کریم ﷺ عبادت میں جس قدر مشقت اٹھاتے تھے، اس میں اعتدال اختیار فرمائیں، گویا اس میں شفقت آمیز انداز میں تخفیف کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ اپنے اندر تعظیمِ نبوی ﷺ، اعجازِ قرآن اور شفقتِ ربانی، تینوں معانی سموئے ہوئے ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو نہایت محبت بھرے انداز میں تسلی دی ہے کہ: ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور تکلیف میں پڑ جائیں۔ مفسرین کے مطابق "تشقی" سے مراد شدید تھکن اور زحمت ہے۔ نبی کریم ﷺ عبادت میں اس قدر محنت فرماتے تھے کہ کبھی ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ دین کا مقصد مشقت نہیں بلکہ سہولت اور اعتدال ہے۔ ایک قول کے مطابق کفار نے طعنہ دیا تھا کہ یہ

قرآن محمد ﷺ کے لیے باعثِ مشقت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ردّ فرمایا کہ یہ کتاب دراصل رحمت ہے، نہ کہ زحمت۔ گویا اس آیت میں: نبی ﷺ کی دلجوئی، امت کے لیے آسانی کا اصول اور دین کی رحمت کا اعلان، تینوں مضامین جمع ہو گئے ہیں۔

إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ: یہاں قرآن کے نزول کا اصل مقصد بیان فرمایا گیا کہ: یہ کتاب صرف ایک "تذکیر" ہے، یعنی نصیحت، یاد دہانی اور بیداری کا پیغام، ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ لِمَن يَخْشَىٰ سے مراد وہ دل ہیں: جو اللہ کی عظمت کو پہچانتے ہیں، جو حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، پس قرآن: ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں کے لیے محض الفاظ رہ جاتا ہے، جبکہ خشیت رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور نور بن جاتا ہے۔

تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَىٰ: اس آیت میں قرآن کے مصدر و منبع کو واضح کیا گیا کہ: یہ کتاب اس ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو: زمین کا خالق ہے، اور بلند و بالا آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے السَّمَاوَاتِ الْعُلَىٰ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور بلندیٔ شان کو نمایاں کیا گیا ہے۔ گویا قرآن کوئی انسانی کلام نہیں بلکہ: خالقِ کائنات کا نازل کردہ کلام ہے، جس میں حکمت، قدرت اور ربوبیت کی کامل تجلی ہے۔

خلاصۂ تفسیر: ان چار آیات میں نہایت جامع انداز میں یہ حقائق بیان ہوئے ہیں

① "طٰہٰ" میں نبی کریم ﷺ کی تکریم اور قرآن کے اعجاز کی طرف اشارہ ہے۔

② قرآن کا نزول مشقت کے لیے نہیں بلکہ رحمت اور سہولت کے لیے ہے۔

③ قرآن کا اصل مقصد اہلِ خشیت کو نصیحت اور ہدایت دینا ہے۔

④ یہ کتاب خالقِ ارض و سما کی طرف سے نازل شدہ الہامی کلام ہے۔ یہ آیات درحقیقت دینِ اسلام کے مزاج کو واضح کرتی ہیں کہ یہ دین سختی نہیں بلکہ آسانی، بوجھ نہیں بلکہ رحمت اور گمراہی نہیں بلکہ ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

مسئلہ استویٰ علی العرش

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى {۵} طٰهٰ

جواب ترجمہ: وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم اور مستوی ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تمام قرن اسی طرح گذرا کہ وہ خدا کی صفات کمالیہ پر ایمان رکھتے تھے اور تنزیہہ وتقدیس کے لیے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ پڑھ لیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان صفات کے ذکر سے مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہم ان صفات کے ذریعہ سے اپنے خالق کو پہچان سکیں اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہماری طرح آنکھ سے دیکھتا ہے اور کان سے سنتا ہے اس لیے کہ جس طرح اس کی ذات بے چوں وچگون ہے اسی طرح اس کی صفات اور شئون بھی بے چون وچگون ہیں ان ہی صفات متشابہات میں سے استوی علی العرش بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی شایان شان ہے بس جس طرح وہ بغیر آنکھ اور کان کے سمیع وبصیر ہے ٹھیک اسی طرح وہ بغیر جہت اور مکان کے مستوی علی العرش بھی ہے اگر بغیر آنکھ اور کان کے دیکھنا اور سننا ممکن ہے تو بغیر جہت ومکان کے عرش پر مستوی ہونا بھی ممکن ہے اور جس طرح اس کے علم اور سمع وبصر کی کیفیت خیطۂ عقل سے باہر ہے اسی طرح استوی علی العرش کی کیفیت بھی ادراک سے خارج ہے۔ (علم الکلام: ص: ۱۲۳، ۱۲۴)

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں سورۃ رعد کی آیت ۲ کے تحت مسئلہ استویٰ علی العرش کے بارے میں رقم طراز ہیں وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ اِستَوٰی عَلَی العَرشِ "رَفَعَ السَّمٰوٰت سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع

ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیبت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کی جسم گمان کرتا ہے اور استوا کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ استویٰ علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت و جلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے استویٰ علی العرش پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان و مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے ہے، عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اسی کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدابیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اس کی حکمرانی ہے۔ (معارف القرآن، سورۃ رعد)

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ سورۃ الاعراف کی تفسیر میں لکھتے ہیں تمام انبیاء و مرسلین کا اس پر اجماع ہے کہ تمام عالم حادث ہے خدا تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت سے عدم کے پردہ سے نکل کر وجود میں آیا ہے پھر

بعد ازاں اللہ تعالیٰ بلا کسی نقل و حرکت کے عرش پر بلا کسی حلول اور بلا تمکن اور بلا استقرار کے قائم ہوا جیسا قیام اس کی شان کے لائق اور مناسب تھا اور حکمرانی شروع کی اور علویات اور سفلیات میں اپنی تدبیر اور تصرف اور احکام کو جاری فرمایا جیسا کہ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے بعد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں جو اِسْتِوَاء عَلَی الْعَرْشِ کی تفسیر ہیں۔

اور یہود بے بہبودیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے اور نہ اس کے لیے کوئی مکان اور سمت اور جہت ہے اس کی ہستی، سمت اور جہت اور مکان اور زمان کے قیود اور حدود سے پاک اور منزہ ہے اس کی ہستی کسی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہیں بلکہ مکان اور زمان کی ہستی اس کی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے کیونکہ جب مکان وزمان موجود نہ تھے وہ اس وقت بھی تھا اور اب جبکہ زمان اور مکان موجود ہیں تب بھی موجود ہے وہ خداوند ذوالجلال زمین اور آسمان اور عرش اور کرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا اب بھی اسی صفت اور شان پر ہے۔

معاذ اللہ عرش عظیم خداوند کریم کا حامل نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے یا تھامے ہوئے ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے وہ ذرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ اِسْتِوَاء عَلَی الْعَرْشِ سے عرش پر بیٹھنا اور متمکن اور مستقر ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کے تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی اِسْتِوَاء عَلَی الْعَرْشِ) قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے ایک تو یہ جگہ کہ آپ کے سامنے ہے دوم سورۃ یونس میں سوم سورۃ رعد میں چہارم سورۃ طٰہٰ میں پنجم سورۃ فرقان میں ششم سورۃ سجدہ میں ہفتم سورۃ حدید میں اور سب جگہ اس کی شان شہنشاہی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہی سارے عالم کا خالق ہے اور وہی تمام کائنات کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے جس کا حکم آسمانوں اور زمینوں میں جاری ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح قصیدہ بدء الامالی اور ابن ہمام حنفی مولف فتح القدیر کی کی مسایرہ اور عبد العزیز بخاری حنفی کی کتاب کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور ابو شکور حنفی کی تمہید کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وائمہ حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا یہ ہے کہ حق جل شانہ کی فوقیت عرش پر اور ید اور وجہ اور غضب اور رضا وغیرہ صفات بلا کیف ہیں، اور ان سب کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے منشاء تاویل کا اس قدر ہے کہ جب جسمیہ نے اس قسم کی آیات واحادیث سے جسمیت کا خیال کیا تو علماء نے ان کے الزام واسکات کے لئے تاویل کرنا شروع کیا نہ اس غرض سے کہ یہ معنی مؤول مراد ہیں بلکہ اس غرض سے کہ جسمانیت کا شبہ رفع ہو جائے پس جن آیات واحادیث میں ایسے الفاظ ہیں وہ سب معانی ظاہرہ پر محمول ہیں، اور کیفیات ان سب کی مجہول ہیں، اور اس میں جسمیت بھی لازم نہیں آتی کیونکہ جب کیفیت مجہول کی گئی اور خیال لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ، کا بھی رہا اور تنزیہہ نام کی گئی تو جسمیت کس طرح لازم نہ آئے گی، پس مراد الٰہی پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی تاویلات سے سکوت اولیٰ ہے۔ (معارف الفرقان قاسمی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استویٰ کے لفظی معنی قائم ہونے اور عرش شاہی تخت کو کہا جاتا ہے اب یہ عرش رحمن کیسا اور کیا ہے، اور اس پر قائم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق بے غبار اور صاف و صحیح وہ مسلک وہ ہے جو سلف صالحین صحابہ وتابعین سے اور بعد میں اکثر حضرات صوفیائے کرام سے منقول ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے، اس کی کھوج میں پڑنا بے کار بلکہ مضر ہے ان پر اجمالاً یہ ایمان لانا چاہئے کہ ان الفاظ سے جو کچھ حق تعالیٰ کی مراد ہے وہ صحیح اور حق ہے، اور خود کوئی معنیٰ متعین کرنے کی فکر نہ کرے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے یہی سوال کیا کہ اِستِوَاء عَلَى العَرشِ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے کچھ دیر تامل فرمانے کے بعد فرمایا کہ لفظ اِستِوَاء کے معنیٰ تو معلوم ہیں ادر اس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک عقل انسانی نہیں کر سکتی اور ایمان لانا اس پر واجب ہے اور اس کے متعلق کیفیت و حقیقت کا سوال کرنا بدعت ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ

ﷺ سے ایسے سوالات نہیں کئے، سفیان ثوری، امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ابن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ جو آیات اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق آئی ہیں ان کو جس طرح وہ آئی ہیں اسی طرح بغیر کسی تشریح وتاویل کے رکھ کر ان پر ایمان لانا چاہئے (مظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، معارف القرآن للمفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

آسمان وزمین کی بادشاہی کا مالک

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى {٦} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے۔

تفسیر: یہ عظیم الشان آیت اللہ تعالیٰ کی کامل ملکیت، ہمہ گیر اقتدار اور لامحدود علم وقدرت کا ایسا جامع اعلان ہے، جس میں پوری کائنات کو چار وسیع دائروں میں سمیٹ کر اس کے قبضۂ قدرت میں ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔

لَهٗ: ملکیتِ کاملہ کا اعلان، آیت کا آغاز ہی اس حقیقتِ کبریٰ سے ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے، یہاں لَهٗ صرف ملکیت کا بیان نہیں بلکہ اس کے ساتھ تدبیر، تصرف اور حاکمیتِ مطلقہ بھی شامل ہے، یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے حکم کے تابع، اسی کے قبضہ قدرت میں اور اسی کے ارادہ سے چلنے والا ہے۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ: عالمِ بالا کی وسعتیں، آسمانوں میں جو کچھ ہے، فرشتے، سیارے، ستارے، افلاک اور ان گنت مخلوقات، سب اسی کے بندے اور اسی کے ملک ہیں، یہ ذکر ان لوگوں کے رد میں بھی ہے جو آسمانی مخلوقات کو الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

وَمَا فِي الْاَرْضِ: عالمِ سفلی کی مخلوقات، زمین کی تمام مخلوقات، انسان، حیوان، نباتات، جمادات، سب اللہ کے پیدا کردہ اور اسی کے محتاج ہیں، یہاں بھی شرک کی جڑ کاٹ دی گئی کہ زمین کی کوئی شے

عبادت کے لائق نہیں۔

وَمَا بَيْنَهُمَا: فضاؤں کی نامعلوم دنیا، آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے، ہوا، بادل، بارش، فضائی مخلوقات اور وہ تمام نظام جو انسانی علم سے ماوراہیں، یہ سب بھی اسی کی قدرت کے تحت ہیں، یہ فقرہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کی سلطنت صرف معلوم اشیاء تک محدود نہیں بلکہ غیر محسوس جہان بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى: زمین کی گہرائیوں کا راز، الثَّرٰى سے مراد نم دار مٹی ہے اور اس کے نیچے کی دنیا وہ ہے جہاں انسانی علم کی رسائی ختم ہو جاتی ہے، یعنی زمین کے نیچے کے تمام طبقات، معدنیات، پوشیدہ خزانے اور مخفی حقائق، سب اللہ کے علم اور اختیار میں ہیں، بعض آثار میں یہاں تک کہا گیا "مخلوق کا علم یہاں آکر رک جاتا ہے، اور خالق کا علم شروع ہوتا ہے"۔

جامع پیغام: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہمہ گیر نقشہ پیش کیا ہے جس میں: اوپر کی دنیا (آسمان) نیچے کی دنیا (زمین) درمیانی فضا اور زمین کی گہرائیاں، سب کو شامل کر کے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ کائنات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اللہ کی ملکیت، علم اور قدرت سے باہر ہو، یہ آیت درحقیقت توحید کی ایک عظیم برہان ہے، جو انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ جب سب کچھ اسی کا ہے تو عبادت، اطاعت اور اعتماد بھی صرف اسی پر ہونا چاہیے۔

السِّرّ اور اَخفیٰ کا کیا مطلب ہے؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى {۷} اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى {۸} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اگر آپ اونچی آواز سے بات کریں گے تو وہ بیشک خفیہ بات کو جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ (باتوں کو) جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لیے

اسمائے حسنیٰ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلسِّرَّ اسے کہتے ہیں جو انسان آہستہ طور پر بیان کرتا ہے اور اَخفیٰ سے مراد وہ ہے جو انسان دل میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اسے دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اَلسِّرَّ سے مراد دل کی بات ہے اور اَخفیٰ سے مراد وہ ہے جسے تیرا نفس بیان کرتا ہے جو ابھی موجود نہیں ہے جبکہ وہ بعد میں ہو گا اور تو اسے جانتا ہے تو اپنے نفس سے آج بیان کرتا ہے اور کل کے متعلق جو بیان کرتا ہے اسے تو نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو تو آج آہستہ سے سوچتا ہے اور جو تو کل سوچے گا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رازوں اور بھیدوں کو جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلسِّرَّ سے مراد وہ ہے جو ابن آدم اپنے دل میں آہستہ سے کہتا ہے اور اَخفیٰ سے مراد وہ ہے جو ابن آدم پر مخفی ہوتا ہے جو ہونے والا ہوتا ہے لیکن انسان اسے نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ (تفسیر ابن عباس) اللہ تعالیٰ کا علم ماضی اور مستقبل کے بارے میں برابر ہے اس کے علم میں تمام مخلوق ایک نفس کی طرح ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا: اَلسِّرَّ سے مراد وہ ہے جو انسان اپنے نفس میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اَخفیٰ وہ ہوتا ہے جو نہ ہوتا ہے اور نہ اسے کوئی چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اَلسِّرَّ سے مراد خلائق کے راز ہیں اور اَخفیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ طبری نے اس کا انکار کیا ہے فرمایا: اَخفیٰ وہ ہے جو انسان کے راز میں نہیں ہیں وہ آئندہ اس کے نفس میں آئے گا۔ (تفسیر قرطبی) حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سر وہ خفی بات ہے جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہہ دیتا ہے اور اخفی وہ پوشیدہ بات جس کو اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتا ہے۔ (بغوی)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى: یہ آیتِ کریمہ توحید کے نہایت جامع، بلیغ اور فیصلہ کن بیان پر مشتمل ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، الوہیت اور کمالِ صفات کو انتہائی مختصر مگر مؤثر انداز میں جمع کر دیا گیا ہے، گویا یہ آیت عقیدۂ اسلام کی بنیاد اور خلاصہ ہے۔

اَللّٰهُ: ذاتِ جامع الصفات، آیت کا آغاز لفظِ "اللہ" سے ہوا، جو اس ذاتِ مقدس کا اسمِ علم ہے جو تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے، مفسرین کے مطابق یہ وہ ذات ہے، جو خالقِ کائنات ہے، جو ربُّ العالمین ہے، اور جس نے یہ قرآن نازل فرمایا، پس یہاں اشارہ ہے کہ جس نے ہدایت کا یہ عظیم سرچشمہ عطا کیا، وہی حقیقی معبود ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: توحیدِ الوہیت کا قطعی اعلان، یہ جملہ حصر و قصر کے اسلوب میں ہے، یعنی "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" یہاں إلٰه سے مراد صرف "خالق" نہیں بلکہ: وہ ذات جس کی عبادت کی جائے، جس سے دعا مانگی جائے، جس پر کامل اعتماد کیا جائے۔

مفسرین نے واضح کیا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی ہستی عبادت کے لائق نہیں، تمام مخلوق محتاج ہے، اور صرف اللہ بے نیاز ہے، یہی وہ توحید ہے جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے سب سے پہلے دی۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى: کمالِ صفات کا بیان، اس جملے میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا ذکر ہے، "اسماء الحسنیٰ" سے مراد وہ تمام نام ہیں جو حسنِ کامل پر دلالت کرتے ہیں، جن میں کوئی نقص، عیب یا کمی نہیں اور جو اللہ کی عظمت، جلال، جمال اور ربوبیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

اسماءِ حسنیٰ کی حقیقت: محققین کے مطابق ہر اسم ایک صفتِ کاملہ کو ظاہر کرتا ہے، جیسے علم، قدرت، رحمت، حکمت، عزت، کوئی ایسا نام نہیں جو نقص یا کمی پر دلالت کرے، اسی لیے انہیں "حُسنیٰ" (نہایت خوبصورت اور کامل) کہا گیا۔

اسماءِ حسنیٰ اور بندگی کا تعلق: قرآن و حدیث کی روشنی میں اللہ کو انہی ناموں کے ذریعے پکارنا مشروع ہے، بندہ جب "الرحمن" کہتا ہے تو رحمت کا طالب ہوتا ہے، جب "الغفور" کہتا ہے تو مغفرت کا امیدوار ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ کے ننانوے نام ہیں، جو انہیں یاد رکھے (سمجھے اور ان پر عمل کرے) وہ جنت میں داخل ہو گا"

توحید اور اسماءِ صفات کا باہمی ربط: یہ آیت ایک نہایت اہم اصول بیان کرتی ہے، الوہیت (عبادت کا

حق) اسی کو حاصل ہے جس کے پاس کمالِ صفات ہوں، چنانچہ جب اللہ کامل علم والا ہے، اسی سے رہنمائی مانگی جائے، جب وہ کامل قدرت والا ہے، اسی پر بھروسا کیا جائے، جب وہ رحمت والا ہے، اسی سے امید رکھی جائے۔

جامع خلاصہ: یہ آیت تین عظیم حقائق کا اعلان ہے، ① اللہ ہی حقیقی معبود ہے، ② وہ ہر قسم کے شریک سے پاک ہے، ③ اس کے تمام نام اور صفات کامل اور بے عیب ہیں، گویا یہ آیت بندے کو دعوت دیتی ہے کہ عقیدہ درست کرے، اللہ کو اس کی صفات کے ساتھ پہچانے، اور خالص اسی کی عبادت اختیار کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، توحید وعبادت کی بنیاد

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى {۹}اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى {۱۰}فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى {۱۱}اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى {۱۲}وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى {۱۳}اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ {۱۴}طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے۔ جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں سے تمہارے لیے ایک شعلہ لے آؤں یا آگ پر راستہ بتانے والا کوئی شخص مل جائے۔ سو جب اس کے پاس آئے تو انہیں ندا دی گئی کہ اے موسیٰ۔ بیشک میں تمہارا رب ہوں سو اپنی جوتیاں اتار دو بیشک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے سو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے سن لو۔ بیشک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

تفسیر: یہ آیاتِ کریمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ نبوت کے ایک نہایت اہم اور روح پرور مرحلے کو بیان کرتی ہیں، وہ لمحہ جب انہیں پہلی بار منصبِ رسالت سے سرفراز کیا گیا، اس واقعہ میں توحید، وحی، عبادت اور بندگی کے بنیادی اصول نہایت جامع انداز میں سمو دیے گئے ہیں۔

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى: توجہ دلانے کا بلیغ انداز، یہ استفہام محض سوال نہیں بلکہ تنبیہ، توجہ اور عظمتِ واقعہ کو اجاگر کرنے کے لیے ہے، مفسرین کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تم تک موسیٰ کا عظیم واقعہ پہنچا؟ گویا رسول اللہ ﷺ کو اس قصہ کے ذریعے صبر واستقامت کی تلقین کی جارہی ہے، اور دعوت دی جارہی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے طریق پر ثابت قدم رہیں۔

إِذْ رَأَى نَارًا: تاریکی میں امید کی کرن، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے مصر کی طرف سفر کر رہے تھے، رات کی تاریکی اور راستے کی ناواقفیت نے انہیں پریشان کر رکھا تھا، اسی اثنا میں انہوں نے ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنے اہل سے فرمایا: "تم ٹھہرو، میں اس آگ سے یا تو کوئی شعلہ لے آؤں یا وہاں کوئی راہ دکھانے والا پالوں" یہاں، "آنست "کے معنی ہیں: دیکھا اور محسوس کیا، "قبس "سے مراد ہے، آگ کا شعلہ، " ہدیٰ "یعنی راستہ دکھانے والا۔ یہ واقعہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ بندے کو بظاہر معمولی سبب سے ہدایت کے عظیم دروازے تک پہنچا دیتا ہے

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى: شرفِ مکالمہ، جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب پہنچے تو ایک مبارک ندا آئی: اے موسیٰ! یہ ندا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی، ایک مخصوص سمت (طور کی جانب) سے سنائی دی اور یہ براہِ راست کلامِ الٰہی تھا، یہی وہ مقام ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

إِنِّي أَنَا رَبُّكَ: یقینِ ربوبیت کی تاکید، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "بے شک میں ہی تیرا رب ہوں" یہاں ضمیر کی تکرار (إِنِّي أَنَا) اس لیے ہے کہ ہر قسم کے شک کو زائل کر دیا جائے، اور موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یقین کامل راسخ ہو جائے۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ: ادبِ حضوری، موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ "اپنے جوتے اتار دو" کیونکہ وہ وادیٔ مقدس "طویٰ "میں کھڑے تھے، جو ایک بابرکت اور پاکیزہ مقام تھا، یہ حکم اس بات کی تعلیم دیتا ہے

کہ اللہ کے حضور ادب، تعظیم اور خشوع لازم ہے

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ: منصبِ نبوت کا انتخاب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے" یہ انتخاب محض ایک اعزاز نہیں، بلکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے، چنانچہ فوراً فرمایا": پس جو وحی تمہاری طرف کی جارہی ہے، اسے غور سے سنو"

إِنَّنِي أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا: توحید کا مرکزی اعلان، یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا اعلان فرمایا" میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے: جس پر تمام انبیاء کی دعوت قائم ہے، اور جس کے بغیر کوئی عبادت معتبر نہیں۔

فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي: عبادت اور نماز کا مقصد، اللہ تعالیٰ نے دو بنیادی احکام عطا فرمائے، فَاعْبُدْنِي صرف میری عبادت کرو، یعنی ہر قسم کی بندگی، دعا، امید اور خوف صرف اللہ کے لیے ہو۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي، نماز قائم کرو میری یاد کے لیے، یعنی نماز اللہ کی یاد کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اس میں بندہ اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتا ہے، مفسرین کے مطابق لِذِكْرِي کے معانی میں یہ پہلو شامل ہیں، نماز کے ذریعے اللہ کو یاد کرنا، نماز میں اللہ کا ذکر کرنا اور اللہ کی یاد کو زندہ رکھنا

جامع خلاصہ: ان آیات میں ایک مکمل دعوتِ دین کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، نبوت کا انتخاب، اللہ اپنے بندے کو چن لیتا ہے، ① وحی کا آغاز، براہِ راست ہدایت عطا ہوتی ہے۔ ② توحید کا اعلان، اللہ ہی واحد معبود ہے۔ ③ عبادت کا حکم، بندگی صرف اسی کے لیے۔ ④ نماز کی تاکید، اللہ کی یاد کا مستقل نظام، یہ واقعہ نہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا آغاز ہے بلکہ ہر داعیٔ حق کے لیے ایک مکمل نصاب بھی ہے کہ وہ صبر اختیار کرے، اللہ پر یقین رکھے، اور خالص توحید و عبادت کی دعوت دے۔

قیامت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا

يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى {۱۶}طٰهٰ

جواب ترجمہ: بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو پوشیدہ رکھوں گا تاکہ ہر جان کو اس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دے دیا جائے۔ سو جو شخص اس پر ایمان نہ لائے اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرے وہ تمہیں اس سے نہ روک دے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔

ربط و تعلق: ان آیات کا سیاق نہایت بلیغ اور مربوط ہے، آیت ۱۴ میں توحید، عبادت اور نماز کا حکم دیا گیا، آیت ۱۵ میں اس حکم کی بنیاد بیان ہوئی کہ قیامت آنے والی ہے، جہاں اعمال کا حساب ہو گا، آیت ۱۶ میں تنبیہ کی گئی کہ اس عقیدۂ آخرت سے منکرین تمہیں غافل نہ کریں، پھر آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عملی میدانِ نبوت میں داخل کیا جاتا ہے، گویا یہ ترتیب ایمان، عمل، جواب دہی اور استقامت، چاروں ستونوں کو یکجا کر دیتی ہے۔

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ: قیامت کا آنا ایک اٹل حقیقت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آتِيَةٌ کے لفظ میں قطعیت اور حتمیت پائی جاتی ہے، گویا یہ واقعہ ضرور برپا ہو کر رہے گا، یہ اعلان بندۂ مومن کے دل میں جواب دہی کا احساس بیدار کرتا ہے۔

أَكَادُ أُخْفِيهَا: اس جملے کی تفسیر میں اہلِ علم نے دو جہات بیان کی ہیں، ①: قیامت کے وقت کو اس قدر مخفی رکھا گیا ہے کہ اس کا علم کسی کو نہیں، حتیٰ کہ یہ تعبیر مبالغہ کے طور پر "اپنے سے بھی پوشیدہ رکھنے" کے اسلوب میں آئی ہے، تاکہ اس کی ہیبت اور اچانک وقوع کا تصور مزید قوی ہو جائے۔

②: بعض قراءت کے مطابق اس میں "اظہار" کا معنی بھی پایا جاتا ہے، یعنی قیامت اپنی علامات اور دلائل کے اعتبار سے ایسی واضح ہے کہ گویا ظاہر ہونے کے قریب ہے، بہر حال، اس اخفاء کی حکمت یہ ہے کہ انسان ہر وقت تیار رہے، کیونکہ اگر وقت معلوم ہو جاتا تو آزمائش اور جزا و سزا کا مقصد فوت ہو جاتا۔

لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ: قیامت اس لیے قائم ہو گی تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے، نیکی کا صلہ اور بدی کی سزا، یہی عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا محض امتحان گاہ ہے، جبکہ اصل فیصلہ آخرت میں ہو گا۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا: اے موسیٰ! تمہیں قیامت کے یقین اور اس کی تیاری سے وہ لوگ نہ ہٹادیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ "صدّ" کے معنی ہیں روک دینا یا پھیر دینا، لہٰذا یہ ایک سخت تنبیہ ہے کہ اہلِ باطل کی صحبت اور اثر سے بچا جائے۔

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدٰى: وہ لوگ جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں، انجام کار ہلاکت میں پڑتے ہیں، تَرْدٰی کا مفہوم ہے گہرائی میں گر کر تباہ ہو جانا، اس میں واضح اشارہ ہے کہ خواہشِ نفس انسان کو حق سے دور اور تباہی کے قریب لے جاتی ہے۔

خلاصۂ تفسیر: ان آیات میں یہ حقیقت نہایت واضح انداز میں بیان کی گئی ہے کہ قیامت یقینی ہے اور اس کا وقت مخفی رکھا گیا ہے، اس کا مقصد عدلِ کامل کے ساتھ جزا و سزا دینا ہے، اہلِ ایمان کو چاہیے کہ منکرین اور خواہش پرستوں سے متاثر نہ ہوں، اور ہمیشہ آخرت کی تیاری میں مشغول رہیں، یہی وہ پیغام ہے جو انسان کو دنیا کی غفلت سے نکال کر ابدی کامیابی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

معجزات موسوی اور بعثت کی تیاری

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى {۱۷} قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى {۱۸} قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى {۱۹} فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى {۲۰} قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى {۲۱} وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى {۲۲} لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى {۲۳} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اے موسیٰ وہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا وہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔ سو وہ اچانک دوڑتا ہوا

سانپ ہے۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں لے لو اور وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تم کو بڑی نشانیوں میں بعض نشانیاں دکھلائیں۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ عظیم معجزات عطا فرمائے جن کے ذریعے انہیں فرعون جیسے جابر حکمران کے سامنے حق کی دعوت پیش کرنی تھی، یہ آیات نہ صرف معجزات کی نوعیت کو واضح کرتی ہیں بلکہ نبوت کے لیے عملی تیاری کا ایک عظیم منظر بھی پیش کرتی ہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ: یہ سوال درحقیقت "سوالِ تقریر" ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہی عصا کی حقیقت یاد دلانا مقصود ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہی عصا غیر معمولی تبدیلی سے گزرے تو انہیں یقین ہو کہ یہ محض وہی لکڑی نہیں، بلکہ اللہ کی قدرت کا جلوہ ہے، اس سوال کے ذریعے ان کے دل سے خوف و وحشت کو بھی دور کیا گیا اور معجزہ دیکھنے کے لیے ذہنی آمادگی پیدا کی گئی۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یہ میری لاٹھی ہے، جس پر میں سہارا لیتا ہوں، اس کے ذریعے اپنے مویشیوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی اس میں میرے لیے کئی فوائد ہیں، یہ جواب دراصل اس بات کی تمہید ہے کہ ایک عام سی عصا کو اللہ تعالیٰ کس طرح عظیم معجزے میں تبدیل فرماتا ہے۔

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس عصا کو زمین پر ڈال دیجیے، جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ فوراً ایک زندہ سانپ بن گئی جو تیزی سے حرکت کر رہی تھی، یہ تبدیلی محض ظاہری نہیں بلکہ حقیقی تھی، ایک بے جان لکڑی کو اللہ نے مکمل جاندار مخلوق بنا دیا، یہ معجزہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کا روشن ثبوت تھا۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ: ارشاد ہوا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم اسے دوبارہ اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے، جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی تو وہی

سانپ فوراً دوبارہ عصا بن گیا، یہ مرحلہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کے حکم پر اعتماد اور عمل، خوف کو ختم کر دیتا ہے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَى: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اپنا ہاتھ بغل میں رکھیں، پھر نکالیں، تو وہ چمکتا ہوا سفید (نورانی) ہو جائے گا، بغیر کسی بیماری یا عیب، یہ سفیدی کسی مرض کی علامت نہیں بلکہ نور اور روشنی کی علامت تھی، جو ایک اور عظیم معجزہ تھا۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى: یعنی ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھا رہے ہیں، ان معجزات کا مقصد یہ تھا کہ: موسیٰ علیہ السلام کے ایمان اور یقین کو مزید مضبوط کیا جائے، ان کے دل میں جرأت اور استقامت پیدا ہو، اور ان کی نبوت کی صداقت ظاہر ہو۔

جامع خلاصہ: ان آیات میں ایک مکمل تربیتی مرحلہ بیان ہوا ہے: پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی عصا کی حقیقت یاد دلائی گئی، پھر اسے عظیم معجزہ بنا کر دکھایا گیا، خوف کو دور کر کے یقین پیدا کیا گیا، دوسرا معجزہ (یدِ بیضاء) عطا کیا گیا اور آخر میں ان معجزات کا مقصد بیان کر دیا گیا، یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ فرعون جیسے سرکش کے سامنے پوری قوتِ ایمان کے ساتھ کھڑے ہو سکیں۔

یہ آیات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو بڑی ذمہ داریوں سے پہلے خاص تربیت اور یقین عطا فرماتا ہے اور جب وہ اس کے حکم پر اعتماد کرتے ہیں تو وہی معمولی اسباب غیر معمولی معجزات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

بعثت موسوی اور دعائے نصرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى {۲۴}قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ {۲۵}وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ {۲۶}وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ {۲۷}يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ {۲۸}وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ {۲۹}هٰرُوْنَ اَخِيْ {۳۰}اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ {۳۱}وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ {۳۲}كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا

{۳۳}وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا {۳۴}اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا {۳۵}قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى {۳۶}طٰهٰ

جواب ترجمہ: تم فرعون کی طرف چلے جاؤ، بلاشبہ وہ سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے۔ اور میرے لیے کام کو آسان فرمایئے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے۔ تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔ اور میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر بنادیجئے۔ یعنی میرے بھائی ہارون کو۔ ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے۔ اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے۔ تاکہ ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں۔ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست منظور کرلی گئی۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کا حکم، اس عظیم ذمہ داری کے پیشِ نظر ان کی نہایت جامع اور بلیغ دعائیں اور پھر ان دعاؤں کی قبولیت کا دل نشین بیان نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتا ہے، یہ حصہ دعوتِ دین کے آداب، توکل اور اسبابِ کامیابی کا حسین مرقع ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ اے موسیٰ! فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکشی میں حد سے تجاوز کر چکا ہے، فرعون کی سرکشی صرف نافرمانی تک محدود نہ تھی بلکہ وہ تکبر، جبر اور دعویٰ ربوبیت تک جا پہنچی تھی، اسی لیے اصلاح کا آغاز اسی سرکش قوت کے مقابلے سے کیا گیا، تاکہ حق کا پیغام بلند ترین سطح پر پہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عظیم فریضہ کو محسوس کرتے ہوئے عرض کیا

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ * وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ: یہ دعا اس بات کی آئینہ دار ہے کہ ایک داعی سب سے پہلے اپنے باطن کی وسعت اور دل کی مضبوطی طلب کرتا ہے، شرحِ صدر کا مطلب ہے: خوف، تنگی اور اضطراب کا خاتمہ اور اس کے بدلے میں اطمینان، حوصلہ اور یقین کا پیدا ہونا، اسی طرح "یسر" کی دعا اس امر کے لیے ہے کہ کارِ رسالت کی دشواریاں آسان ہو جائیں اور راہ کی رکاوٹیں دور کر دی جائیں۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ * يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان کی رکاوٹ کے ازالے کی دعا کی تاکہ وہ اپنا پیغام واضح طور پر پہنچا سکیں۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بچپن کے ایک واقعہ کی بنا پر ان کی زبان میں کچھ لکنت تھی، لہٰذا انہوں نے چاہا کہ خطاب میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، تاکہ مخاطبین ان کی بات کو پوری طرح سمجھ سکیں۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ * هٰرُوْنَ اَخِيْ: کارِ دعوت و تبلیغ کی انجام دہی کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک مددگار مقرر فرمادے، وہ میرا بھائی ہارون ہو۔ "وزیر" کے معنی مددگار اور بوجھ اٹھانے والے کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اس لیے منتخب کیا کہ وہ فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور طبیعت میں نرم تھے، جو دعوت کے کام میں نہایت معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ * وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ: اس کے ذریعے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔ یہاں "ازر" سے مراد قوت اور پشت پناہی ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا کہ عظیم ذمہ داریاں اجتماعی تعاون سے ہی بہتر طور پر انجام پاتی ہیں۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا * وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا: تاکہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری تسبیح اور تیرا ذکر کریں، یہاں واضح کیا گیا کہ اصل مقصد محض ظاہری غلبہ نہیں بلکہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کا قیام ہے۔ دعوتِ دین کا مرکز اور محور یہی ذکرِ الٰہی ہے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا: بے شک تو ہمارے حال سے خوب باخبر ہے، یہ جملہ عاجزی، توکل اور امیدِ قبولیت کا حسین اظہار ہے کہ اللہ بندے کے حالات، اس کی کمزوریوں اور ضروریات سے پوری طرح واقف ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت موسیٰ کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اعوان و انصار ہیں وہ منشاء کے مطابق مل

جائیں تو آگے سب کام آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب و سامان بھی بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اعوان و انصار اور وزرا و امرا کی خرابی بے عملی یا عدم صلاحیت ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت و امارت سپرد فرما دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتا ہے اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے۔ (نسائی عن القاسم بن محمد)

اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید مِنْ اَهْلِیْ کی بھی لگا دی کہ یہ وزیر میرے خاندان و اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔

محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو، اس زمانے میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے، اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کو خویش و عزیز کو وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانتداری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح و اصلح خویش و عزیز کو کوئی عہدہ سپرد کر دینا کوئی عیب نہیں بلکہ مہمات امور کی تکمیل کیلئے زیادہ بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے تو عام بات فرمائی کہ میرے خاندان و اہل میں سے ہو، پھر متعین کر کے فرمایا کہ وہ میرا بھائی ہارون ہے جس کو میں وزیر بنانا چاہتا ہوں تاکہ میں اس سے مہمات رسالت میں قوت حاصل کر سکوں۔ (معارف القرآن)

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے، اور تین سال پہلے ہی

وفات ہائی، جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو بھی نبی بنادیا تو بذریعہ فرشتہ ان کو بھی مصر ہی میں اس کی اطلاع مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو ان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ مصر سے باہر ان کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا۔ (قرطبی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر بنانا چاہا تو یہ اختیار خود ان کو حاصل تھا تبرکاً حق تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی دعا کی مگر ساتھ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو نبوت و رسالت میں اپنا شریک قرار دیں یہ اختیار کسی رسول و نبی کو خود نہیں ہوتا اس لئے اس کی جداگانہ دعا کی کہ ان کو میرے کار رسالت میں شریک فرمادے آخر میں فرمایا۔ (معارف القرآن)

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى: یہاں دعائے موسوی کی قبولیت کا ذکر ہے، یعنی اے موسیٰ! تمہیں وہ سب کچھ عطا کر دیا گیا جو تم نے مانگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل قبولیت کا اعلان ہے، جس میں بشارت بھی ہے اور تسلی بھی، اب موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ وہ تنہا نہیں بلکہ اللہ کی مدد اور اپنے بھائی کی معاونت کے ساتھ اس عظیم مشن پر روانہ ہوں گے۔

جامع خلاصہ: ان آیات میں ایک داعی کی مکمل تیاری کا نقشہ سامنے آتا ہے: سرکش قوت کے مقابلے کا حکم، شرحِ صدر اور آسانی کی طلب، ابلاغ کے لیے زبان کی اصلاح، معاون و شریک کی درخواست، مقصدِ دعوت کا تعین (ذکر و عبادت) اللہ پر کامل اعتماد، اور آخر میں دعا کی مکمل قبولیت، یہ آیات ہمیں سکھاتی ہیں کہ عظیم ذمہ داریوں کے لیے صرف جذبہ کافی نہیں، بلکہ دعا، توکل، حکمت اور اجتماعی تعاون بھی ناگزیر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خصوصی انعام ربانی

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي

التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ {۳۹} اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۭ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى {۴۰} وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ {۴۱} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اے موسیٰ ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا۔ جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈالی جو انہیں بتائی جارہی تھی۔ وہ یہ کہ تم اسے ایک صندوق میں رکھ دو پھر اس صندوق کو سمندر میں ڈال دو، پھر سمندر اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ اس وقت اسے وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی، اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتادوں جو اس کی پرورش کا ذمہ دار ہو جائے، پھر ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم گین نہ ہو اور تم نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں محنتوں میں ڈالا پھر تم اہل مدین میں کئی سال رہے پھر تم اے موسیٰ ایک خاص وقت پر چلے آئے۔ اور میں نے تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن سابقہ احسانات کی یاد دہانی کرائی ہے جو بچپن سے لے کر بعثتِ نبوی تک اُن پر فرمائے گئے، یہ تذکیر دراصل تقویتِ قلب، اطمینانِ نفس اور منصبِ رسالت کے لیے کامل تیاری کا ذریعہ ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى: احسانِ سابق کی یاد دہانی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم پر اس سے پہلے بھی بڑا فضل کیا تھا، اس میں اشارہ ہے اس دور کی طرف جب موسیٰ علیہ السلام نہایت کمزور اور ناتواں حالت میں تھے، مگر قدرتِ الٰہی نے اُن کی حفاظت کا ایسا سامان فرمایا جو انسانی تدبیر سے ماورا ہے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى: الہامِ مادری، یہاں "وحی" سے مراد نبوت کی وحی نہیں بلکہ الہام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ایک خاص بات ڈال دی، اس الہام میں انہیں یہ ہدایت دی گئی کہ بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا کے حوالے کر دیں، بظاہر یہ ایک نہایت خطرناک فیصلہ تھا، مگر در حقیقت یہی اللہ کی حکمت اور حفاظت کا ذریعہ بنا۔

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ: دریا کے سپرد کرنا، موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں رکھ کر دریا (نہر نیل) میں ڈال دیا گیا، اللہ کے حکم سے دریا نے اس امانت کو بہا کر ایسے مقام پر پہنچایا جہاں فرعون کا محل تھا، یوں ایک عظیم تدبیر کے ذریعے اللہ نے اپنے نبی کو دشمن کے گھر میں پہنچا دیا، تاکہ وہیں پرورش پائیں۔

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي: محبتِ الٰہی کا سایہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی۔ مفسرین کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ: جو بھی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا، ان سے محبت کرنے لگتا، حتیٰ کہ فرعون اور اس کی بیوی آسیہ بھی ان سے متاثر ہوئے، یہ اللہ کی خاص تدبیر تھی تاکہ دشمن بھی محافظ بن جائے۔

وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي: نگرانی میں پرورش، اس جملے میں نہایت لطیف معنی پوشیدہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری پرورش میری نگاہِ خاص کے تحت ہوئی۔ یعنی ہر خطرے سے حفاظت، ہر مرحلے پر رہنمائی، ہر آزمائش میں پوشیدہ مدد، یہ دراصل ربانی تربیت کا مکمل نظام تھا۔

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ: بہن کا کردار اور ماں سے واپسی، جب تابوت محل تک پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور سے نگرانی کرتی رہی، اس نے موقع پا کر کہا کہ میں ایک ایسی عورت بتاتی ہوں جو اس بچے کی پرورش کر سکتی ہے، یوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ ان کی والدہ کی آغوش میں لوٹا دیا: ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی، دل کا غم دور ہوا، اور اللہ کا وعدہ سچا ثابت ہوا

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ: آزمائش اور نجات، جوانی میں موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا قتل ہو گیا، جس پر انہیں شدید پریشانی لاحق ہوئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس غم اور مصیبت سے نجات دی، یہ واقعہ بھی تربیت کا حصہ تھا، جس نے انہیں آئندہ ذمہ داریوں کے لیے تیار کیا۔

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا: مسلسل آزمائشیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مختلف آزمائشوں سے گزارا، بچپن کا خطرہ، دریا کا سفر، فرعون کا محل، قتل کا واقعہ، مدین کی ہجرت، یہ سب مراحل دراصل ایک عظیم نبی کی تیاری کے مراحل تھے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ: مدین کی زندگی، موسیٰ علیہ السلام کئی سال مدین میں رہے، جہاں، عملی زندگی کا تجربہ حاصل کیا، صبر، حکمت اور ذمہ داری سیکھی، خاندانی زندگی سے وابستہ ہوئے، یہ دور ان کی شخصیت کی تکمیل کا اہم حصہ تھا۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى: وقتِ مقرر پر واپسی، یعنی تم عین اس وقت واپس آئے جب ہم نے تمہیں رسالت کے لیے منتخب کرنا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا ہر کام ایک مقررہ حکمت اور وقت کے مطابق ہوتا ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ: انتخابِ خاص، یہ اس پورے بیان کا نقطۂ عروج ہے، "میں نے تمہیں اپنے لیے چُن لیا" اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری تربیت براہِ راست میرے نظام کے تحت ہوئی، تمہیں خاص مقصد (نبوت ورسالت) کے لیے تیار کیا گیا، تم میری نمائندگی کے لیے منتخب ہو

جامع خلاصہ: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری ابتدائی زندگی کو ایک مربوط انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی تربیت خود فرماتا ہے، ہر آزمائش دراصل تیاری کا مرحلہ ہوتی ہے، مشکلات دراصل مستقبل کی ذمہ داریوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اور آخرکار اللہ اپنے منتخب بندوں کو ایک عظیم مقصد کے لیے چن لیتا ہے، یہی وہ ربانی نظامِ تربیت ہے جو ایک کمزور بچے کو عظیم پیغمبر بنا دیتا ہے۔

فرعون کو دعوت اور نرمی کی ہدایت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ {۴۲} اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى {۴۳} فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى {۴۴} قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ

أَوْ أَنْ يَّطْغٰى {۴۵} قَالَ لَا تَخَافَآ إِنَّنِيْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى {۴۶} فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ إِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ۖ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى {۴۷} إِنَّا قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى {۴۸} طٰهٰ

جواب ترجمہ: تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ، بیشک وہ سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرنے پر اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں مت ڈرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ سو تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور تو انھیں تکلیفیں نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سرکش بادشاہ کی طرف دعوتِ حق کے لیے بھیجنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دعوت کا مکمل منہج بھی واضح فرمایا، جس میں نرمی، حکمت، ثابت قدمی اور انذار سب جمع ہیں۔

اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي: دعوت کے ساتھ استقامت، اللہ تعالیٰ نے دونوں بھائیوں کو حکم دیا کہ میری نشانیاں (معجزات) لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، مفسرین کے مطابق لَا تَنِيَا کا معنی ہے، کمزوری نہ دکھانا، سستی نہ کرنا اور تبلیغِ حق میں کوتاہی نہ برتنا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ دعوت کا کام مسلسل محنت، ہمت اور اللہ کی یاد کے ساتھ وابستہ ہے۔

اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ: سرکشی کا مقابلہ، فرعون کی حقیقت بیان کی گئی کہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے، کفر میں، ظلم میں، غرور و تکبر میں، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے اسی کو دعوت دی گئی، تاکہ باطل

کے مرکز پر ضرب لگائی جائے۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا: نرمی کا اصول، یہ آیات کا نہایت اہم اور اصولی حصہ ہے، "اس سے نرم بات کہنا" مفسرین فرماتے ہیں، ایسی بات جس میں سختی، درشتی اور غصہ نہ ہو، خیر خواہی، ہمدردی اور حکمت نمایاں ہو، یہاں ایک عظیم سبق ہے، جب فرعون جیسے جابر کے ساتھ بھی نرمی کا حکم ہے، تو عام انسانوں کے ساتھ سختی کی کوئی گنجائش نہیں۔

لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى: امید کا دروازہ، دعوت میں ہمیشہ امید رکھی جائے، شاید وہ نصیحت قبول کر لے، شاید اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے، یعنی داعی کا کام دروازہ بند کرنا نہیں بلکہ کھولنا ہے۔

قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ: انسانی فطرت کا اظہار، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے عرض کیا، ہمیں خوف ہے کہ وہ جلدی ظلم کرے گا، یا مزید سرکشی اختیار کرے گا، یہ ایک فطری خوف تھا، کیونکہ فرعون اپنی سفاکی میں مشہور تھا۔

لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَى: نصرتِ الٰہی کی یقین دہانی، اللہ تعالیٰ نے فوراً تسلی دی، ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہاری باتیں بھی سن رہا ہوں، اور حالات کو دیکھ بھی رہا ہوں، یہ جملہ داعی کے لیے سب سے بڑی طاقت ہے، اللہ کی معیت (ساتھ ہونا) خوف کو ختم کر دیتی ہے۔

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ: دعوت کا واضح اعلان، فرعون کے سامنے سب سے پہلا پیغام، ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، ہماری دعوت کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں، یہاں دعوت کی بنیاد ربوبیتِ الٰہی پر رکھی گئی۔

فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ: ظلم کے خاتمے کا مطالبہ، دعوت کے ساتھ عملی مطالبہ بھی پیش کیا گیا، بنی اسرائیل کو آزاد کرو، ان پر ظلم اور جبری مشقت بند کرو، کیونکہ فرعون، انہیں سخت محنت پر مجبور کرتا تھا، غلامی اور ذلت میں رکھتا تھا۔

قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ: دلیل اور معجزہ، دعوت صرف الفاظ نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ ہے، عصا کا معجزہ، یدِ بیضاء (چمکتا ہوا ہاتھ) یہ سب صداقتِ نبوت کی نشانیاں تھیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى: اصولی اعلان، یہ ایک جامع جملہ ہے، سلامتی صرف اسی کے لیے ہے جو ہدایت قبول کرے، یعنی کامیابی ایمان اور اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا: انجام کی تنبیہ، آخر میں واضح انذار کیا گیا، عذاب اس کے لیے ہے، جو تکذیب کرے اور حق سے منہ موڑے، یہ دعوت کا توازن ہے، نرمی بھی، اور انجام کی سخت حقیقت بھی۔

جامع خلاصہ: ان آیات میں دعوتِ دین کا مکمل منہج بیان ہوا، اللہ پر توکل اور اس کے ذکر سے قوت حاصل کرنا، ① سب سے بڑے باطل کے سامنے بھی کھڑے ہونا۔ ② گفتگو میں نرمی اور حکمت اختیار کرنا۔ ③ دلوں کے بدلنے کی امید رکھنا۔ ④ خوف کے وقت اللہ کی معیت پر یقین رکھنا۔ ⑤ دعوت کو دلیل اور معجزہ سے مضبوط کرنا۔ ⑥ ظلم کے خاتمے کا مطالبہ کرنا۔ ⑦ آخر میں انجامِ بد کی تنبیہ کرنا۔ یہی وہ متوازن اسلوب ہے جس کے ذریعے انبیاء علیہم السلام نے دنیا کو حق کی دعوت دی، نرمی میں حکمت اور سختی میں حقانیت کے ساتھ۔

توحید ربوبیت کا جامع مکالمہ اور دلائل قدرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى {۴۸} قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى {۵۰} قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى {۵۱} قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى {۵۲} الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى {۵۳} كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى {۵۴} طٰهٰ

جواب ترجمہ: فرعون نے پوچھا تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ! موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر راہ بتائی۔ فرعون نے پوچھا تو پرانی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا

ہے اور نہ بھولتا ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیئے اور اس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے نباتات پیدا کئے۔ کھاؤ اور مویشیوں کو چراؤ بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن مکالمہ بیان ہوا ہے، جس میں توحید، ربوبیت، علمِ الٰہی اور قدرتِ کاملہ کو نہایت جامع اور عقلی دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى: سوالِ فرعون، فرعون نے تکبر اور انکار کے انداز میں سوال کیا، "تم دونوں کا رب کون ہے، اے موسیٰ؟" اگرچہ خطاب موسیٰ اور ہارون دونوں سے تھا، مگر نام صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لیا گیا، کیونکہ اصل مخاطب اور قائد وہی تھے، اور دعوت کا مرکزی کردار بھی انہی کا تھا، یہ سوال دراصل انکارِ حق اور بحث کو الجھانے کی ایک کوشش تھی۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى: ربوبیت کی جامع تعریف، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت مختصر مگر انتہائی جامع جواب دیا، "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب ساخت عطا کی، پھر اسے راہ دکھائی" اس تعریف میں ربوبیت کے دو بنیادی پہلو بیان ہوئے۔ ① تخلیق (Creation) ہر مخلوق کو اس کی خاص شکل، ساخت اور نظام دینا۔ ہر چیز کو اس کی فطرت کے مطابق بنانا۔ ② ہدایت (Guidance) ہر مخلوق کو اس کے فائدے کے راستے سکھانا، جانوروں کو خوراک، رہائش اور بقا کے طریقے سکھانا، انسان کو عقل و وحی کے ذریعے ہدایت دینا، یہ ایک ایسا جامع جواب ہے جس نے فرعون کے دعوائے ربوبیت کو جڑ سے کاٹ دیا۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى: موضوع بدلنے کی کوشش، فرعون نے جب مضبوط دلیل سنی تو فوراً موضوع بدل دیا اور کہا، "پچھلی قوموں کا کیا حال ہوا؟" اس سوال کا مقصد، اصل بحث سے توجہ ہٹانا، اور ایک الجھن پیدا کرنا تھا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ: علم الٰہی کا اعلان، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت حکیمانہ جواب دیا، ان قوموں کا علم میرے رب کے پاس محفوظ ہے، وہ ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج ہے، پھر فرمایا:

لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى: یعنی: میرا رب نہ غلطی کرتا ہے، نہ کسی چیز کو بھولتا ہے، یہ اللہ کے کامل علم اور کامل ضبط (Precision) کی دلیل ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا: زمین کا نظام، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا، اللہ نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا، اسے آرام دہ اور قابلِ رہائش بنایا۔

وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا: راستوں کا نظام، زمین میں راستے بنائے، سفر اور آمد و رفت کو آسان کیا، یہ انسانی زندگی کے نظم وضبط کی واضح دلیل ہے۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً: بارش کا نظام، آسمان سے پانی نازل کیا، جو زندگی کی بنیاد ہے۔

فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ: نباتات کی تنوع، مختلف قسم کے پودے اگائے، رنگ، ذائقہ، شکل اور فائدے میں بے شمار تنوع، یہ قدرتِ الٰہی کی عظیم نشانی ہے کہ ایک ہی پانی سے اتنی مختلف چیزیں پیدا ہوئیں۔

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ: نعمتوں سے استفادہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تم خود بھی کھاؤ، اپنے جانوروں کو بھی چراؤ، یعنی یہ نظام صرف تخلیق نہیں بلکہ رزق اور بقا کا مکمل انتظام ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ: اہلِ عقل کے لیے نشانیاں، ان تمام دلائل کے بعد فرمایا، ان سب میں بڑی نشانیاں ہیں، مگر صرف ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں، یعنی ہدایت اُنہی کو نصیب ہوتی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

جامع خلاصہ: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے توحیدِ ربوبیت کو نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کیا، ① اللہ خالق ہے: ہر چیز کو اس کی ساخت دی۔ ② اللہ ہادی ہے: ہر مخلوق کو راستہ دکھایا۔ ③ اللہ علیم ہے: سب کچھ اس کے علم میں محفوظ ہے۔ ④ اللہ قادر ہے: زمین، پانی

اور نباتات کا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ⑤ اللہ رازق ہے: انسان اور حیوان سب کا رزق مہیا کرتا ہے۔ یہ مکالمہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جو رب تخلیق کرے، ہدایت دے، رزق دے اور نظامِ کائنات چلائے، وہی حقیقی معبود ہے، نہ کہ فرعون جیسا عاجز انسان۔

انسان کی پیدائش

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى {۵۵}طه

جواب ترجمہ: ہم نے تم سب کو زمین سے پیدا کیا ہے، اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے، اور دوسری بار اسی سے تمہیں نکالیں گے۔

مِنْهَا کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے اور معنٰی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا مخاطب اس کے سب انسان ہیں حالانکہ عام انسانوں کی پیدائش مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے ہوئی بجز آدم علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش براہ راست مٹی سے ہوئی تو یہ خطاب یا تو اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصل اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے واسطے سے سب کی تخلیق مٹی کی طرف منسوب کر دینا کچھ بعید نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر نطفہ مٹی ہی کی پیداوار ہوتا ہے اس لئے نطفہ سے تخلیق در حقیقت مٹی ہی سے تخلیق ہو گئی۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی صاحب)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر انسان کی تخلیق میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مٹی شامل فرماتے ہیں اس لئے ہر ایک انسان کی تخلیق کو براہ راست مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے عمل میں آئی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث اس پر شاہد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ حصہ ڈالا جاتا ہے جس جگہ

اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے۔ یہ حدیث ابو نعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا ہے هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِن حَدِيثِ عَون لَم نَكتُبهُ إِلَّا مِن حَدِيثِ عَاصِم بن نَبِيل وَهُوَ اَحَدُ الثِّقَاتِ الاَعلَام مِن اَهل بُصرَةٍ

اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے اور عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے تو جو فرشتہ اس کی تخلیق پر مامور ہے وہ جا کر اس جگہ کی مٹی لاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا مقرر ہے اور یہ مٹی اس نطفہ میں شامل کر دیتا ہے اس لئے تخلیق نطفہ اور مٹی دونوں سے ہوتی ہے اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (قرطبی)

تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں ایک حصہ مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں شامل کی گئی تھی اور فرمایا کہ میں اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔ یہ روایت خطیب نے نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث میرزا محمد حارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو سعید رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ جن سے اس روایت کو قوت پہنچتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن (لغیرہ) سے کم نہیں (مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا تاریخی مقابلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ

اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى {۵۸}قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى {۶۰}قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى {۶۱}فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى {۶۲}قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى {۶۳}فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى {۶۴}قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى {۶۵}قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى {۶۶}فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى {۶۷}قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى {۶۸}وَاَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى {۶۹}فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰى {۷۰}قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمۡ فِىۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۫ وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى {۷۱}طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین سے نکال دے۔ سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں اسی جیسا جادو لے آئینگے، سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر دے نہ ہم اس کی خلاف ورزی کرینگے اور نہ تو، اس غرض کے لیے ایک ہموار میدان مقرر کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم سے زینت کے دن کا وعدہ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ لوگ ایسے وقت میں جمع ہوں جب دن چڑھ جائے۔ اس کے بعد فرعون واپس ہوا پھر اس نے اپنے مکر کا سامان جمع کیا پھر وہ آگیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا ہلاکت ہے تمہارے لیے اللہ پر جھوٹ افتراء مت کرو ورنہ وہ تمہیں ایسا عذاب دے گا کہ تمہیں بالکل ہی ختم کر دے گا اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی رائے میں اختلاف کیا اور چپکے چپکے مشورہ کرتے رہے۔ کہنے لگے کہ

بلاشبہ یہ دونوں جادو گر ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ طریقے ختم کر دیں۔

لہٰذا اب تم سب اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صف بنا کر آجاؤ اور جو غالب ہو آج وہی کامیاب ہو گا۔ کہنے لگے کہ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔، سو موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا کہ تم مت ڈرو بلاشبہ تم ہی بلند رہو گے۔ اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے وہ اس سب کو چٹ کر دے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔

انہوں نے صرف جادو گروں والا مکر کیا ہے اور جادو گر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔ سو جادو گر سجدہ میں گرا دیئے گئے کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون نے کہا کہ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے، بلاشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو میں ضرور بالضرور اس طرح سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دونگا کہ ایک طرف کا ہاتھ ہو گا اور دوسری طرف کا پاؤں ہو گا اور ضرور بالضرور میں تمہیں کھجور کی ٹہنیوں میں لٹکا دونگا جیسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں کون سب سے زیادہ عذاب والا ہے اور کس کا عذاب زیادہ دیرپا ہے۔

تفسیر: یہ آیاتِ کریمہ قرآنِ مجید کے نہایت بصیرت افروز اور ایمان افروز مقامات میں سے ہیں، جہاں حق و باطل کا ایک عظیم معرکہ اپنی پوری شان کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون کے سامنے اپنی واضح نشانیاں پیش فرمائیں، مگر تکبر و عناد نے اسے قبولِ حق سے محروم رکھا، چنانچہ اس نے مقابلہ سحر کا اعلان کیا، جس کا انجام اہلِ بصیرت کے ایمان اور باطل کی رسوائی پر ہوا۔

وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے فرعون کو اپنی تمام بڑی نشانیاں دکھا دیں، مگر اس نے انکار اور سرکشی ہی کو اختیار کیا، مفسرین کے مطابق یہاں آیَاتِنَا سے مراد وہ نمایاں معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے، جیسے عصا اور یدِ بیضا وغیرہ، اس کے باوجود فرعون نے انہیں سحر قرار دے کر جھٹلایا، یہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جب دل ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو جائے تو روشن ترین دلیل بھی اثر نہیں کرتی۔

قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ: فرعون نے دلیل کے بجائے الزام تراشی کا سہارا لیا اور کہا کہ تم اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنا چاہتے ہو، پھر اس نے اعلان کیا کہ ہم بھی تمہارے مقابلے میں ویسا ہی جادو پیش کریں گے اور ایک کھلی اور برابر جگہ میں مقابلہ ہوگا تاکہ سب دیکھ سکیں، یہ طرزِ عمل باطل کا قدیم ہتھیار ہے، جب دلیل نہ ہو تو الزام اور پروپیگنڈا۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے لیے يَوْمُ الزِّينَةِ (عید یا میلے کا دن) مقرر کیا، تاکہ عوام الناس کی بڑی تعداد جمع ہو اور حق واضح طور پر ظاہر ہو جائے، یہ دعوتِ حق کا حکیمانہ انداز ہے کہ حق کو ایسے موقع پر پیش کیا جائے جہاں اس کا اثر زیادہ ہو۔

فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ: فرعون نے پوری تیاری کے ساتھ ملک بھر کے ماہر جادوگروں کو جمع کیا اور ایک منظم منصوبے کے ساتھ میدان میں آیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باطل اپنی پوری قوت اور تدبیر کے ساتھ میدان میں اترتا ہے۔

وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے جادوگروں کو نصیحت کی کہ اللہ پر جھوٹ نہ باندھو، ورنہ سخت عذاب آئے گا، یہ انبیاء کا اسلوب ہے کہ وہ دشمن کو بھی پہلے خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں۔

فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ: الخ جادوگر آپس میں مشورہ کرنے لگے اور بالآخر انہوں نے یہ طے کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر متحد ہو کر مقابلہ کریں، انہوں نے اپنی صفیں

درست کیں اور پوری تنظیم کے ساتھ میدان میں اترے، یہ اجتماعی باطل کی ایک جھلک ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لیے اتحاد قائم کرتا ہے۔

قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ: الخ جادوگروں نے ادباً موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا کہ آپ پہلے ڈالیں یا ہم؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو، چنانچہ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں تو جادو کے اثر سے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ سانپ دوڑ رہے ہوں، یہ محض نظر کا دھوکہ تھا، حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى: اس منظر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں طبعی طور پر ایک خفیف سا خوف پیدا ہوا، یہ خوف بشری تقاضے کے تحت تھا، نہ کہ ایمان میں کمزوری۔

لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى: الخ اللہ تعالیٰ نے فوراً تسلی دی کہ تم ہی غالب رہو گے، پھر حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دو، چنانچہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا، وہ ایک حقیقی اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے تمام فریب کو نگل گیا۔ یہاں واضح ہوا کہ جادو محض فریبِ نظر ہے، جبکہ معجزہ حقیقتاً اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا: الخ جب جادوگروں نے حق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو فوراً سجدے میں گر گئے اور اعلان کیا، ہم ربِ موسیٰ وہارون پر ایمان لے آئے، یہاں ایک عظیم حقیقت سامنے آتی ہے، جو شخص فن کا ماہر ہوتا ہے، وہ حق وباطل کے فرق کو سب سے پہلے پہچان لیتا ہے۔

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ: فرعون غصے سے بھڑک اٹھا اور جادوگروں کو سخت سزاؤں کی دھمکی دی، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کی، لیکن اب ایمان دلوں میں جا چکا تھا، اس لیے وہ کسی دھمکی سے مرعوب نہ ہوئے۔

جامع مفہوم: ان آیات میں حق وباطل کے ٹکراؤ کی ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے، حق دلیل اور معجزہ کے ساتھ آتا ہے، باطل الزام، پروپیگنڈا اور طاقت کے ذریعے مقابلہ کرتا ہے، جب حق واضح ہو

جائے تو اہلِ بصیرت فوراً اسے قبول کر لیتے ہیں، سچا ایمان انسان کو ظالم کی دھمکیوں سے بے خوف کر دیتا ہے، یہ واقعہ رہتی دنیا تک یہ اعلان کرتا ہے کہ باطل کتنا ہی منظم اور طاقتور کیوں نہ ہو، انجام کار حق ہی غالب آتا ہے۔

جادوگروں کا اعلانِ حق اور جزائے آخرت

سوال ان آیات کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ یہ کہنے والے کون لوگ تھے؟ کن کے لیے یہ باتیں کہی گئیں تھیں؟ ان میں مناسبت کیا ہے؟

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا {۷۲} اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى {۷۳} اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى {۷۴} وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى {۷۵} جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى {۷۶} طٰهٰ

جواب ترجمہ: جادوگروں نے کہا: قسم اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہمارے سامنے جو روشن نشانیاں آگئی ہیں ان پر ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کر لو، تم جو کچھ بھی کرو گے اسی دنیوی زندگی کے لیے ہو گا۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے اور جادو کے اس کام کو بھی جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ ہی سب سے اچھا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا اور جو شخص اس کے پاس مومن بن کر آئے گا جس نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے، تو ایسے ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں۔ وہ ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ صلہ ہے اس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

تفسیر: یہ آیاتِ کریمہ اس عظیم انقلابِ قلب کی تصویر پیش کرتی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھنے کے بعد جادوگروں کے اندر برپا ہوا، جو لوگ ابھی کچھ دیر پہلے فرعون کے درباری اور سحر کے ماہر تھے، وہی اب توحید کے علمبردار بن کر کلمۂ حق بلند کرتے ہیں اور ظلم کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں، ان کے یہ کلمات ایمان، یقین اور استقامت کی لازوال مثال ہیں۔

قَالُوا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ: جادوگروں نے نہایت جرأت اور یقین کے ساتھ فرعون کو جواب دیا کہ اب ہم تجھے ہرگز ان روشن نشانیوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہم پر واضح ہو چکی ہیں۔

وَالَّذِي فَطَرَنَا کے الفاظ یا تو قسم کے طور پر ہیں یا اس بات کی تاکید کہ ہم اپنے خالق کو بھی تیرے مقابلے میں نہیں چھوڑ سکتے۔

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا:: پھر انہوں نے نہایت بے نیازی سے کہا، تم جو چاہو فیصلہ کر لو، تمہاری حکومت اور اختیار صرف دنیا کی عارضی زندگی تک محدود ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں ایک کمزور انسان بھی ایمان کی قوت سے دنیا کے سب سے بڑے جابر کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ : جادوگروں نے اپنے ایمان کا مقصد بھی واضح کر دیا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے، خصوصاً وہ سحر جس پر ہمیں مجبور کیا گیا تھا۔

وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى: میں ایک عظیم حقیقت بیان ہوئی، اللہ کا ثواب بھی بہتر ہے اور اس کی پکڑ بھی زیادہ دائمی ہے، گویا انہوں نے دنیا کی عارضی سزا کو آخرت کی دائمی نعمت کے مقابلے میں ہیچ سمجھ لیا۔

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى: اب جادوگر ایک واعظ اور داعی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور انجامِ بد کو بیان کرتے ہیں، جو شخص اللہ کے حضور مجرم بن کر آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے، جہاں نہ وہ مرے گا کہ عذاب ختم ہو جائے، اور نہ ایسی زندگی پائے گا جس میں راحت ہو، یہ دائمی عذاب کی نہایت مؤثر تصویر ہے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى: اس کے برعکس وہ لوگ جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ حاضر ہوں گے، ان کے لیے بلند درجات ہیں، یہ "درجات العُلٰی" اللہ کے قرب، عزت اور ابدی کامیابی کی علامت ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: ان بلند درجات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ "جناتِ عدن" ہیں، ایسی دائمی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اہلِ ایمان ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى: یعنی یہ ان لوگوں کا بدلہ ہے جو، کفر و شرک سے پاک ہوئے، گناہوں سے توبہ کی اور اپنے ظاہر و باطن کو سنوار لیا۔

جامع مفہوم: ان آیات میں ایمان کی وہ قوت نمایاں ہوتی ہے جو انسان کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے مقابلے میں ثابت قدم کر دیتی ہے، حق واضح ہو جائے تو اہلِ بصیرت فوراً اسے قبول کر لیتے ہیں، سچا ایمان دنیاوی خوف کو ختم کر دیتا ہے، اہلِ ایمان اللہ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، آخرت کی حقیقت (جنت و جہنم) دلوں میں یقین پیدا کر دیتی ہے یہ واقعہ رہتی دنیا تک یہ پیغام دیتا ہے کہ جب دل میں یقین پیدا ہو جائے تو جادوگر بھی ولی بن جاتے ہیں اور فرعون کی دھمکیاں بھی بے اثر ہو جاتی ہیں۔

ہجرت موسوی، نجات بنی اسرائیل، غرقابی فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى {۷۷} فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ {۷۸} وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى {۷۹} يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى {۸۰} كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ

هَوٰی {۸۱} وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی {۸۲} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جاؤ پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دینا نہ کسی کے تعاقب کا اندیشہ کروگے اور نہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہوگا۔ سو فرعون نے ان کے پیچھے اپنے لشکروں کو چلا دیا پھر دریا سے انہیں اس چیز نے ڈھانپ دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کی راہ نہ بتائی۔ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے ہم نے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہوگا، اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا۔ بلاشبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی نجات کے لیے جو ہدایات عطا فرمائیں، پھر فرعون اور اس کے لشکر کی عبرتناک ہلاکت اور اس کے بعد بنی اسرائیل پر ہونے والے انعامات اور ان کو دی گئی نصیحتوں کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ یہ آیات قدرتِ الٰہی، نصرتِ حق اور انجامِ اطاعت و معصیت کا جامع درس پیش کرتی ہیں۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے لے کر نکل جائیں، یہ خفیہ تدبیر اس لیے اختیار کی گئی تاکہ دشمن کو بروقت خبر نہ ہو، پھر حکم ہوا کہ اپنے عصا کے ذریعے سمندر پر ضرب لگائیں، جس سے اللہ کے حکم سے ایک خشک راستہ بن جائے گا، ساتھ ہی کامل اطمینان بھی عطا فرمایا: نہ فرعون کے تعاقب کا خوف رہے گا، نہ سمندر میں غرق ہونے کا اندیشہ، یہ اللہ پر کامل توکل اور اس کی نصرت پر یقین کی اعلیٰ مثال ہے۔

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ: فرعون اپنی پوری فوج کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور اسی راستے سے سمندر میں داخل ہوا، لیکن جب اللہ کا فیصلہ آیا تو سمندر کی موجیں اس پر اس طرح

ٹوٹ پڑیں کہ وہ اور اس کا لشکر سب غرق ہو گئے، قرآن کا اسلوب مَا غَشِيَهُمْ اس ہولناک منظر کی شدت اور ہیبت کو نمایاں کرتا ہے، گویا ایسا عذاب آیا جس کی مکمل کیفیت بیان سے باہر ہے۔

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ: فرعون نہ صرف خود گمراہ تھا بلکہ اپنی قوم کو بھی گمراہی میں لے گیا، وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہوں، مگر حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنی قوم کو ہلاکت کے راستے پر ڈال دیا، یہ آیت ہر اس رہنما کے لیے تنبیہ ہے جو حق کے بجائے باطل کی قیادت کرتا ہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُمْ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو براہِ راست مخاطب کر کے اپنی نعمتیں یاد دلائیں، تمہیں دشمن (فرعون) سے نجات دی، طور کے دائیں جانب حاضری کا وعدہ فرمایا، تم پر ''منّ وسلویٰ'' جیسی پاکیزہ نعمتیں نازل کیں، یہ یاد دہانی اس لیے تھی کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانیں اور شکر گزار بنیں۔

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان پاکیزہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، مگر حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ سرکشی کا نتیجہ اللہ کا غضب ہے اور جس پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے وہ ہلاکت میں جا گرتا ہے، یہ آیت اعتدال، شکر اور اطاعت کی تعلیم دیتی ہے۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ: انتباہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دروازہ بھی کھول دیا، وہ ان لوگوں کے لیے بے حد بخشنے والا ہے جو، سچی توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک اعمال اختیار کریں اور ہدایت پر ثابت قدم رہیں، یہ آیت امید اور رحمت کا عظیم پیغام ہے کہ اللہ کی مغفرت ہمیشہ ان لوگوں کے لیے کھلی ہے جو اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجوع کریں۔

قبولیت توبہ کی شرائط: عارف باللہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے قبول ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ گناہ سے الگ ہو جائے، گناہ کرتے ہوئے کہنا کہ توبہ توبہ توبہ توبہ تو ایسی توبہ قبول نہیں، کیونکہ حالت گناہ میں نزول غضب ہو رہا ہے اور توبہ نزول رحمت کا ذریعہ ہے اور غضب کے ساتھ رحمت جمع نہیں ہو سکتی، کیونکہ رحمت اور غضب میں تضاد ہے اور اجتماع ضدین محال ہے۔ (توبہ کے آنسو)

قبول توبہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ دل میں ندامت بھی ہو، گناہ پر ندامت ہونا علامت قبول ہے، ابلیس کو آج تک ندامت نہیں ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کشف بزرگ نے کہا کہ ابلیس نے جو کہا تھا اَنظِرنی کہ مجھے مہلت دیجیے قیامت تک اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے ، لیکن اگر یہ ظالم اَنظِرنی کے بجائے اُنظُرِالی کہہ دیتا کہ ایک نظر رحمت مجھ پر ڈال دیجیے تو یہ بخش دیا جاتا، تو ندامت علامت قبول ہے۔

قبول توبہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ پکا ارادہ کرو کہ کبھی اللہ کو ناراض نہیں کرنا ہے اور گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم یعنی پکا ارادہ کرو، لیکن شکست توبہ کا وسوسہ آئے تو وسوسہ مانع قبول نہیں بلکہ تکمیل قبول کا ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ اپنے دست وبازو پر بھروسہ نہیں کر رہا ہے۔

قبول توبہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی کا حق مارا ہو تو اس کا حق ادا کرو، کسی کا مال لیا ہو تو مال واپس کر دو، مال واپس کر کے کہو کہ ہم نے جو مال لیا، جس سے آپ کو غم پہنچا اور اتنے دن تک ہم نے مال واپس نہیں کیا تو آپ ہم کو معاف کر دیجیے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو۔ (توبہ کے آنسو)

جامع مفہوم: ان آیات میں تین بنیادی حقائق نہایت وضاحت کے ساتھ سامنے آتے ہیں،

① نصرتِ الٰہی: اللہ جب مدد فرمائے تو سمندر بھی راستہ بن جاتا ہے اور دشمن غرق ہو جاتا ہے۔

② انعام و امتحان: نجات کے بعد نعمتیں دی جاتی ہیں، مگر ان کے ساتھ آزمائش بھی ہوتی ہے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا سرکشی اختیار کرتا ہے۔

③ رحمت و مغفرت: اگر انسان سے خطا ہو جائے تو توبہ، ایمان اور عملِ صالح کے ذریعے اللہ کی مغفرت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ آیات درحقیقت ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتی ہیں، توکل، اطاعت، شکر اور توبہ، یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

بنی اسرائیل کی آزمائش، سامری کا فتنہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى {۸۳} قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى {۸۴} قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ {۸۵} فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ {۸۶} قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ {۸۷} فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِىَ {۸۸} اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا {۸۹} وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِىْ {۹۰} قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى {۹۱} قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا {۹۲} اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ {۹۳} قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَا بِرَاْسِىْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ {۹۴} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اے موسیٰ آپ کو کس چیز نے جلدی میں ڈالا کہ آپ اپنی قوم سے آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور اے رب میں آپ کی طرف جلدی آگیا تاکہ آپ راضی ہوں۔ فرمایا سو بلاشبہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔ پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے رنجیدہ حالت میں واپس ہوئے انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں فرمایا؟ کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ نازل ہو جائے سو تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی، لیکن بات یہ ہے کہ ہم پر قوم کے زیوروں کے بوجھ لدے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو

ڈال دیا۔ پھر سامری نے اسی طرح ڈال دیا۔ پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکالا جو ایک جسم تھا اس میں سے گائے کی آواز آرہی تھی۔ سو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے لیے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس کی وجہ سے تم فتنہ ہی میں ڈالے گئے ہو، بلاشبہ تمہارا رب رحمن ہے سو تم میرا اتباع کرو اور میرے حکم کو مانو۔ کہنے لگے کہ ہم ضرور ضرور اسی پر جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ واپس نہ آئے۔ موسیٰ نے کہا کہ اے ہارون جب تم نے انہیں دیکھا کہ گمراہ ہوگئے۔ تو کس چیز نے تمہیں اس بات سے روکا کہ تم میرے پاس چلے آتے سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑو بلاشبہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ یوں کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے پار اترے تو وہاں انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بتوں کی پرستش کر رہی تھی، بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی اسی طرح کا ایک معبود بنا دیجیے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو، یہ تو برباد شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا تھا پھر ان میں دس راتوں کا اور اضافہ فرمادیا، یعنی ان چالیس دنوں میں دن اور رات روزے رکھیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کا کلام سننے کے شوق میں جلدی جلدی روانہ ہوئے اور بنو اسرائیل کی دیکھ بھال اور ان کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لیے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کر دیا اور خود طور کی طرف چل پڑے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰ! آپ نے اپنی

قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے لیکن اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو تسکین دینے کے لیے اور ان کی عزت افزائی کے لیے یہ سوال کیا تھا۔ (تفسیر)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام کے جلال سے حیران ہو گئے اور بجائے اس کے کہ جلدی آنے کا سبب بیان کرتے یہ کہا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے سوال کی طرف متوجہ ہوئے اور جلدی آنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا اے میرے رب! میں نے تیرے پاس آنے میں اس لے جلدی کی تا کہ تو راضی ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا کہ وہ لوگ میرے پیچھے ہیں، اس سے ان کی یہ مراد نہیں تھی کہ وہ لوگ ان کے پیچھے پیچھے رہے ہیں یعنی وہ بھی طور کی طرف آرہے ہیں، بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ وہ بھی یہاں پر قریب ہیں اور میری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے روانہ ہونے کے بعد وہ بھی بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوں اور ان کے ساتھ آکر مل جائیں۔

اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد وہ ستر لوگ ہیں جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن لیا تھا وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے شوق میں ان سے آگے نکل گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا آپ نے اپنی قوم سے پہلے پہنچنے میں کیوں عجلت کی؟

ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق طور سینا کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے رب کی طرف مشتاق ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق کی شدت کی وجہ سے یہ مسافت ان پر طویل ہو گئی پھر وہ صبر نہ کر سکے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے ہی چل پڑے پھر جب اپنے مقام پر ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اس لیے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی تیری ملاقات کے شوق میں جلدی کی۔

قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِىْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ: اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں، وہ میرے پیچھے ابھی مل رہے ہیں، میرے اور ان کے مابین کوئی زیادہ فاصلہ نہیں، میں نے تو تیری ملاقات کے شوق میں عجلت سے کام لیا ہے، میں اس لیے جلدی پہنچا ہوں تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تمہاری قوم کو ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے، ہم نے ان کو ابتلاء میں ڈالا ہے۔ **مِنۢ بَعْدِكَ**، تمہارے بعد، یعنی تمہارے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے اور ان سے نکلنے کے بعد۔ قوم سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پیچھے تھے اور ان کو سامری نے گمراہ کیا، ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف دعوت دے کر اور ان کے اس کو قبول کر لینے کی بنا پر۔ السامرۃ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ ہے سامری کی نسبت اسی سامرہ قبیلے کی طرف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کرمان کا ایک جاٹ تھا، اسی نے بچھڑا بنایا تھا، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور یہ منافق شخص تھا، اس کے بارے میں پوری تفصیل ہم معارف الفرقان میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

فَرَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَٰنَ أَسِفًا: یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ کیفیت نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوئی ہے جب آپ کوہِ طور سے تورات لے کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے اور انہیں گمراہی میں مبتلا پایا، یہ منظر دراصل ایک نبی کے دردِ دل، غیرتِ ایمانی اور قوم کی بے وفائی پر شدید رنج و ملال کا آئینہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصے کی حالت میں لوٹے اور نہایت رنجیدہ و غمگین بھی تھے، یہ غصہ ذاتی نہیں تھا بلکہ خالصتاً دینی غیرت اور توحید کے تقاضوں کے تحت تھا، جبکہ رنج اس بات پر تھا کہ ایک مختصر مدت میں ہی قوم اپنے عہد سے پھر گئی۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا: واپس آتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت درد بھرے انداز میں اپنی قوم کو مخاطب کیا، کہ اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک نہایت اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ یہ وَعْدًا حَسَنًا دراصل تورات کے نزول کا وعدہ تھا، جو سراسر ہدایت، نور اور کامیابی کا ذریعہ تھا، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ تم جس نعمت کے منتظر تھے، وہ تو پوری ہو چکی، پھر یہ انحراف کیوں؟

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ: پھر فرمایا، کیا تم پر میرے جانے کے بعد کوئی لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ یہ استفہام دراصل انکار کے لیے ہے، یعنی اتنی جلدی تم نے عہد کو کیسے فراموش کر دیا؟ ابھی تو زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ تم شرک کی دلدل میں جا گرے۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: اس کے بعد نہایت سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، کیا تم نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟ یعنی بچھڑے کی پوجا جیسے عمل کا ارتکاب دراصل خود اپنے اوپر اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، گویا یہ محض لغزش نہیں بلکہ شعوری بغاوت کے مترادف ہے۔ آخر میں فرمایا:

فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ: پس تم نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا، یہ وہ وعدہ تھا جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کیا تھا کہ وہ توحید پر قائم رہیں گے، مگر آپ کی عدم موجودگی میں انہوں نے اس عہد کو پامال کر دیا۔

مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا: یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عتاب کے جواب میں بنی اسرائیل اپنی صفائی پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، ہم نے آپ سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی اپنے اختیار اور ارادے سے نہیں کی، گویا وہ اپنی لغزش کو ایک آزمائش اور کمزوریٔ نفس کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، نہ کہ شعوری بغاوت، اس میں اس انسانی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آزمائش کے وقت آدمی کبھی اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتا اور لغزش کا شکار ہو جاتا ہے۔

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ: پھر وہ اصل واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ لاد دیا گیا تھا، یہ زیورات یا تو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت عاریتاً لیے تھے، یا بعد میں فرعونیوں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے ہاتھ آئے، چونکہ یہ زیورات ان کے لیے محلِ اشکال تھے، نہ واپس کیے گئے اور نہ ان کے لیے حلال تھے، اس لیے وہ انہیں ایک بوجھ اور ذمہ داری سمجھتے تھے۔

فَقَذَفْنَاهَا: چنانچہ وہ کہتے ہیں، ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا، بعض روایات کے مطابق ایک گڑھے یا آگ میں ڈال دیا تاکہ اس بوجھ سے نجات حاصل کریں اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر اس کا حکم معلوم کریں۔

فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ: اسی دوران سامری نے بھی اپنا کردار ادا کیا یعنی سامری نے بھی اسی طرح (اپنی چیز) ڈال دی، مفسرین کے مطابق سامری نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک خاص مٹی (جو اس کے پاس تھی) اس میں شامل کی، جس سے بعد میں بچھڑے کا فتنہ وجود میں آیا۔

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ: یہاں بنی اسرائیل کے اس عظیم فتنہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو سامری کے ہاتھوں برپا ہوا، جس نے ایک پوری قوم کو وقتی طور پر شرک کی گمراہی میں مبتلا کر دیا، سامری نے قوم کے جمع کیے ہوئے زیورات سے ایک بچھڑے کا مجسمہ تیار کیا، جو بظاہر بے جان تھا جیسا کہ قرآن کریم اشارہ دے رہا ہے کہ وہ ایک جسد یعنی جسم تھا، مگر اس میں سے گائے جیسی آواز نکلتی تھی، یہ ایک عجیب فریب تھا جس نے کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دے دیا، چنانچہ وہ فتنہ زدہ لوگ اور سامری پکار اٹھے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی، مگر موسیٰ اسے یہاں چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا: یہ دراصل عقل و فہم سے بالکل عاری دعویٰ تھا، کیونکہ ایک معمولی سا بچھڑا، جو نہ بول سکتا تھا، نہ جواب دے سکتا تھا، نہ کسی نقصان کو دور کر سکتا تھا اور نہ کوئی نفع پہنچا سکتا تھا، کیسے معبود ہو سکتا ہے؟ قرآن اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے گویا انسان کو جھنجھوڑتا ہے کہ ایسی کھلی گمراہی پر بھی انہوں نے غور کیوں نہ کیا؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ: حضرت ہارون علیہ السلام نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہی، قوم کو نہایت حکمت اور نرمی سے سمجھایا، انہوں نے واضح کیا کہ یہ بچھڑا اور اس کی آواز محض ایک آزمائش ہے تاکہ سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے۔

وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ: پھر نہایت دردمندی سے فرمایا: تمہارا حقیقی رب وہ ہے جو رحمتوں کا مالک ہے، نہ کہ یہ بے جان چیز جو نہ نفع دے سکتی ہے نہ نقصان، پس میری پیروی کرو اور صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کرو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى: مگر قوم نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے، ہم تو اسی بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آجائیں پھر ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ اس کی پوجا کرتے ہیں جیسا ہم کر رہے ہیں اور آیا سامری نے سچ کہا یا جھوٹ بولا ہے۔؟ یہ جواب ان کی گمراہی اور اندھی تقلید کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور یہ منظر دیکھا تو آپ پر شدید رنج اور غصہ طاری ہوا، آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے پوچھا، جب آپ نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو آپ کو کس چیز نے روکا کہ آپ ان کا راستہ چھوڑ کر میرے پاس آجاتے؟ آپ نے اس صریح شرک و گمراہی کو دیکھ کر میری پیروی نہ کی، میرے حکم کی نافرمانی کی۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ: یہ سوال دراصل غیرتِ ایمانی اور دین کے معاملے میں شدید حساسیت کا اظہار تھا، اسی شدتِ جذبات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے، گویا ان کے عمل پر سخت گرفت کر رہے ہوں، حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت نرمی، محبت اور ادب کے ساتھ جواب دیا: اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ

پکڑیے، میں نے ایسا اس لیے کیا کہ مجھے خوف تھا کہ اگر میں انہیں چھوڑ کر چلا جاتا تو یہ مزید بکھر جاتے اور آپ مجھ پر یہ الزام رکھتے کہ میں نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور آپ کی وصیت کی حفاظت نہ کر سکا۔ حضرت ہارون کے اس خوبصورت طرز عمل سے پتا چلا کہ جہاں کہیں فتنے کا اندیشہ ہو وہاں کسی نہ کسی طرح احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تاکہ امت کو فتنہ سے بچایا جاسکے، اگر لوگ پہلے سے ہی کسی ایسے کام میں مبتلا ہیں تو اسے چھڑانے کے لیے بھی حکمت عملی اور جہد مسلسل سے کام لیا جائے، رفتہ رفتہ وہ فتنہ خود ہی ختم ہو جائے گا یا دب جائے گا، اگر فتنہ کو زور بازو سے اکھاڑنے کی ہمت اور طاقت ہو تو پھر اسے ہمت اور قوت سے جڑ سے اکھاڑ ڈالے، ورنہ جب یہ تن آور درخت کی شکل اختیار کر لے گا تو طاقت ور ہاتھیوں کی قوت سے بھی اسے ختم کرنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سامری کے درمیان مکالمہ

سوال ان آیات کی روشنی میں حضرت موسیٰ اور سامری کے درمیان ہونے والے مکالمہ کی وضاحت کیجیے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ {۹۵} قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ {۹۶} قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا {۹۷} طٰهٰ

جواب ترجمہ: موسیٰ نے پوچھا: اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟ وہ بولا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس لیے میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی، اور اسے (بچھڑے پر) ڈال دیا۔ اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی سمجھایا۔ موسیٰ نے کہا: اچھا تو جا، زندگی بھر تیرا کام یہ ہو گا کہ تو لوگوں سے یہ کہا کرے گا کہ مجھے نہ چھونا اور (اس کے علاوہ) تیرے لیے ایک وعدے کا وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلایا نہیں جاسکتا اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما

بیٹھا تھا! ہم اسے جلاڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چوراچورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔

حضرت موسیٰ نے سامری سے پوچھا کہ اے سامری! تجھے کیا ہوا؟ تجھے کس چیز نے ایسا فعل کرنے پر آمادہ کیا؟ سامری نے کہا، میں نے وہ چیز دیکھ لی تھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی تھی، جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہو گیا تو میں نے حضرت جبریل کو گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا، چنانچہ میں نے ایک مٹھی مٹی کی ان کے گھوڑے کے سموں کے نشانات والی جگہ سے لے لی تھی، پھر اس مٹی کو میں نے زیورات میں ڈالا، جس سے میں نے بچھڑا بنایا تھا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک جسم دار بچھڑا بن گیا جس کی آواز تھی، یہ ایک آزمائش اور فتنہ تھا، اسی طرح میرے لیے میرے نفس امارہ نے اس فعل کو خوبصورت بنا دیا تھا، حضرت موسیٰ نے سامری سے کہا، تو چلا جا، تو اس طرح زندگی گزارے گا جیسے ایک دور پھینکا ہوا بندہ ہوتا ہے، تو ہر کسی کو کہے گا کہ نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ ہی مجھے کوئی ہاتھ لگائے، تیری سزا اور عذاب کا ایک وقت مقرر ہے، اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کریں گے، اسے تو پائے گا، اب تو اپنے معبود کی طرف دیکھ لے کہ ہم اسے جلا کر خاکستر کرنے والے ہیں، پھر ہم اسے ذرہ ذرہ کر کے دریا میں ڈالیں گے۔

توحید خالص، عظمت قرآن، ہولناکی ہنگامہ یوم النشور

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا {۹۸} كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا {۹۹} ۖ مَّنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا {۱۰۰} خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا {۱۰۱} يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا {۱۰۲} يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا {۱۰۳} نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا {۱۰۴} طٰهٰ

جواب ترجمہ: تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جس شخص نے اس سے اعراض کیا سو بلاشبہ وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ لادے گا۔ ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان لوگوں کے لیے برا ہو گا۔ جس روز صور پھونکا جائے گا، اور اس دن ہم مجرمین کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس دن رہے ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس چیز کے بارے میں وہ بات کریں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا یوں کہے گا کہ تم تو بس ایک ہی دن ٹھہرے ہو۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے توحیدِ خالص کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا، پھر قرآنِ کریم کی عظمت اور اس سے اعراض کے انجام کو واضح کیا اور آخر میں قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا ہے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارا حقیقی معبود صرف اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہی ذات ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں، اس میں توحیدِ الوہیت اور صفتِ علمِ الٰہی دونوں کو نہایت بلیغ انداز میں جمع کر دیا گیا ہے، تاکہ انسان ہر طرح کے شرک اور غفلت سے بچ جائے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ: یہاں نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ جس طرح ہم نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات سنائے، اسی طرح ہم آپ پر پہلی امتوں اور انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے دل کو تقویت ملے اور آپ کو صبر و استقامت حاصل ہو، مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے آپ کو قرآنِ عظیم عطا فرمایا، جو سراسر نصیحت اور یاددہانی ہے، مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو دل میں بیداری رکھتا ہو۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا: یہاں قرآن کریم سے اعراض کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا کہ جو شخص اس قرآن سے منہ موڑ لے، نہ اس پر ایمان لائے اور نہ اس کے احکام پر عمل کرے، وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ یعنی اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے آئے گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا: یہ بوجھ نہایت سنگین اور باعثِ ہلاکت ہوگا اور وہ ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا، حقیقت میں یہ بہت برا بوجھ ہے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا: یہاں قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر ہے، جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو تمام مردے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور کافروں کو اس حال میں جمع کیا جائے گا کہ ان کی آنکھیں اور چہرے خوف اور دہشت کی وجہ سے نیلگوں ہو چکے ہوں گے۔

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا: اس وقت وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم دنیا یا برزخ میں بہت تھوڑا عرصہ ٹھہرے تھے، شاید صرف دس راتیں!

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا: لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں ان کی ہر بات کا پورا علم ہے، ان میں سے جو نسبتاً زیادہ سمجھدار ہوگا، وہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ہی ٹھہرے تھے، یعنی آخرت کی ہولناکی کے سامنے دنیا اور برزخ کی پوری مدت انہیں نہایت مختصر محسوس ہوگی۔

قیامت کا ہولناک منظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا {۱۰۵} فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا {۱۰۶} لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا {۱۰۷} يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا {۱۰۸} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور وہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، سو آپ فرمادیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑادیگا۔ پھر زمین کو ایک ہموار میدان بنادے گا۔ اے مخاطب تو اس میں کوئی ناہمواری اور کوئی بلندی نہیں دیکھے گا۔ جس روز بلانے والے کا اتباع کرینگے اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہوگا اور رحمن کے لیے آوازیں پست ہوجائینگی سوائے مخاطب تو پاؤں کی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا: لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن یہ پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں؟ ان کا سوال نقل کرکے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ہٹ جائیں گے، چلتے پھرتے نظر آئیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ زمین صاف چٹیل ہموار میدان کی صورت میں ہوجائے گی، نسف کے معنی ہیں کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا، غلہ کو چھاج میں رکھ کے پھٹکنا کسی چیز کو خس و خاشاک اور خاک اور راکھ بناکر ہوا میں اڑادینا۔

شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو ثقیف کا ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روز قیامت ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا کیا یہ اسی طرح کھڑے رہیں گے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بغوی)

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا: قاع کے معنی ہموار صاف میدان ہے۔ صَفْصَفًا اسی کی تاکید ہے اور صَفصَف کے معنی بغیر روئیدگی کی زمین کے بھی ہیں لیکن پہلے معنی زیادہ اچھے ہیں اور دوسرے مرادی اور لازمی ہیں۔

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا: نہ اس میں کوئی وادی رہے گی نہ ٹیلہ نہ اونچان رہے گی نہ نچائی، عوج کجی موڑ۔ اَمت ابھار، یعنی پہاڑوں کے تین احوال ہوں گے دیکھنے میں وہ ہموار چٹیل میدان محسوس ہوں گے اور نشیب فراز جانچنے کے آلہ سے دیکھو تو نہ ان میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ ابھار۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ: ان دہشت ناک امور کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز پر ساری مخلوق لگ جائے گی، دوڑتی ہوئی حسب فرمان ایک طرف چلی جارہی ہوگی نہ ادھر ادھر ہوگی نہ ٹیڑھی بانکی چلے گی کاش کہ یہی روش دنیا میں رکھتے اور اللہ کے احکام کی بجاآوری

میں مشغول رہتے، لیکن آج کی یہ روش بالکل بے سود ہے، اس دن تو خوب دیکھتے سنتے بن جائیں گے اور آواز کے ساتھ فرماں برداری کریں گے، اندھیری جگہ حشر ہو گا آسمان لپیٹ لیا جائے گا ستارے جھڑ پڑیں گے سورج چاند مٹ جائے گا آواز دینے والے کی آواز پر سب چل کھڑے ہوں گے۔

داعی سے یہاں مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں، جو میدان حشر کی طرف سب کو بلائیں گے اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے پکار کر کہہ رہے ہوں گے

أَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ، وَالأَوصَالُ الْمُقتَطَعَةُ وَالشُّعُورُ الْمُتَمَزِّقَةُ! إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُنَّ أَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصلِ الْقَضَاءِ

اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو! اے ٹوٹے بالو! تم کو اللہ فیصلے کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے ،سب آجاؤ۔ پکارے جانے پر بلانے والے سے دائیں بائیں طرف کو نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا: اس ایک میدان میں ساری مخلوق جمع ہو گی مگر اس غضب کا سناٹا ہو گا کہ آداب الٰہی کی وجہ سے ایک آواز نہ اٹھے گی، بالکل سکون وسکوت ہو گا صرف پیروں کی چاپ ہو گی اور کانا پھوسی، چل کر جا رہے ہوں گے، تو پیروں کی چاپ تو لا محالہ ہونی ہی ہے اور باجازت الٰہی کبھی کبھی کسی کسی حال میں بولیں گے بھی، لیکن چلنا بھی باادب اور بولنا بھی باادب۔ جیسے ارشاد ہے، يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (هود :۱۰۵) یعنی جس دن وہ میرے سامنے حاضر ہوں گے کسی کی مجال نہ ہو گی کہ بغیر میری اجازت کے زبان کھول لے، بعض نیک ہوں گے اور بعض بد ہوں گے۔

هَمْسٌ خفیف آواز جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی۔ بغوی رحمہ اللہ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ہمس کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کئے لب ہلانا کہ کوئی بات ادا نہ ہو۔ (مظہری)

قیامت کے دن کون کون سفارش کرے گا؟

سوال قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں لوگوں کے لیے سفارش کی کامیابی کے اسباب وذرائع کیا ہوں گے؟ قرآنی آیت کی روشنی میں وضاحت فرمایئے، ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا {۱۰۹}طه

جواب ترجمہ: اس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اس شخص (کی سفارش) کے جسے خدائے رحمن نے اجازت دے دی ہو، اور جس کے بولنے پر وہ راضی ہو۔

قیامت کے دن مخلوق کو کسی کی سفارش اس وقت تک کام نہیں دے گی جب تک سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں دی جائے گی، پھر جس کے لیے سفارش کی جارہی ہے وہ بھی اس پر راضی ہو گا تب سفارش کام آئے گی، یہ حق صرف اللہ تعالیٰ مومن مخلص ہی کو دیں گے۔

قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہو گی کہ دوسرے کے لئے شفاعت کرے ہاں جسے اللہ اجازت دے، نہ آسمان کے فرشتے بے اجازت کسی کی سفارش کر سکیں نہ اور کوئی بزرگ بندہ، سب کو خود خوف لگا ہو گا بے اجازت کسی کی سفارش نہ ہو گی، فرشتے اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے، بے اجازت الٰہی کوئی لب نہ کھول سکے گا۔ خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ ﷺ بھی عرش تلے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اللہ کی خوب حمد وثنا کریں گے، دیر تک سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا یا محمد! ﷺ اپنا سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات سنی جائے گی، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر حد مقرر ہو گی آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے پھر لوٹیں گے پھر یہی ہو گا چار مرتبہ یہی ہو گا۔ اور حدیث میں ہے کہ حکم ہو گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں مثقال برابر ایمان ہو۔ پس بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں بقدر ایک ذرے کے ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں اس سے بھی کم ایمان ہو اسے بھی جہنم سے آزاد کرو۔

قیامت کے دن سفارش کی جائے گی مگر ہر کوئی سفارش نہیں کر سکے گے اور نہ ہی ہر کسی کی سفارش کی جائے گی، خاص خاص لوگوں کو سفارش کی اجازت دی جائے گی، سب سے بڑی اور سب سے پہلے سفارش کا حق نبی کریم ﷺ کو دیا جائے گا، آپ ﷺ کی سفارش کو شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے، مسلم شریف کی روایت کے مطابق آپ ﷺ پہلے وہ شخص ہوں گے جن کو سفارش کا حق دیا جائے گا اور سب سے پہلے ہی وہ شخص ہوں گے جن کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں وہی لوگ سفارش کر سکیں گے جن کو اللہ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت دی جائے گی، بغیر اللہ کی اجازت کے کوئی بھی سفارش نہیں کر سکے گا، سفارش کرنے کی اجازت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، حضرات علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم، حضرات شہدا عظام رحمۃ اللہ علیہم، حضرات اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم، حفاظ قرآن، صلحاء امت اور فرشتوں کو دی جائے گی، روایات کے مطابق روزہ بھی اللہ کی بارگاہ میں روزہ دار کی سفارش کرے گا، قرآن کریم کو اجازت دی جائے گی وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گا۔ (مستدرک حاکم)

ترمذی، نسائی، مسند احمد، ابوداؤد میں روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ایک تیس آیات والی سورت ہے وہ آدمی کی سفارش کرے گی، یہاں تک کہ اس کی بخشش کر دی جائے گی، اس سے مراد سورۃ الملک ہے۔ (شرح مشکوٰۃ للطیبی)

مسلم شریف میں موجود ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرشتوں، نبیوں، اور اہل ایمان کو سفارش کا حق دیں گے۔ (مسلم شریف، کتاب الایمان)

مسند احمد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن کریم زبانی یاد کیا، وہ اپنے گھر کے لوگوں میں سے ان دس آدمیوں کی سفارش کرے گا جن پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہو گی۔ (مسند احمد) مستدرک حاکم میں حضرت حسن سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کے ایک آدمی کی سفارش سے ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةٌ: الْأَنْبِیَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (حافظ ابو یعلیٰ) قیامت کے دن تین قسم کے لوگ سفارش کریں گے، حضرات انبیاء کرام، حضرات علماء کرام، پھر شہدا، کچھ روایات اور بھی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کون کون لوگ سفارش کریں گے۔

شرح عقیدہ طحاویہ میں سفارش کی آٹھ اقسام بیان کی گئی ہیں، النَّوْعُ الْأَوَّلُ: الشَّفَاعَةُ الْأُولَى، وَهِيَ الْعُظْمَى، الْخَاصَّةُ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ سَائِرِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، پہلی قسم، وہ پہلی سفارش ہے، جس کو شفاعت عظمیٰ کہا جاتا ہے، یہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اپنے انبیاء اور مرسلین بھائیوں میں خاص ہو گی۔

النَّوْعُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ مِنَ الشَّفَاعَةِ: شَفَاعَتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقْوَامٍ قَدْ تَسَاوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّئَاتُهُمْ، فَيَشْفَعُ فِيهِمْ لِيَدْخُلُوا الْجَنَّةَ، وَفِي أَقْوَامٍ آخَرِينَ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ أَنْ لَا يَدْخُلُوهَا، دوسری اور تیسری قسم، وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی ان لوگوں کے بارے میں سفارش ہو گی جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی، نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں سفارش کریں گے تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں، ان کے علاوہ دوسرے کچھ لوگوں کے بارے میں ہو گی جن کے لیے دوزخ جانے کا حکم ہو چکا ہو گا، آپ ﷺ سفارش کریں گے کہ یہ لوگ دوزخ میں داخل نہ ہوں۔

النَّوْعُ الرَّابِعُ: شَفَاعَتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَفْعِ دَرَجَاتِ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِيهَا فَوْقَ مَا كَانَ يَقْتَضِيهِ ثَوَابُ أَعْمَالِهِمْ، چوتھی قسم، آپ ﷺ کی سفارش ان لوگوں کے درجات کی بلندی کے لیے ہو گی جو جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کے اعمال جس ثواب کا تقاضا کرتے ہیں اس کے پیش نظر انہیں جنت کے اس درجہ سے اوپر والا درجہ دیا جائے۔

النَّوْعُ الْخَامِسُ: الشَّفَاعَةُ فِي أَقْوَامٍ أَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، پانچویں قسم، کچھ لوگوں کے حق میں سفارش کی جائے گی کہ وہ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل کر دیے جائیں۔

النَّوْعُ السَّادِسُ: الشَّفَاعَةُ فِي تَخْفِيفِ الْعَذَابِ عَمَّنْ يَسْتَحِقُّهُ، كَشَفَاعَتِهِ فِي عَمِّهِ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُ عَذَابُهُ، چھٹی قسم، مستحق عذاب آدمی کے عذاب میں تخفیف کرانے کے لیے سفارش ہو گی، جیسے حضرت نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کے حق میں کہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے۔

النَّوْعُ السَّابِعُ: شَفَاعَتُهُ أَنْ يُؤْذَنَ لِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، ساتویں قسم، آپ ﷺ کی سفارش کہ تمام ایمان والوں کو جنت میں داخلے کی اجازت دی جائے۔

النَّوْعُ الثَّامِنُ: شَفَاعَتُهُ فِي أَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِهِ، مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ، فَيَخْرُجُونَ مِنْهَا، آٹھویں قسم، آپ ﷺ کی امت کے وہ لوگ جو کبائر (بڑے گناہ) کا ارتکاب کر کے دوزخ میں جا چکے ان کے حق میں آپ ﷺ کی سفارش ہو گی تو وہ لوگ یہاں سے نکلیں گے۔ (شرح عقیدہ طحاویہ)

مختلف روایات کے پیش نظر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، حضرات مرسلین علیہم السلام، حضرات ملائکہ علیہم السلام، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، حضرات صالحین رحمۃ اللہ علیہم، حضرات شہدا رحمۃ اللہ علیہم، حضرات صدیقین رحمۃ اللہ علیہم، حضرات اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اپنے اپنے مراتب و مقام کے لحاظ سے اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے۔

علم الٰہی کی وسعت اور انسان کی محدودیت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا {۱۱۰} طٰهٰ

جواب ترجمہ: وہ جانتا ہے جو ان کے پہلے اور پچھلے احوال تھے، اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ کامل اور بندوں کے علم کی محدودیت کو نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، تاکہ انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور اپنے رب کی عظمت کے

سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: اس جملہ میں ایک نہایت لطیف اور جامع اسلوب اختیار کیا گیا ہے، **مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** سے مراد وہ امور ہیں جو انسان کے سامنے ہیں، یعنی حال اور مستقبل کے تمام حالات وواقعات؛ اور **مَا خَلْفَهُمْ** سے مراد وہ سب کچھ ہے جو انسان کے پیچھے گزر چکا، یعنی ماضی کے تمام اعمال واحوال۔

گویا اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ماضی کے تمام اعمال، حال کے تمام حالات اور مستقبل کے تمام امکانات کو پوری طرح جانتا ہے، یہ قرآن کا ایک بلیغ استعارہ ہے، جس میں مستقبل کو "سامنے" اور ماضی کو "پیچھے" سے تعبیر کیا گیا، تاکہ انسانی شعور کے مطابق حقیقت کو قریب تر کیا جاسکے، چنانچہ بندے کے ہر عمل، اس کے اسباب، اس کے نتائج اور اس پر مترتب ہونے والے ثواب وعقاب سب اللہ کے علم میں ہیں، وہی جانتا ہے کہ کون کس نیت سے عمل کر رہا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا، اسی لیے وہ غفور، رحیم، سمیع اور بصیر ہے، بخشنے والا بھی، سننے والا بھی اور دیکھنے والا بھی۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا: اس کے مقابلے میں انسان کی حقیقت بیان کی گئی کہ وہ اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس جملہ کے دو پہلو مفسرین نے بیان کیے ہیں ①: یہ ضمیر ان امور کی طرف راجع ہو جو **مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** میں مذکور ہیں، یعنی انسان نہ اپنے مستقبل کو جانتا ہے، نہ حال کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی ماضی کے تمام حقائق تک اس کی رسائی ہے، اس کا علم محدود، ناقص اور جزوی ہے۔

② یا یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف راجع ہو یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے علم کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا، وہ صرف اتنا ہی جان سکتا ہے جتنا اللہ خود بتادے، پہلا مفہوم زیادہ قریب ہے، لیکن دونوں معانی اپنی جگہ درست ہیں اور مل کر ایک عظیم حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ علم کامل اور محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے، جبکہ انسان کا علم محدود، محتاج اور ناقص ہے۔

حاصلِ کلام: اس آیت میں تین بنیادی حقیقتیں واضح ہوتی ہیں ①: اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ماضی، حال اور مستقبل سب اس کے سامنے ہیں۔ ② انسان اپنے علم میں محدود ہے، وہ کسی چیز کا کامل احاطہ نہیں کر سکتا۔ ③ اسی لیے بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب پر اعتماد کرے، اس کی اطاعت اختیار کرے اور اپنی عاجزی کو پہچانے۔ یہ آیت انسان کے غرورِ علم کو توڑ کر اسے معرفتِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہے اور یہی اس کا اصل پیغام ہے۔

بارگاہ خداوندی میں چہرے جھکے ہوں گے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْماً {۱۱۱} طه

جواب ترجمہ: اور سارے کے سارے چہرے حی وقیوم کے آگے جھکے ہوں گے، اور جو کوئی ظلم کا بوجھ لاد کر لایا ہو گا نامراد ہو گا۔

مطلب یہ کہ ذلیل ہوں گے عاجز ہوں گے، جیسے قیدی بادشاہ کے سامنے ذلیل وعاجز ہوتے ہیں، طلق بن حبیب کا قول ہے کہ اس دن سارے حی وقیوم کے سامنے جھکے ہوں گے۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھاٹے میں رہے گا، جس نے اللہ کا کسی کو شریک قرار دیا۔ (تفسیر بغوی)

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن چہرے پست اور ذلیل ہو جائیں گے آج دنیا میں بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ موجود ہیں مگر قیامت کے دن جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ان کے چہرے ذلت کے مارے جھکے ہوئے ہونگے ظاہر ہے کہ خوشی، غمی، یا فخر ونخوت کے آثار چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے چہرے اس دنیا میں سرکشی اور تکبر کی وجہ سے کھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، وہ چہرے قیامت کے دن کمزور، ذلیل اور پست ہو جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ النَّاسِ يَعْلُوهُمْ

كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الصَّغَارِ، حَتَّى يَدْخُلُوا سِجْنًا فِي جَهَنَّمَ (مسند احمد)

جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں انہیں قیامت والے دن چیونٹیوں کی سی حالت میں اٹھایا جائے گا اور ان کے چہروں پر ذلت ورسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ تکبر روحانی بیماریوں میں سے بدترین قسم کی بیماری ہے جو کہ اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس مال زیادہ آگیا یا علم کی فراوانی ہوگئی ہے تو ذرا ذرا سی بات پر اکڑ دکھاتا ہے اور سیدھے طریقے سے بات کرنے کی بجائے منہ پھلا پھلا کر بات کرتا ہے۔ اس غرور و تکبر کا نتیجہ قیامت والے دن ظاہر ہوگا۔ (تفسیر معالم العرفان)

اس آیت میں عَنَت کا لفظ ہے، عَنیٰ کا معنی ہے عاجزی کرنا اور ذلیل ہونا، اَلعَانِي کا معنیٰ ہے اَلاَسِیر، یعنی قیدی، الماوردی نے کہا ذلت اور خشوع میں فرق ہے۔ ذلیل اس کو کہتے ہیں جو فی نفسہ ذلیل ہو اور جو اطاعت کی وجہ سے ذلیل ہو اس کو خشوع کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عَنَتِ الْوُجُوهُ فرمایا ہے اس کا لفظی معنی ہے اس کے لئے سب چہرے ذلیل ہیں، چہروں سے مراد، چہروں والے ہیں، اس سے مراد انسان ہیں اور چہروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ انسان کے احوال اور اعمال کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا ہے، جو شخص کسی کے سامنے عاجزی کرے اور ذلت اختیار کرے اس کا پتا اس کے چہرے سے چل جاتا ہے اور جو کسی کے سامنے رعونت اور تکبر کرے اس کا اظہار بھی اس کے چہرے سے ہو جاتا ہے اس لئے اس آیت میں انسانوں کو چہروں سے تعبیر فرمایا ہے، اس آیت کا معنی ہے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے چہروں اور پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں۔ (تبیان)

ایمان کے ساتھ عمل صالح اور کامل اجر کی ضمانت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا {۱۱۲} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سو اسے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عملِ صالح کے باہمی تعلق اور اس کے نتیجے میں ملنے والے کامل وعادلانہ اجر کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ: جو شخص نیک اعمال اختیار کرے، بشرطیکہ وہ ایمان کی دولت سے بھی بہرہ مند ہو، یہاں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ عملِ صالح اسی وقت بارگاہِ الٰہی میں معتبر اور قابلِ قبول ہوتا ہے جب اس کے ساتھ ایمان موجود ہو، عملِ صالح کا مفہوم صرف چند عبادات تک محدود نہیں، بلکہ اس میں زندگی کا ہر وہ پہلو شامل ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ہو، بندہ اپنے رب کے ساتھ تعلق میں خالص اسی کا مطیع ہو، اس کی عبادات اخلاص کے ساتھ بجالائے، اور مخلوقِ خدا کے ساتھ بھلائی اور نفع رسانی کا معاملہ کرے، چنانچہ مومن کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے، اس کا کھانا، پینا، پہننا اور دیگر معاملات بھی اگر اللہ کی اطاعت کے جذبہ سے ہوں تو وہ سب عملِ صالح میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

وَهُوَ مُؤْمِنٌ: یعنی یہ تمام اعمال اسی وقت وزن رکھتے ہیں جب ان کی بنیاد ایمان ہو، کیونکہ اجر دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے اور جو اس پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو وہ اس کے ہاں جزا کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسے اعمال بظاہر فائدہ مند ہوں، مگر اخلاصِ ایمانی کے بغیر وہ حقیقی اجر سے محروم رہتے ہیں۔

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا: یہ جملہ شرط کا جواب ہے، جس میں اہلِ ایمان کے لیے کامل اطمینان کا اعلان ہے کہ نہ ان کے اعمال میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے اجر کو گھٹا کر انہیں محروم کیا جائے گا۔

ظلم اور ہضم میں فرق: مفسرین نے "ظلم" اور "ہضم" کے درمیان باریک فرق بیان کیا ہے، "ظلم" سے مراد یہ ہے کہ کسی کے نیک اعمال یا ان کے ثواب میں کمی کر دی جائے، یا اس کے مقابلے میں اس کی برائیوں کو بڑھا دیا جائے۔ "ہضم" کا معنی ہے کسی حق کو دبا دینا یا اس کا پورا بدلہ نہ دینا، جیسے کوئی چیز اپنی حقیقت سے کم کر دی جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ ضمانت دے رہا ہے کہ مومن کے ساتھ نہ تو کسی قسم کی زیادتی ہو گی اور نہ اس کے اجر میں کوئی کمی آنے دی جائے گی، بلکہ اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

حاصلِ تفسیر: اس آیت سے چند اہم اصول سامنے آتے ہیں: عملِ صالح کی قبولیت کے لیے ایمان شرطِ اوّل ہے۔ مومن کی پوری زندگی اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو وہ عبادت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ کامل عدل فرماتا ہے، نہ کمی، نہ زیادتی۔ قیامت کے دن مومن کو اپنے اجر کے بارے میں کسی ظلم یا محرومی کا خوف نہیں ہوگا۔ یہ آیت اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت ہے کہ جو شخص ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ زندگی گزارے گا، اس کا کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا، بلکہ وہ اللہ کے ہاں محفوظ اور مکمل اجر کے ساتھ لوٹایا جائے گا۔

قرآن عربی، معجزہ، ہدایت اور انذار

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا {۱۱۳} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لیے کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔

تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حقیقت، اس کے اعجاز، اس کی زبان اور اس کے مقصدِ نزول کو نہایت جامع اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، تاکہ انسان اس کتابِ ہدایت کی قدر پہچانے اور اس سے صحیح فائدہ اٹھائے۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا: یعنی جس طرح ہم نے یہ عظیم الشان کلام آپ کے قلبِ مبارک پر نازل فرمایا، اسی طرح یہ ایک واضح اور فصیح عربی قرآن ہے۔ یہاں لفظ أَنْزَلْنَاهُ قابلِ توجہ ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں اکثر نَزَّلْنَا یا يُنَزِّلُ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مفسرین نے اس فرق کی حکمت یوں بیان کی ہے کہ أَنْزَلْنَاهُ کا استعمال قرآن کو ایک کامل معجزہ اور مجموعی حقیقت کے طور پر ظاہر کرتا ہے، خواہ وہ یکبارگی نازل ہو یا تدریجاً۔ جبکہ نَزَّلْنَا تدریجی نزول اور آیت بہ آیت احکام کے بیان

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں قرآن کو بطور معجزہ، ہدایت اور جامع کتاب پیش کیا گیا ہے، جو سراسر بشارت اور انذار کا مجموعہ ہے۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا: کی دو اہم خصوصیات، ① قرآن ہونا: یعنی یہ ایسا کلام ہے جو پڑھا جاتا ہے، سنا جاتا ہے اور جس کی تلاوت خود عبادت ہے۔ یہ کتاب محض ایک تحریر نہیں، بلکہ: سینوں میں محفوظ رہنے والی، نسل در نسل متواتر منتقل ہونے والی، اور اپنی اصل قراءت کے ساتھ باقی رہنے والی ایک زندہ معجزہ ہے۔ ② عربی ہونا: یعنی اس کا اصل قالب عربی زبان میں ہے، جو اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے۔ اسی لیے مفسرین نے واضح کیا ہے کہ قرآن کا حقیقی مقام اسی کی اصل عربی صورت میں ہے، تراجم قرآن نہیں بلکہ اس کے معانی کی توضیح ہوتے ہیں۔

وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں مختلف انداز سے انذار (وعید) کو بیان کیا ہے۔ یہ تنبیہ مختلف صورتوں میں آئی ہے: پچھلی قوموں کے واقعات کے ذریعے، قیامت کے ہولناک مناظر کے بیان سے، گناہوں کے انجام اور عذاب کے ذکر سے اور اللہ کی قدرت و وحدانیت کی نشانیوں کے ذریعے اس تنوع کا مقصد یہ ہے کہ ہر مزاج اور ہر ذہن رکھنے والا انسان کسی نہ کسی پہلو سے نصیحت حاصل کر لے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا: یعنی ہم نے یہ مختلف انداز اس لیے اختیار کیے تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں، اللہ کے عذاب سے بچنے کی فکر کریں، اور ان کے دلوں میں نصیحت اور بیداری پیدا ہو، یہاں **لَعَلَّ** اُمید کے معنیٰ میں نہیں بلکہ بندوں کی طرف رغبت دلانے کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن ایسا ہے کہ اگر دل زندہ ہو تو لازماً اس سے تقویٰ اور نصیحت پیدا ہو گی۔

حاصلِ تفسیر: اس آیت میں قرآنِ کریم کی چار بنیادی خصوصیات بیان ہوئیں ①: یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ عظیم معجزہ ہے۔ ② یہ عربی زبان میں ہے، جو اس کی اصل اور محفوظ شکل ہے۔ ③ اس میں وعید اور نصیحت کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ④ اس کا مقصد انسان میں تقویٰ اور

بیداری پیدا کرنا ہے۔ یہ آیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ قرآن محض پڑھنے کی کتاب نہیں بلکہ زندگی بدلنے والی ہدایت ہے، جو شخص اس سے نصیحت لے، وہ تقویٰ کی راہ پر چل پڑتا ہے اور جو غفلت برتے، اس کے لیے یہی قرآن حجت بن جاتا ہے۔

قرآن اطمینان سے سنا جائے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۚ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ طٰهٰ

جواب ترجمہ: تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے کے لیے جلدی نہ کیا کرو اور دعا کرو کہ میرے رب! مجھے اور زیادہ علم دے۔

تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کبریائی، قرآنِ کریم کے نزول کے آداب اور علم میں اضافہ کی عظیم دعا کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ: یہاں "فاء" اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ جب قرآن جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی، جس میں ہدایت اور انذار کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا، تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند و برتر، کامل حکمت والا اور حقیقی بادشاہ ہے۔ "تعالیٰ" کے معنی ہیں وہ ذات جو ہر اعتبار سے بلندی کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، اپنی ذات میں بے مثال، اپنی صفات میں کامل، اور ہر نقص و عیب سے پاک وہی "الملک الحق" ہے، یعنی حقیقی بادشاہ، جس کی حکومت دائمی اور کامل ہے، جس کا حکم نافذ اور فیصلہ اٹل ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر حکومت عارضی، کمزور اور زوال پذیر ہے، وہی اس کائنات کا خالق، مدبر اور قائم رکھنے والا ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ: اس آیت میں رسولِ اکرم ﷺ کو قرآن کے نزول کے وقت ایک نہایت اہم ادب سکھایا گیا ہے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آتے، تو آپ ﷺ شوقِ وحی میں جلدی جلدی ان کے ساتھ پڑھنے لگتے تاکہ کلامِ الٰہی محفوظ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اس جلدی سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ وحی کے مکمل ہونے سے پہلے جلدی نہ کریں، جب تک وحی پوری طرح نازل نہ ہو جائے، سکون اور توجہ کے ساتھ سنیں، یہی مضمون سورۃ القیامہ میں بھی آیا لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، اس تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ قرآن اپنے اصل انداز (ترتیل) کے ساتھ محفوظ رہے اور امت تک بھی اسی ترتیب اور حسنِ اداء کے ساتھ منتقل ہو، یہ اللہ کی طرف سے اپنے کلام کی حفاظت کا ایک عملی انتظام تھا۔

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا: یہ آیت کا نہایت بلیغ اور روح پرور حصہ ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے رب سے علم میں اضافہ کی دعا کریں، اس میں کئی اہم نکات پوشیدہ ہیں، علم انسان کی سب سے بڑی دولت ہے، کمالِ انسان علم ہی سے حاصل ہوتا ہے اور جتنا علم بڑھتا ہے، اتنی ہی اللہ کی معرفت گہری ہوتی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کسی چیز میں اضافہ مانگنے کا حکم نہیں دیا، سوائے علم کے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم کی طلب ایک دائمی عمل ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ دعا بندے کو دو اہم صفات سکھاتی ہے، تواضع: کہ انسان اپنے علم کو کافی نہ سمجھے، شکر: کہ جو علم ملا ہے وہ اللہ کی عطا ہے۔

حاصلِ تفسیر: اس آیت میں تین عظیم حقائق بیان ہوئے۔ ① اللہ تعالیٰ ہی حقیقی بادشاہ اور کامل حکمت والا ہے۔ ② قرآن کے نزول کا ادب یہ ہے کہ اسے سکون اور توجہ سے سنا جائے۔ ③ علم میں اضافہ کی دعا ہر وقت کرتے رہنا چاہیے۔ یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ اللہ کی عظمت کو پہچانو، قرآن کے ساتھ ادب اور وقار کا معاملہ کرو اور ہمیشہ علم میں ترقی کے لیے کوشاں رہو، یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو معرفتِ الٰہی اور کامیابیِ آخرت تک پہنچاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ، اطاعت، لغزش اور ہدایت الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا {۱۱۵} وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى {۱۱۶} فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى {۱۱۷} اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى {۱۱۸} وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى {۱۱۹} فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى {۱۲۰} فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى {۱۲۱} ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى {۱۲۲} قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى {۱۲۳} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اس سے پہلے ہم نے آدم کو حکم دیا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے لیے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے انکار کر دیا۔ سو ہم نے کہا اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے سو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ بلاشبہ تمہارے لیے یہاں یہ بات ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے۔ اور نہ یہاں تم پیاسے ہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔ شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا وہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی والا درخت اور ایسی بادشاہی نہ بتادوں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا سو ان کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر درخت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا سو

ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض، بعض کے دشمن ہوں گے سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ شقی ہو گا۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہایت حکمت آموز انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس میں انسانی فطرت، شیطانی وسوسہ، لغزش، توبہ اور ہدایتِ الٰہی کے بنیادی اصول واضح ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک واضح حکم دیا تھا کہ وہ ایک خاص درخت کے قریب نہ جائیں اور اس کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا تھا، لیکن بشری کمزوری کے باعث وہ اس ہدایت کو بھول گئے اور اس پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ: انسان کی فطرت میں نسیان (بھول) موجود ہے، اور مضبوط عزم کے بغیر انسان آزمائش میں کمزور پڑ سکتا ہے۔

عہدِ الٰہی سے مراد: وہ الٰہی وصیت اور حکم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا کہ وہ مخصوص درخت کے قریب نہ جائیں، یہ محض ایک معمولی ہدایت نہ تھی بلکہ آزمائشِ بندگی کا ایک مرحلہ تھا، جس کے ذریعے انسان کی اطاعت و تسلیم کا امتحان مقصود تھا۔

نسیان کی حقیقت: یہاں **فَنَسِيَ** کے لفظ نے مفسرین کے درمیان علمی گفتگو کو جنم دیا ہے، اس کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں ① ترک کے معنی میں نسیان، جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں نسیان سے مراد "بھول جانا" نہیں بلکہ "ترکِ عمل" ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے حکم کو عمداً رد نہیں کیا بلکہ اس پر مضبوطی سے قائم نہ رہ سکے۔ ② غفلتِ بشری، بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ حقیقی نسیان تھا، مگر اس کا سبب بشری کمزوری اور عدمِ احتیاط تھا، نہ کہ گناہ یا سرکشی۔ ③ علم کے باوجود ترک، ایک قول یہ بھی ہے کہ علم موجود تھا، مگر شیطان کے وسوسے کے مقابلے میں عزم کی وہ پختگی نہ رہی جو مطلوب تھی، ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ یہ نسیان معصیتِ مقصودہ (جان بوجھ کر گناہ) نہیں تھا، بلکہ بشری کمزوری کا مظہر تھا۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام اور اس آیت کی تطبیق: اہلِ سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت جو بات آئی ہے، وہ اس اصول کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ خطا عناد اور بغاوت پر مبنی نہ تھی، اس میں اصرار نہ تھا، فوراً توبہ اور رجوع واقع ہوا، یہ ایک اجتہادی یا بشری لغزش تھی، گویا یہاں "عتاب" ہے مگر ساتھ ہی "اعذار" بھی بیان ہوا، جیسا کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں برگزیدہ فرما کر توبہ قبول کرلی۔

عزم کی تشریح: آیت میں ارشاد ہے وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا اس جملے میں حضرت آدم علیہ السلام کی کسی گناہ پر گرفت نہیں بلکہ ایک خاص پہلو کی نشاندہی ہے، عزم سے مراد، پختہ ارادہ، ثبات اور ضبط، یعنی اس موقع پر وہ استقامت نہ رہی جو اس آزمائش کے لیے درکار تھی، مفسرین نے اس کی متعدد تعبیریں کی ہیں، صبر میں کمی، وصیت کو مضبوطی سے محفوظ نہ رکھنا، مخالفت پر اصرار کا نہ ہونا (یعنی یہ سب سے اہم نکتہ ہے) لہٰذا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کا پختہ ارادہ نہیں کیا بلکہ لمحاتی کمزوری کا شکار ہوئے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کریں، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، جس نے تکبر کی بنا پر انکار کر دیا، یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ تکبر انسان کو حکمِ الٰہی کی نافرمانی تک لے جاتا ہے، اور یہی ابلیس کی گمراہی کی اصل بنیاد بنا۔

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خبردار فرمایا کہ ابلیس تمہارا اور تمہاری زوجہ کا کھلا دشمن ہے، اس کی باتوں میں آکر جنت کی نعمتوں سے محروم نہ ہو جانا۔ یہاں یہ سبق دیا گیا کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس کی اطاعت انسان کو راحت سے مشقت کی طرف لے جاتی ہے۔

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ: جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: نہ بھوک ہوگی، نہ ننگا ہونا پڑے گا، نہ پیاس لگے گی، نہ دھوپ کی تکلیف ہوگی، گویا جنت سراسر راحت، سکون اور کامل آسائش کا مقام ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ: شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈالا اور کہا، کیا میں تمہیں ایسا درخت نہ بتاؤں جو ہمیشہ کی زندگی اور دائمی سلطنت دے؟ یہ شیطان کا طریقہ ہے کہ وہ انسان کو خواہشات اور لالچ کے ذریعے بہکاتا ہے، اور گناہ کو دلکش بنا کر پیش کرتا ہے۔

فَأَكَلَا مِنْهَا: آخرکار حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھالیا، جس کے نتیجے میں ان کے ستر ظاہر ہوگئے اور وہ جنت کے پتوں سے خود کو چھپانے لگے، یہ ان کی لغزش تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے خطا ہو سکتی ہے، مگر یہ دائمی گمراہی نہیں بلکہ آزمائش کا حصہ ہے۔

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھر منتخب فرمایا، ان کی توبہ قبول کی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی، یہاں ایک عظیم اصول بیان ہوا، خطا کے بعد توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف فرما کر انہیں دوبارہ راستہ دکھاتا ہے

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم علیہ السلام، حوا اور ابلیس سب زمین پر اتر جائیں اور فرمایا، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، لیکن میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی، پھر ایک ابدی اصول بیان فرمایا، جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ بدبخت، بلکہ وہ کامیاب ہو گا اور آخرت میں نجات پائے گا۔

حاصلِ تفسیر: ان آیات میں انسانی زندگی کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، انسان بھول اور کمزوری کا شکار ہو سکتا ہے، شیطان ہمیشہ انسان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، گناہ کے بعد توبہ ہی نجات کا راستہ ہے، اللہ کی ہدایت کی پیروی ہی کامیابی کی ضمانت ہے، یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ انسان اگر لغزش کے بعد رجوع الی اللہ کرے تو اللہ اسے نہ صرف معاف فرماتا ہے بلکہ دوبارہ اپنی رحمت اور ہدایت سے نواز دیتا ہے۔

یادِ الٰہی سے منہ پھیرنے والے کا عبرتناک انجام

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى {۱۲۴} قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا {۱۲۵} قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى {۱۲۶} وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى {۱۲۷} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا بھالتا تھا؟۔ اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی چاہیے تھا تیرے پاس میری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تم کو بھلا دیں گے۔ اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہماری یاد سے منہ پھیرے گا، جو ہم اسے یاد دلاتے رہتے ہیں وہ اپنی پہلی زندگی میں سخت پریشانی کا شکار ہو گا، اس کی معیشت تنگ ہو گی، اگرچہ وہ بظاہر اہل فضل و خوشحال دکھائی دے، اس کی قبر اس پر تنگ کی جائے گی، اس میں اسے عذاب دیا جائے گا، قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والا کہے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دنیا میں دیکھتا تھا، اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے میں نے تجھے اس لیے اندھا کر کے اٹھایا ہے کہ تیرے پاس میری واضح آیات آئی تھیں مگر تو نے ان سے منہ موڑا تھا، تو ان پر ایمان نہیں لایا تھا، جس طرح تو نے ہماری واضح آیات کو دنیا میں چھوڑ دیا تھا اسی طرح آج کے دن تجھے دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا، اسی طرح ہم آج اس شخص کا پیچھا کریں گے جس نے اپنی جان پر زیادتی کی، نافرمانی کی، دنیا میں ایمان نہیں لایا تھا، اس لیے آخرت میں سخت، دردناک عذاب اس کے لیے تیار کیا گیا ہے، جو ہمیشہ رہے گا، نہ یہ ختم ہو گا اور نہ یہ منزل اس کی کٹے گی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہاں ذکر سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی جیسا کہ دوسری آیات میں ذکراً رسولاً آیا ہے دونوں کا حاصل یہ ہے

کہ جو شخص قرآن سے یا رسول سے اعراض کرے یعنی قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل سے یا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرے اس کا انجام یہ ہے کہ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى یعنی اس کی معیشت تنگ ہو گی اور قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ پہلا عذاب دنیا ہی میں اس کو مل جائے گا اور دوسرا یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہو گا۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں، مؤمنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں۔ صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں روایت سعد وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اس کے بالمقابل عموماً کفار و فجار کو خوشحال اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ان کی معیشت تنگ ہو گی آخرت کے لئے تو ہو سکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کا صاف بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے کہ قبر میں ان کی معیشت تنگ کر دی جاوے گی۔ خود قبر جو ان کا مسکن ہو گا وہ ان کو ایسا دبائے گا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسند بزار میں بسند جید حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس آیت کے لفظ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے تنگی معیشت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کر لیا جاوے گا اور حرص دنیا بڑھا دی جاوے گی (مظہری)

جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے کبھی قلبی سکون اس کو نصیب نہیں ہو گا ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا۔ اور یہ بات عام اہل تمول میں مشاہد و معروف ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس سامان راحت تو

بہت جمع ہو جاتا ہے مگر جس کا نام راحت ہے وہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ قلب کے سکون و اطمینان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن)

عبرتِ تاریخ، غفلتِ انسان

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى {۱۲۸} طٰهٰ

جواب ترجمہ: کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان منکرینِ حق کو نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں متنبہ فرمایا ہے، جو اس کی نشانیوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور اپنی غفلت و جہالت میں مبتلا رہے۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِي مَسَاكِنِهِمْ: یہاں استفہام کا اسلوب دراصل انکار اور توبیخ کے لیے ہے، یعنی کیا ان لوگوں کو یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا، حالانکہ وہ خود ان کے علاقوں اور بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں؟

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ان مشرکین کی غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے آثارِ ہلاکت کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے؟ وہ ان بستیوں سے گزرتے ہیں جہاں کبھی طاقتور قومیں آباد تھیں، جو امن و اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہی تھیں، مگر جب انہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو، ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو اور بصیرت کے مقابلے میں اندھے پن کو اختیار کیا تو اللہ کے عذاب نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔

يَمْشُوْنَ فِي مَسَاكِنِهِمْ: اس جملے میں نہایت گہرا نکتہ پوشیدہ ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ یا تو وہ قومیں اپنی بستیوں میں امن اور بے فکری کے ساتھ چل پھر رہی تھیں اور اچانک عذاب نے انہیں آلیا، یا یہ کہ موجودہ منکرین خود ان تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات میں چلتے پھرتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے ان کے انجام کو دیکھتے ہیں، مگر پھر بھی سبق نہیں لیتے، خصوصاً اہلِ مکہ جب اپنے تجارتی اسفار میں قومِ ثمود، عاد اور قومِ لوط کے آثار سے گزرتے تھے، تو انہیں یہ مناظر صاف نظر آتے تھے، مگر دل کی آنکھیں بند ہونے کے باعث وہ حقیقت کو نہ پہچان سکے۔ آیت کے آخر میں فرمایا:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ: ان واقعات میں اہلِ عقل و شعور کے لیے بڑی بڑی نشانیاں اور عبرتیں موجود ہیں، یہاں النُّهَىٰ عقل کو کہا گیا ہے، کیونکہ وہ انسان کو برائیوں اور قباحتوں سے روکتی ہے۔

گویا یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ جو شخص صحیح عقل رکھتا ہے، وہ تاریخ کے ان مناظر سے سبق حاصل کرتا ہے اور جو عبرت نہیں لیتا، وہ درحقیقت عقلِ سلیم سے محروم ہے۔ یہ آیت انسان کو جھنجھوڑ کر بیدار کرتی ہے کہ ماضی کی تباہ شدہ قومیں محض قصے نہیں بلکہ زندہ نشانیاں ہیں، اللہ کی گرفت اچانک آتی ہے، جب قومیں اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ جاتی ہیں، اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دوسروں کے انجام سے سبق لے کر خود کو سنوار لے۔ یہ آیت تاریخ کے آئینے میں حال کو دکھا کر انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور ہدایت کا راستہ اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون اِمہال و تدریج

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے نیز بتائیے کہ یہاں كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ سے کیا مراد ہے؟

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى {۱۲۹} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور اگر ایک بات تمہارے رب کی طرف سے پہلے صادر اور جزائے اعمال کے لیے ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب کا نازل ہونا لازم ہو جاتا۔

اس آیت کے ذیل میں صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کا قانون امہال و تدریج

نہ ہوتا تو یہ لوگ فوری طور پر سزا کے مستحق ہو جاتے مگر اللہ کا یہ طے شدہ قانون ہے کہ وہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی، اور طے شدہ بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون امہال و تدریج کے ذریعے نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی لَكَانَ لِزَامًا تو افراد اور قوموں کی ہلاکت لازم ہو جاتی اور دوسری یہ کہ وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى کہ ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

ہر شخص اور قوم کے عروج وزوال کا وقت مقرر ہے۔ مجرموں کی سزا صالحین کی جزا کا وقت مقرر ہے، پیدائش اور موت کا وقت مقرر ہے۔ جس طرح ہر انسان کی انفرادی طور پر عمر مقرر ہے اسی طرح بحیثیت مجموعی قوموں کی عمر بھی مقرر ہوتی ہے۔ تو فرمایا اگر خدا تعالیٰ کا قانون امہال و تدریج اور ہر کام کا مقرر وقت نہ ہوتا تو افراد اور قوموں کی ہلاکت لازم ہو جاتی۔ (معالم العرفان)

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے، ایک بات یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے عرش کے ایک بازو پر لکھوایا ہوا ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ بیشک میری رحمت سبقت کر چکی ہے میرے غصے پر، یعنی میری رحمت میری غصے سے بہت زیادہ ہے، اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو تمہارا بیڑہ غرق ہو چکا ہوتا، ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے ہیں ان میں سے ایک حصہ ساری مخلوق میں تقسیم کیا ہے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں۔ اس حصے کا اثر ہے کہ انسان، حیوان، جنات، پرندے وغیرہ ساری مخلوق کی مائیں اپنے بچوں کو پیار کرتی ہیں اور ہر ایک دوسرے سے پیار کرتا ہے یہ اسی رحمت کا اثر ہے، اس موقع پر بعض نے کہا کہ اتنی بڑی وسیع رحمت ہے تو پھر انشاء اللہ خیر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ کے غیض وغضب کا شکار وہی ہو گا جو مَارِدٌ مُتَمَرِّدٌ سرکش ہے وابی اَن یَّقُوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے انکار کرتا ہے، اس کے مقتضی سے گریز کرتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک سفر میں کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں روٹی بنانے کا وقت آیا، ایک عورت نے پتھر اکٹھے کر کے چولہا بنایا اس پر ہنڈیا رکھی دودھ پیتا بچہ بھی ساتھ تھا کھلی جگہ تھی ہوا کی وجہ سے جس طرف آگ کا شعلہ آئے بچے کو دوسری طرف لے جائے، اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بچے کی ماں ہوں گوارا نہیں کرتی کہ یہ آگ میں جلے تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی شفقت میرے دل میں ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئی اور کہنے لگی حضرت! میں نے اس طرح آگ جلائی تھی جب آگ کا شعلہ میرے بچے کی طرف آتا تو میں اس کو بچانے کی کوشش کرتی اٹھا کر دوسری طرف لے جاتی تو میرے دل میں خیال آیا کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اتنی بھی نہیں ہو گی جتنی میرے دل میں بچے کو آگ سے بچانے کیلئے ہے کہ میں اس کو آگ میں جلانے کے لیے تیار نہیں ہوں، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَللّٰہُ اَرحَمُ لِعِبَادِہٖ مِنَ الاُمِّ بِوَلَدِھَا، فرمایا بیٹی تیری شفقت کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے بنسبت اس کے کہ ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم پر عذاب آجاتا، دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک عذاب سے مانع ہے۔

تیسری بات یہ لکھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر قوم اور ہر فرد کا ایک وقت مقرر ہے لکھا ہوا تھا وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ اس کا وقت لکھ دیتے ہیں فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ لکھ دو یہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت مرے گا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہلاکت کا وقت لکھا ہوا نہ ہوتا تو یہ ابھی ہلاک ہو جاتے لیکن رب تعالیٰ کی طرف سے اس کا وقت مقرر ہے اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا۔ (ذخیرۃ الجنان)

تسبیح وتحمید کے لیے افضل وبہترین اوقات

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ وتفسیر کیجیے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى {۱۳۰} طٰه

جواب ترجمہ: پس جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کرو اور رات کے پہلے پہر میں اس کی تسبیح کیا کرو اور دن کی اطراف (یعنی دوپہر کے قریب ظہر کے وقت بھی) تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

نماز فجر کے وقت سورج نکلنے سے پہلے پہلے، عصر کی نماز کے وقت سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے، عشاء کی نماز کے وقت میں کچھ گھڑیاں، نماز ظہر اور نماز مغرب اور دن کے کناروں میں اللہ کے لیے تسبیح کرنے کے اوقات افضل اور بہتر ہیں، حکمت والے رب نے قرآن کریم میں انہی اوقات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے، اچھے برے انسان کو نجات نہیں ملتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی حقیر و ضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے، زبانی گالی گلوچ ہی سہی، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی۔ اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے۔ اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی اور بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کے لئے بن جاتا ہے اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال و افعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہو گی تو مخالف کی ایذاؤں سے پیدا ہونے والا غیظ و غضب خود بخود کافور ہو جاتا ہے

اسی لئے آخر آیت میں فرمایا لَعَلَّكَ تَرْضٰى یعنی اس تدبیر سے آپ راضی خوشی بسر کر سکیں گے۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں اس کی حمد و شکر کے ساتھ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے یا کچھ عبادت کرنے کی توفیق ہو جائے اس کو چاہئے کہ اپنے اس عمل پر ناز و فخر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کو اپنا وظیفہ بنائے یہ ذکر اللہ یا عبادت اسی کی توفیق کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

اور یہ لفظ سَبِّحْ بِحَمْدِ عام ذکر و حمد کے معنیٰ میں بھی ہو سکتا ہے اور خاص نماز کے معنیٰ میں بھی عموماً حضرات مفسرین نے اسی کو لیا ہے اور اس کے بعد جو اوقات معین کر کے بتلائے ہیں وہ بھی نمازوں کے اوقات قرار دیئے ہیں۔ مثلاً قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے مراد نماز ظہر و عصر اور وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ سے مراد رات کی سب نمازیں مغرب عشاء یہاں تک کہ تہجد بھی اس میں شامل ہے اور پھر لفظ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے اس کی مزید تاکید بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن)

کافروں اور مسلمانوں کی زندگی میں نمایاں فرق

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور دنیوی زندگی کی اس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لیے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔

مشرکین اور ان کے ہمنواؤں کو دنیا کی زندگی میں جو ٹھاٹ باٹ ہم نے دے رکھی ہے، جس سازوسامان سے انہیں مالا مال کر رکھا ہے یہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے، اسی دنیا میں یہ سب کچھ رہ

جانے والا ہے، ہم نے یہ سب کچھ انہیں اس لیے دے رکھا ہے تاکہ انہیں آزمائش میں ڈالیں، آپ کو آپ کے رب نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہتر ہے، اس کا اجر وثواب آپ کے لیے ان چیزوں سے بہتر ہے جو ہم نے ان کافروں اور مشرکوں کو دی ہیں، آپ کو ملنے والی چیز تو ہمیشہ رہنے والی ہے، اس کا خاتمہ نہیں ہو گا، اس لیے آپ ان کی طرف نہ دیکھیے۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور دراصل ہدایت کرنا امت کو ہے کہ دنیا کے مالداروں سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں۔ آپ ان کی طرف نظر بھی نہ اٹھایئے کیونکہ یہ سب عیش فانی اور چند روزہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو اور آپ کے واسطے سے مؤمنین کو عطا فرمائی ہے وہ بدرجہا ان کی اس چند روزہ رونق حیات سے بہتر ہے۔

دنیا میں کفار وفجار کی عیش وعشرت اور دولت وحشمت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لئے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض اور ذلیل ہیں تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں ہیں اور اطاعت شعار مؤمنین کی غربت وافلاس کیوں؟ یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا، جس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے جس میں آپ خلوت گزیں تھے اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ ایک موٹی موٹی تیلیوں کے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور ان تیلیوں کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر کھڑے ہوگئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ کسری وقیصر اور ان کے امراء کیسی کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ کے منتخب رسول اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب! کیا تم اب تک شک وشبہ میں مبتلا ہو؟ یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات ومحبوبات اللہ نے اسی دنیا میں ان کو دے دی ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے (اور مومنین کا معاملہ برعکس ہے) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے تھے باوجودیکہ آپ کو پوری

قدرت حاصل تھی کہ اپنے لئے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کر لیں اور جب کبھی دنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت مشقت اور سعی وطلب کے آ بھی جاتی تھی تو فوراً اللہ کی راہ میں غرباء فقراء پر اس کو خرچ کر ڈالتے تھے اور اپنے واسطے کل کے لئے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ (معارف القرآن)

نماز، توکل اور انجام حق و باطل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى {۱۳۲} وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى {۱۳۳} وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى {۱۳۴} قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى {۱۳۵} طٰهٰ

جواب ترجمہ: اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس کی پابندی کیجیے ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے ہم آپ کو رزق دیں گے اور بہتر انجام پرہیز گاری کا ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی نشانی کیوں نہیں لاتا، کیا ان کے پاس پرانی کتابوں کا مضمون نہیں پہنچا۔ اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا جس کا ہم ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے اتباع کر لیتے۔ آپ فرما دیجیے سب انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو۔ سو عنقریب جان لوگے کہ سیدھے راستے والا اور ہدایت یافتہ کون ہے۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو چند نہایت اہم ہدایات عطا فرمائیں اور ساتھ ہی منکرینِ حق کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے حق و باطل کے انجام کو واضح کر دیا، یہ آیات بندگی، توکل، دعوت اور انجامِ آخرت کے جامع مضامین پر مشتمل ہیں۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کریں اور خود بھی اس پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہیں، یہاں صرف حکم دینا کافی نہیں بلکہ اصْطَبِرْ کے لفظ سے یہ واضح کیا گیا کہ نماز کی پابندی میں مسلسل صبر، محنت اور استقامت درکار ہے۔

لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ: ہم آپ سے روزی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ ہم خود آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو رزق عطا کرنے والے ہیں، گویا بندہ جب اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیاوی ضروریات کا خود کفیل ہو جاتا ہے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى: انجامِ کار کامیابی انہی کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کے احکام بجالاتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ: منکرین نے اعتراض کیا کہ یہ نبی کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ یہ اعتراض محض ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، کیونکہ ان کے سامنے سب سے بڑا معجزہ قرآنِ مجید موجود تھا۔

أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ: کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آئی جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے؟ یعنی قرآن نہ صرف خود معجزہ ہے بلکہ سابقہ کتبِ الٰہیہ کی سچائی کی گواہی بھی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کو رسول بھیجے بغیر ہی عذاب میں مبتلا کر دیتے، تو وہ قیامت کے دن عذر پیش کرتے:

لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا: کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حجت قائم کرتا ہے، رسول بھیجتا ہے، کتاب نازل کرتا ہے، پھر اگر انکار ہو تو عذاب آتا ہے تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا: نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان منکرین سے کہہ دیں، ہم بھی اپنے انجام کے منتظر ہیں اور تم بھی انتظار کرو۔

فَسَتَعْلَمُونَ: عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھا راستہ کس کا ہے اور ہدایت پر کون ہے، ہم یا تم؟ یہ دراصل ایک پُرعزم اعلان ہے کہ حق کا انجام یقینی طور پر کامیابی ہے اور باطل بالآخر شکست سے دوچار ہو گا۔

جامع پیغام: ان آیات میں چند بنیادی اصول واضح کیے گئے، نماز دین کی بنیاد ہے، اس پر صبر و استقامت ضروری ہے، رزق کا مالک اللہ ہے، بندہ عبادت میں مشغول رہے، قرآن سب سے بڑا معجزہ اور دلیلِ نبوت ہے، اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بغیر اتمامِ حجت کے عذاب نہیں دیتا، حق و باطل کا انجام یقینی ہے اور کامیابی صرف اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔

الحمدللہ آج سورۃ طٰہٰ کے اضافات و ترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور)

۱۲۔ اپریل ۲۰۲۶ء ۲۳ شوال المکرم ۱۴۴۷ھ، بروز اتوار ساڑھے نو بجے علی الصبح

سورۃ الانبیاء (تعارف)

سوال سورۃ الانبیاء کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃُ الانبیاء قرآنِ حکیم کی اُن بلیغ اور پُر معارف مکی سورتوں میں سے ہے جن میں دعوتِ حق اپنی پوری شانِ استدلال اور جلالِ تاثیر کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، اس سورت کا اسلوب نہایت دلنشیں، معنوی لحاظ سے گہرا اور فکری اعتبار سے جامع ہے، جس میں انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے، عقیدۂ توحید کو راسخ کرنے اور انجامِ آخرت کا احساس دلانے کے لیے نہایت مؤثر پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔

یہ سورت مکی دور کے اُن نازک مراحل میں نازل ہوئی جب کفارِ مکہ عناد و تکذیب کی انتہا کو پہنچ چکے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کو مسلسل اذیتوں اور مخالفتوں کا سامنا تھا، اس سورت کی آیات کی تعداد ۱۱۲ ہے اور اس کا آغاز ہی ایک جھنجھوڑ دینے والی تنبیہ سے ہوتا ہے کہ حساب کا وقت قریب آچکا ہے، مگر انسان اپنی غفلت میں مست ہے، یہی ابتدائی آہنگ پوری سورت کے مرکزی پیغام کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کو "الانبیاء" اس لیے کہا گیا کہ اس میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے حالات، ان کی دعوت، آزمائشیں، دعائیں اور نصرتِ الٰہی کے واقعات نہایت بلیغ انداز میں بیان کیے گئے ہیں، گویا یہ سورت انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک روشن کہکشاں ہے، جس کی ہر جھلک ہدایت، صبر اور یقین کا درس دیتی ہے۔

اہم مضامین اور واقعات: سورۃُ الانبیاء کا بنیادی موضوع انسان کو اس کی حقیقت اور انجام سے آگاہ کرنا ہے، آغاز میں قیامت کے قریب آنے کا ذکر ایک ایسا فکری زلزلہ پیدا کرتا ہے جو دلوں کو جھنجھوڑ دیتا ہے، انسان کی غفلت، دنیا کی بے ثباتی اور حساب کے یقینی مرحلے کو نہایت پر اثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مختلف انبیاء علیہم السلام کے واقعات یکے بعد دیگرے سامنے آتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اور قوم کی ہلاکت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت شکنی کا عظیم کارنامہ اور توحید کی بے خوف دعوت، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام، حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو عطا کردہ حکمت و حکومت، حضرت ایوب

علیہ السلام کی صبر آزما بیماری اور ان کی استقامت، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ اور نجات، حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت، نیز حضرت مریم علیہا السلام کی پاکیزگی اور عظمت، یہ سب واقعات نہ صرف تاریخ کے ابواب ہیں بلکہ ایمان ویقین کے زندہ اسباق بھی ہیں۔

ان تمام قصص کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے سخت ترین آزمائشوں میں بھی ثابت قدم رہے اور بالآخر نصرتِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہوئی، اس کے برعکس، وہ اقوام جو تکذیب اور سرکشی پر قائم رہیں، انجام کار ہلاکت وبربادی کا شکار ہوئیں، یوں سورت سنّتِ الٰہیہ کو واضح کرتی ہے کہ حق کا انجام فتح ہے اور باطل کا مقدر زوال۔

مزید برآں، سورت میں توحید کے عقلی وفطری دلائل نہایت جامع انداز میں پیش کیے گئے ہیں، کائنات کی وحدتِ نظام، آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانی وجود کی حقیقت یہ امور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ خالق ایک ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، نبوت کا اثبات بھی انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے پیغام کے تسلسل سے کیا گیا ہے، جبکہ آخرت کا تصور بار بار مختلف اسالیب میں ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

خلاصہ کلام: سورۃُ الانبیاء درحقیقت ایک ہمہ جہت دعوت ہے، ایمان کی تجدید، فکر کی اصلاح اور عمل کی تطہیر کی دعوت، یہ سورت انسان کو اس کی غفلت سے بیدار کرتی ہے، اسے اس کے رب سے جوڑتی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاتِ مبارکہ کو مشعلِ راہ بنا کر یہ پیغام دیتی ہے کہ صبر، توکل اور یقین ہی کامیابی کا راستہ ہیں، آخرکار یہی حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ زمین کے وارث وہی ہوں گے جو اللہ کے صالح بندے ہیں اور یہی پیغام اس سورت کا حاصل اور اس کا ابدی سبق ہے۔

قربِ قیامت، غفلتِ انسان اور مکارانہ انکار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ{۲}لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ{۳}قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ{۴}بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ{۵}مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ{۶}الانبیاء

جواب ترجمہ: لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔ اس حال میں کہ ان کے دل غفلت میں ہیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارے جیسا انسان ہے۔ کیا تم دیکھتے ہوئے جادو کو مانتے ہو۔ اس نے کہا میرا رب بات کو جانتا ہے آسمان میں اور زمین میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ تو خوابوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہا کہ اس شخص نے جھوٹ بنالیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے سو چاہیے کہ ہمارے پاس نشانی لے کر آئے جیسا کہ اس سے پہلے لوگ نشانیاں دے کر بھیجے گئے۔ ان سے پہلے کسی بستی والے ایمان نہیں لائے جسے ہم نے ہلاک کیا، سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے۔

اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ: انسان کو ایک نہایت چونکا دینے والی حقیقت کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ اس کے اعمال کا حساب بالکل قریب آن پہنچا ہے، مگر اس کے باوجود وہ دنیا کی رنگینیوں میں ایسا منہمک ہے کہ آخرت سے غافل اور اس سے اعراض کیے ہوئے ہے، گویا انجام سر پر کھڑا ہے اور انسان بدستور غفلت کی نیند میں ڈوبا ہوا ہے۔

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ: جب بھی ان کے رب کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت اور نیا پیغامِ ہدایت نازل ہوتا ہے، تو یہ اسے سنتے تو ہیں، مگر اس انداز سے جیسے کوئی کھیل یا دل بہلاوا ہو، ان کی سماعت میں سنجیدگی نہیں، دل میں اثر پذیری نہیں، یوں یہ کلامِ الٰہی ان کے لیے محض ایک غیر

اہم آواز بن کر رہ جاتا ہے۔

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ: ان کے دل اس کلام سے غافل اور بے توجہ ہیں اور وہ آپس میں خفیہ سرگوشیوں میں کہتے ہیں، یہ تو تم ہی جیسا ایک انسان ہے، اس میں کون سی خصوصیت ہے؟ اور جو کچھ یہ پیش کر رہا ہے، وہ تو جادو ہے، یہ دراصل ان کے باطن کی ضد اور تعصب کا اظہار ہے، جہاں حقیقت واضح ہونے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: رسولِ اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اعلان فرما دیں: میرا رب ہر اس بات کو جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو، زمین و آسمان کی کوئی آواز اس سے پوشیدہ نہیں، وہ تمہاری ہر سرگوشی کو سنتا ہے اور تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے اور وہی تمہیں اس کا پورا بدلہ دینے والا ہے۔

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ: یہ لوگ اپنے انکار میں مستقل نہیں بلکہ فکری انتشار کا شکار ہیں، کبھی کہتے ہیں یہ پراگندہ خواب ہیں، کبھی اسے گھڑی ہوئی بات قرار دیتے ہیں اور کبھی رسول کو شاعر کہہ دیتے ہیں، پھر مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر یہ سچے ہیں تو کوئی معجزہ پیش کریں، جیسا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام لاتے رہے، یہ دراصل ایمان کی جستجو نہیں بلکہ انکار کے لیے بہانے تراشنے کا ایک سلسلہ ہے۔

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ: اللہ تعالیٰ ان کے اس مطالبے کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے اسی طرح نشانیاں طلب کیں، پھر جب ان کے مطالبے پورے کر دیے گئے تو بھی وہ ایمان نہ لائیں، بلکہ تکذیب ہی کرتے رہے، بالآخر وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہو کر ہلاک کر دیے گئے۔ تو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ یہ ایک تنبیہ ہے کہ مسئلہ دلیل کا نہیں، بلکہ دل کی آمادگی کا ہے۔

ان آیات میں انسانی غفلت، کفار کے طرزِ استہزاء اور ان کے متضاد اعتراضات کو نہایت بلیغ انداز میں پیش کیا گیا ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہدایت ان دلوں کو نصیب ہوتی ہے جو طلبِ حق رکھتے ہوں، ورنہ محض معجزات بھی ہٹ دھرمی کا علاج نہیں بن سکتے۔

تاج نبوت ہمیشہ مردوں کے سر سجتا رہا

سوال کیا اللہ تعالیٰ نے انسانی رشد وہدایت کے لیے انسانوں کی طرف فرشتوں کو بھیجا یا کسی اور مخلوق کو بھیجا؟ قرآنی آیت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ {۷} الأنبياء.

جواب ترجمہ: اور (اے میرے حبیب ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ لہٰذا (کافروں سے کہو کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو انسانی رشد وہدایت کے لیے نہیں بھیجا کہ وہ انہیں راہنمائی کریں، اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی طرف ایسے مردوں کو وحی دے کر بھیجا، جن کی طرف وحی کی جاتی تھی اور انہی کو انبیاء کرام علیہم السلام کہا جاتا ہے۔

منکرین کا ایک اعتراض یہ تھا، هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ شخص تو تمہارے ہی جیسا انسان ہے، بھلا اس کو تم رسول کیسے مان لوگے؟ اس میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے، کوئی فرشتہ ہوتا جس میں انسانی لوازمات نہ ہوتے تو ہم مان بھی لیتے، مگر ایک انسان کو نبی مان کر ہم خسارے میں کیوں پڑیں؟ تو اس اعتراض کے جواب میں اللہ نے یہاں فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے نبی اور رسول مگر وہ مرد ہی تھے اور ہم ان کی طرف وحی نازل کیا کرتے تھے۔

مطلب یہ کہ نبی آخر الزمان کا انسان ہونا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے ہم نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے وہ انسان تھے اور مردوں میں سے تھے۔ کوئی جن یا فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق انسانوں کی طرف نبی بن کر نہیں آیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ انسان انسان ہی سے استفادہ کر سکتے ہیں اور یہ چیز

کسی دوسری مخلوق سے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس میں مشرکین کافرین اور منکرین کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اگر تم اس حقیقت سے نابلد ہو اور تمہیں یقین نہیں ہے کہ سابقہ تمام انبیاء بھی انسانوں میں سے آئے ہیں تو پھر فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اہل ذکر یعنی علم والے لوگوں سے دریافت کرلو، اگر تم خود نہیں جانتے۔ تمہارے پاس اہل کتاب موجود ہیں جو سابقہ کتب کا علم رکھتے ہیں، وہ تمہیں بتادیں گے کہ سابقہ انبیاء واقعی انسان تھے۔ تم میں تاریخ دان حضرات بھی ہوں گے جو کہ پرانی تاریخ سے واقف ہوں گے، ان سے تصدیق کرو۔

انبیاء علیہم السلام کی انسانیت، آدمیت اور بشریت کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت نوح ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب انسان ہی تو تھے، حتیٰ کہ پوری بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام بھی سب سے اولین انسان اور بشر تھے، ایک بات تو یہ ہوگئی کہ ہر نبی انسان ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے وہ رجالا یعنی مرد ہوتے ہیں۔ کوئی عورت کبھی منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئی، بلکہ ایک لاکھ سے زائد تمام انبیاء اور رسل مردوں میں سے مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی بڑی فضیلت بخشی ہے، حتیٰ کہ انہیں نبوت کے بعد دوسرے درجے صدیقیت کا مقام عطا کیا ہے، مگر نبوت عطا نہیں کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے،

كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ: إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری)

مردوں میں سے تو بہت سے کاملین گزرے ہیں (یعنی انبیا، رسل اور صدیق) مگر عورتوں میں سے اللہ نے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون کو فضیلت بخشی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کھانے کی باقی کھانوں پر (کہ یہ عربوں میں بڑا مرغوب کھانا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت آپ کی ظاہری حسن و جمال، فقاہت اور دین میں سمجھ کی وجہ سے ہے۔ آپ نے دین کی بڑی خدمت کی۔ امت کی عورتوں کی تربیت کی اور ان کو دین سکھایا۔

اللہ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا ہے وامہ صدیقۃ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں، اللہ نے آپ کو اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی تھی۔ تاہم کسی عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ نے اِسترشاد یعنی ہدایت اور راہنمائی کا کام اصلاً مردوں کے سپرد کیا ہے اور عورتوں کو مردوں کے تابع رکھا ہے۔ عورتوں کو کار تبلیغ کا مکلف نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعیت کے سارے کام منجملہ نظام حکومت، جمعہ، عیدین اور نماز کے لئے جماعت کا قیام اور فریضہ جہاد اللہ نے براہ راست مردوں کی ذمہ داری میں دیا ہے۔ (تفسیر معالم العرفان للسواتی رحمہ اللہ تعالیٰ)

بشریت انبیاء علیہم السلام اور نصرت الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان کو کوئی ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا سو ہم نے انہیں اور جس جس کو چاہا نجات دے دی اور ہم نے حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

ان مبارک آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت بنیادی اور اہم حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور وہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کی بشریت اور اللہ تعالیٰ کی دائمی سنتِ نصرت و عدل، کفارِ مکہ کی طرف سے جو اعتراضات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے جاتے تھے، ان کا نہایت حکیمانہ اور فیصلہ کن جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، انہیں ایسے جسم نہیں دیے تھے کہ وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہوں اور نہ ہی انہیں دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنے والا بنایا تھا۔

یہ آیت اس باطل خیال کی جڑ کاٹ دیتی ہے کہ نبی کو انسانوں سے ہٹ کر کوئی فوق الفطرت مخلوق ہونا چاہیے، حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہی تھے، وہ بھوک محسوس کرتے، کھانا کھاتے، پانی پیتے اور انسانی ضروریات رکھتے تھے، ان کی یہی بشریت دراصل ان کی دعوت کی صداقت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان کی پیروی ممکن نہ رہتی۔

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ: وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے، یعنی انبیاء علیہم السلام بھی موت کے قانون سے مستثنیٰ نہیں تھے، ان کی زندگی بھی ایک مقررہ مدت تک تھی، تاکہ یہ حقیقت واضح رہے کہ دوام اور بقا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لیے ہے، یہ جملہ ان لوگوں کے نظریے کی بھی تردید کرتا ہے جو کسی نبی یا ولی کے بارے میں دوامِ حیات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ: یعنی ہم نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا، یہ وعدہ تھا نصرت، غلبہ اور انجامِ خیر کا، چنانچہ تاریخِ انبیاء اس بات کی گواہ ہے کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مدد فرمائی، انہیں دشمنوں کے مقابلے میں سرخرو کیا اور ان کے مشن کو کامیابی عطا کی۔

فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ: ہم نے نہ صرف اپنے رسولوں کو نجات دی بلکہ ان اہلِ ایمان کو بھی بچایا جو اخلاص کے ساتھ ان پر ایمان لائے، گویا نجات کا معیار نسبت یا دعویٰ نہیں، بلکہ ایمان اور اطاعت ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ: یعنی ہم نے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا، یہاں "مسرفین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر، سرکشی اور گمراہی میں انتہا کو پہنچ گئے تھے، انہوں نے نہ صرف حق کا انکار کیا بلکہ اس کے مقابلے میں عناد اور تکبر کا راستہ اختیار کیا، جس کا انجام ہمیشہ کی طرح تباہی کی صورت میں نکلا۔

ان آیات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت کوئی نقص نہیں بلکہ سنتِ الٰہی ہے، وہ کھاتے پیتے تھے، دنیا میں رہتے تھے

اور ایک وقت پر دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی نصرت فرماتا ہے اور سرکش و نافرمان قوموں کو نیست و نابود کر دیتا ہے، یہی وہ دائمی اصول ہے جو تاریخِ انسانیت میں بار بار دہرایا گیا کہ انجام کار کامیابی حق والوں کے لیے ہے اور ہلاکت باطل کے پیروکاروں کا مقدر۔

قرآن دونوں جہاں میں باعث عزت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ کا کیا مطلب اور مفہوم ہے؟

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ {۱۰} الأنبياء

جواب ترجمہ: (اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس کتاب میں تمہارے لیے عزت ہے، دنیا اور آخرت دونوں جہان میں تمہارے لیے یہ کتاب باعث شرف و عزت ہے اگر تم اس کو یاد کرتے رہے، اس سے نصیحت حاصل کرتے رہے۔

مفسر قرآن امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا: فِيهِ ذِكْرُكُمْ کا مطلب ہے تمہارے دین کے امر کا ذکر ہے تمہاری شریعت کے اس میں احکام ہیں اور اس میں ثواب اور عقاب کا ذکر ہے جس کی طرف تم نے لوٹنا ہے کیا تم غور نہیں کرتے ان چیزوں میں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔

مفسر قرآن امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فیہ ذکرکم کا مطلب ہے اس میں تمہاری بات ہے۔ بعض نے فرمایا: تمہارے مکارم اخلاق کا ذکر ہے تمہارے اعمال کے محاسن کا ذکر ہے۔ سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں وہ عمل ہے جس میں تمہاری زندگی ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال ہم معنی ہیں۔ پہلا قول عام ہے کیونکہ یہ سراپا شرف ہے

یہ کتاب ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، یہ ہمارے لیے شرف ہے اگر ہم اس کے احکام کے مطابق عمل کریں اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ، قرآن تیرے لیے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔ (تفسیر قرطبی)

ہلاکت اقوام ظالمہ اور مقصد تخلیق کائنات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ {۱۱}فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ{۱۲}لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ {۱۳}قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ {۱۴}فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ {۱۵}وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ{۱۶}الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو توڑ دیا جو ظلم کرنے والی تھیں، اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا فرما دیا۔ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنے لگے۔ مت بھاگو اور ان چیزوں کی طرف جن میں تم عیش میں پڑے ہوئے تھے اور اپنے گھروں کی طرف واپس آجاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے۔ وہ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بیشک ہم ظلم کرنے والے تھے۔ سو برابر ان کا یہی کہنا رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔ اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ: کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں ہم نے ان کے ظلم و طغیان کے باعث چکنا چور کر دیا اور ان کے بعد نئی قوموں کو آباد کر دیا، لفظ قَصَمْنَا میں اس شدتِ عذاب کی تصویر ہے جس نے ان قوموں کو گویا ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیست و

نابود کر دیا، یہ محض تباہی نہیں، بلکہ عبرت انگیز انجام ہے کہ ظلم کی بنیاد پر کھڑی کوئی قوم باقی نہیں رہتی۔

فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ: پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ محسوس کی تو وہ اپنی بستیوں سے بد حواسی کے عالم میں بھاگنے لگے، یہ بھاگنا محض جسمانی فرار نہ تھا، بلکہ خوف، ندامت اور بے بسی کا ایک ایسا منظر تھا جس میں انسان اپنی تمام تر قوت کھو بیٹھتا ہے۔

لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ: ان سے کہا گیا، بھاگو نہیں! واپس لوٹ جاؤ اپنی اسی عیش و عشرت کی زندگی کی طرف، اپنے انہی محلات اور آرام گاہوں میں جن پر تمہیں ناز تھا، شاید اب تم سے باز پرس کی جائے! یہ خطاب دراصل استہزاء اور طنز کا آئینہ دار ہے، گویا انہیں یہ جتایا جا رہا ہے کہ جن نعمتوں پر تم اتراتے تھے، آج وہی تمہارے کسی کام نہیں آ رہیں۔

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ: اب وہ پکار اٹھے: ہائے ہماری بد بختی! بے شک ہم ہی ظالم تھے، یہ اعتراف اس وقت کا ہے جب مہلتِ عمل ختم ہو چکی تھی، یہ وہ ندامت ہے جو فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ وقتِ توبہ گزر چکا ہوتا ہے۔

فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ: وہ برابر یہی فریاد کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت کی طرح بے جان اور خاموش کر دیا۔ حَصِيدًا خَامِدِينَ ایک نہایت بلیغ تعبیر ہے، گویا وہ سرسبز کھیتی جو کل لہلہا رہی تھی، آج جڑ سے کٹ کر مٹی میں مل گئی اور اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ: اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری کائنات کو کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ یہ اعلان دراصل ایک عظیم اصول کی وضاحت ہے کہ یہ کائنات بے مقصد نہیں، بلکہ ایک حکیمانہ نظام کے تحت قائم کی گئی ہے، جہاں حق و باطل کا امتیاز ہو اور آخر کار جزا و سزا کا فیصلہ صادر ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ ظالم قوموں کی عبرتناک ہلاکت کو بیان کر کے اہلِ مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ ظلم، کفر اور سرکشی کا انجام ہمیشہ تباہی ہے، عذاب کے وقت بھاگنا، چیخنا اور اعترافِ جرم کرنا کسی کام نہیں آتا، ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ یہ کائنات کسی کھیل کا میدان نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ امتحان گاہ ہے، جہاں ہر عمل کا حساب ہونا ہے، یہ آیات بیک وقت وعید بھی ہیں اور نصیحت بھی کہ جو قومیں تاریخ سے سبق نہیں لیتیں، وہ خود تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں ہے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ {۱۷} بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ {۱۸} الأنبياء

جواب ترجمہ: اگر ہمیں کوئی کھیل بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر وہ چلا جاتا ہے، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔

جب ایک قوم نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ لھو سے مراد یمنی لغت میں عورت ہے۔ حضرت طاؤس، عطا اور مجاہد عقبہ بن ابی جسرہ رحمہم اللہ سے لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا: لھو سے مراد زوجہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لھو سے مراد بیٹا ہے، یہ حسن کا بھی قول ہے۔ جوہری نے کہا: لھو جماع سے کنایہ ہے۔

امرء القیس کا قول ہے:

أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي كَبِرْتُ وَأَلَّا يُحْسِنَ اللَّهْوَ أَمْثَالِي

سنو! آج بسباسہ یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں، اور یہ کہ مجھ جیسے لوگ اب لہو و لعب

(دل لگی اور خوش طبعی) کا سلیقہ نہیں رکھتے!

جماع کو لھو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی دل کو غافل کر دیتا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا اگر ہماری کوئی عورت ہوتی ہے، اگر کوئی بیٹا ہوتا جیسا کہ تم کہتے ہو تو پھر وہ ہماری اپنی طرف سے ہوتا نہ کہ تمہاری طرف سے۔ ابن جریج نے کہا: اہل سماء کی طرف سے نہ اہل زمین کی طرف سے۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی تمہارا گھڑا ہوا بت ہماری اولاد کیسے ہو سکتا ہے؟

ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا: یہ آیت نصاریٰ کا رد ہے۔ إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ، قتادہ، مقاتل، ابن جریج اور حسن رحمہ اللہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ایسا کرنے والے نہیں جیسے: إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ۔ (فاطر) یعنی تو نہیں ہے مگر ڈرانے والا۔ ان نفی کے معنی میں ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ شرط کے معنی پر ہے یعنی اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں کیونکہ ہمارے لیے اولاد ہونا محال ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو ہم جنت، دوزخ، موت، بعث، حساب پیدا نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر ہم کسی کو متبنیٰ بناتے تو ہم ملائکہ میں سے بناتے۔ اس کی طرف ایک قوم کا رجحان ہے کیونکہ ارادہ متبنیٰ کے ساتھ متعلق ہے رہا اولاد بنانا تو یہ محال ہے۔ ارداہ مستحیل کے متعلق نہیں ہوتا۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سیاق وسباق کو مد نظر رکھتے ہوئے ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یعنی اگر ہم کوئی مشغلہ بطور کھیل کے بنانا ہی چاہتے اور ہمیں یہ کام کرنا ہی ہوتا تو ہمیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ زمین و آسمان وغیرہ پیدا کریں یہ کام اپنے پاس کی چیزوں سے بھی ہو سکتا تھا۔

عربی زبان میں حرف لو فرضی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جس کا کوئی وجود نہ ہو اس جگہ بھی اس حرف سے یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو احمق ان تمام علویات اور سفلیات آسمانی اور زمینی مخلوقات اور مصنوعات عجیبہ کو لہو ولعب سمجھتے ہیں کیا وہ اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اتنے بڑے بڑے کام لہو ولعب کے لئے نہیں ہوا کرتے یہ کام جس کو کرنا ہو وہ یوں نہیں کیا کرتا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ لہو و

لعب کا کوئی کام بھی حق تعالیٰ کی عظمت شان تو بہت بلند وبالا ہے کسی اچھے معقول آدمی سے بھی متصور نہیں۔(معارف القرآن)

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ: یہ آیت سابقہ مضمون کی تردید کرتے ہوئے اعلان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہر گز عبث یا کھیل نہیں، بلکہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے حق کو باطل پر اس طرح پھینکتا ہے کہ وہ اسے پاش پاش کر دیتا ہے۔ لفظ **نَقْذِفُ** میں دور سے زور کے ساتھ پھینکنے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جس سے حق کی قوت وشدت ظاہر ہوتی ہے, یہاں حق کو ایک مضبوط اور سخت شے سے تشبیہ دی گئی ہے، جبکہ باطل کو ایک کمزور اور بودی چیز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب حق باطل پر آتا ہے تو **فَيَدْمَغُهُ** اس کے سر کو کچل دیتا ہے، یعنی اسے جڑ سے ختم کر دیتا ہے، اس تعبیر میں نہایت بلیغ تشبیہ ہے، گویا باطل کے دماغ پر ایسی کاری ضرب لگتی ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ: اور وہ یکایک مٹ جاتا ہے۔ یہاں "فاء" اور "اذا" مفاجأت کے لیے ہیں، جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ حق کے سامنے باطل کا زوال نہایت تیز اور یقینی ہے۔ **زَاهِقٌ** کے معنی ہیں: جس کی جان نکل جائے، یعنی باطل ایسا نابود ہوتا ہے جیسے جان نکلنے کے بعد زندگی باقی نہیں رہتی۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ: کفار کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، تمہارے لیے ہلاکت ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم اللہ کے بارے میں گھڑتے ہو، یعنی اللہ کے لیے شریک ٹھہرانا، معبودان باطلہ کی شفاعت کے باطل عقیدے گھڑنا اور معبودانِ باطلہ کو اس کے قریب کرنے والا سمجھنا، یہ سب ایسے اوصاف ہیں جو ذاتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔

یہ آیت ایک ابدی اصول بیان کرتی ہے کہ حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور باطل لازماً مٹ جاتا ہے، باطل کی حقیقت عارضی اور کمزور ہے، جبکہ حق دائمی، مضبوط اور فیصلہ کن ہے، لہٰذا جو لوگ باطل عقائد گھڑتے ہیں، ان کے لیے سخت وعید ہے کہ انجام کار ہلاکت ہی ان کا مقدر بنے گی۔

توحید باری تعالیٰ، اطاعت ملائکہ اور ابطال شرک

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ {۱۹} يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ {۲۰} اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ {۲۱} لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ {۲۲} لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ {۲۳} اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ {۲۴} الانبیاء

جواب ترجمہ: اس کی وجہ سے تمہارے لیے خرابی ہے، اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور جو بندے اللہ کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے، اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ رات دن اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، ان میں سستی نہیں آتی۔ کیا ان لوگوں نے زمین کی چیزوں میں سے معبود بنا لیے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟ اگر آسمان میں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا، سو اللہ جو عرش والا ہے اس چیز سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے۔ کیا ان لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا لئے ہیں آپ فرما دیجیے اپنی دلیل لاؤ، یہ ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور جو مجھ سے پہلے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے سو وہ اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کامل ملکیت اور ربوبیت کو واضح کرتی ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، ملائکہ، جو مقرب ترین مخلوق ہیں، اس کے سامنے سراپا عجز و نیاز ہیں، نہ ان میں غرور ہے اور نہ عبادت میں سستی کرتے ہیں، تسلسل کے ساتھ اس حکم پر عمل پیرا ہیں جو انہیں اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ: وہ شب و روز اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور کبھی سستی نہیں کرتے، یہ ملائکہ کی دائمی اطاعت کا نقشہ ہے، ان کی عبادت ایک مسلسل جریان ہے، جیسے سانس کا آنا جانا، جس میں نہ وقفہ ہے نہ ملال۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ: یہ استفہامِ انکاری مشرکین کے عقیدے کی کمزوری کو بے نقاب کرتا ہے کہ جنہیں وہ پوجتے ہیں، وہ نہ زندگی دے سکتے ہیں اور نہ موت سے اٹھا سکتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ: یہ توحید کی ایک قطعی عقلی دلیل ہے، کائنات کا مربوط اور منظم نظام اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا خالق اور مدبر ایک ہی ہے۔ تعددِ معبود کا تصور لازماً فساد اور انتشار کو جنم دیتا۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ: یہ اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت کا اعلان ہے، وہ مالکِ حقیقی ہے، اس کے ہر فعل میں حکمت ہے، جبکہ مخلوق اس کے سامنے مسئول ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ: کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں؟ کہہ دیجیے: اپنی دلیل پیش کرو!

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ: یہ (قرآن) ان لوگوں کی نصیحت ہے جو میرے ساتھ ہیں اور ان سب کی بھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ مگر ان میں سے اکثر حق کو جانتے ہی نہیں، اسی لیے اس سے منہ موڑتے ہیں۔ یہ آیت مشرکین کو ایک کھلا چیلنج دیتی ہے کہ وہ اپنے عقیدۂ شرک پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کریں اور حقیقت یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں توحید ہی کی گواہی دیتی آئی ہیں، انکار کی اصل وجہ دلیل کا فقدان نہیں، بلکہ جہل اور اعراض ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل بادشاہی، ملائکہ کی بے مثال اطاعت اور شرک کی بے بنیاد حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے، کائنات کا منظم نظام، آسمانی تعلیمات کا اجماع، اور

عقلِ سلیم، سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، جو اس حقیقت سے منہ موڑتے ہیں، وہ دراصل علم کی کمی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی اور غفلت کا شکار ہیں۔

وحدت دعوت انبیاء علیہم السلام اور توحید خالص

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ {۲۵} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف یہ وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ: یہ آیتِ کریمہ رسالتِ محمدی ﷺ کے تسلسل کو گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کے ساتھ جوڑتے ہوئے ایک عظیم اور ابدی حقیقت کو آشکار کرتی ہے اور وہ ہے توحیدِ خالص۔

اس آیت میں اسلوبِ نفی و اثبات کے ذریعے یہ بات نہایت قطعی انداز میں بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے، سب کے سب اسی ایک پیغام کے حامل تھے۔ لفظ مِنْ کے اعادہ سے عموم اور استغراق کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایک رسول بھی ایسا نہیں گزرا جسے یہ وحی نہ کی گئی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یوں واضح ہو گیا کہ توحید ہی تمام آسمانی دعوتوں کا مرکزی نکتہ اور اصلِ دین ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ محض باطل خیالات اور بے بنیاد اوہام ہیں، جنہیں نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ حقیقت ان کی تائید کرتی ہے۔

إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ: یہ پیغام محض انسانی فکر کا نتیجہ نہیں، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے، اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ توحید کوئی اختیاری نظریہ نہیں بلکہ ایک الٰہی حکم ہے، جسے ہر نبی نے اپنی قوم تک پہنچایا۔

اہلِ عرب خود بھی اس بات سے واقف تھے کہ اللہ ہی خالق و رازق ہے اور سختیوں کے وقت اسی

کی طرف رجوع کرتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس آیت نے ان کے اسی تضاد کو ختم کرتے ہوئے فرمایا،

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ: جب معبود صرف میں ہوں، تو عبادت بھی خالصتاً میری ہی ہونی چاہیے۔ یہاں فاء سببیت کے لیے ہے، یعنی الوہیت کا تقاضا یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ واضح ہو گیا کہ عبادت اسی وقت معتبر ہے جب وہ خالص اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہو، شرک کی کوئی بھی صورت، خواہ وہ بتوں کی پرستش ہو یا اشخاص کی تعظیم میں غلو، حقیقت میں عبادتِ الٰہی کے منافی ہے۔

یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہی تھی، توحیدِ خالص، یہی دین کی بنیاد ہے اور اسی پر نجات کا دار و مدار ہے، جو اس میں شرک کا شائبہ بھی شامل کرے، وہ در حقیقت راہِ حق سے ہٹ جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت معتبر ہے جب وہ ہر قسم کے شریک سے پاک ہو۔

تنزیہ باری تعالیٰ اور حقیقت ملائکہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ {۲۶}لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ {۲۷}يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ {۲۸}وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ {۲۹}الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمن نے بیٹا بنا لیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے اگلے پچھلے احوال ہیں اور وہ کسی کے لیے سفارش نہیں کریں گے بجز ایسے شخص کے جس کی سفارش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور ان میں

سے جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں سو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔ ہم اسی طرح ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ: مشرکین عجیب لوگ تھے جنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے حالانکہ رحمٰن اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے، بلکہ جنہیں وہ اولاد کہتے ہیں وہ اس کے معزز بندے ہیں، یہ آیت مشرکین کے اس باطل عقیدے کی سختی سے تردید کرتی ہے جس میں فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا گیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ نہ اولاد ہیں اور نہ الوہیت میں شریک، بلکہ وہ اللہ کے مقرب اور معزز بندے ہیں، بندگی کا مقام خود اس بات کی نفی کر دیتا ہے کہ ان کا اللہ سے کوئی نسبی تعلق ہو۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ: ارشاد فرمایا کہ وہ اس کے سامنے بات میں سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں، یہ ملائکہ کی کامل اطاعت کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے آگے نہ کوئی بات بڑھاتے ہیں اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اقدام کرتے ہیں، ان کی پوری زندگی اطاعتِ الٰہی سے عبارت ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے،

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى: اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جس سے وہ راضی ہو۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ: اور وہ اس کی خشیت سے لرزاں رہتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے کامل علم کا بیان ہے جو مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے۔ ساتھ ہی شفاعت کا اصول واضح کیا گیا کہ ملائکہ کو شفاعت کا اختیار بھی مستقل نہیں، بلکہ وہ صرف اسی کے حق میں سفارش کر سکتے ہیں جسے اللہ پسند فرمائے، مزید برآں، وہ خود اللہ کی ہیبت و جلال سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ: اللہ تعالیٰ الوہیت اور معبود ہونے کے دعویداروں سے سخت ناراضگی کا اظہار فرما رہے کہ فرمایا "اور اگر ان میں

سے کوئی یہ کہہ دے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں، اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یہ آیت اس عقیدے کی جڑ کاٹ دیتی ہے کہ کوئی مخلوق اگرچہ وہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو، الوہیت کا حق رکھ سکتی ہے، گویا اگر فرضاً کوئی ایسا دعویٰ کرے تو اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو ہر ظالم اور مشرک کا ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ملائکہ اس سے پاک ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اولاد سے منزہ قرار دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ ملائکہ اس کے معزز، مطیع اور خوفِ خدا سے سرشار بندے ہیں، وہ نہ اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں، نہ شفاعت میں خود مختار ہیں اور نہ الوہیت میں کسی درجے کے شریک، اس طرح یہ آیات عقیدۂ توحید کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرتی اور ہر قسم کے شرک و باطل نظریات کی بیخ کنی کرتی ہیں۔

آسمان و زمین

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت میں أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا کا کیا معنیٰ و مطلب ہے؟

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ {۳۰} الأنبياء.

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟ کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟

شیخ الاسلام تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی، اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے سبزیاں اگنے لگیں، یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ لیکن دوسرے

بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ یعنی شدید گرمی اور حبس کی صورت حال جس میں لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازے بھی بند ہیں، زمین کے سوتے بھی خشک ہیں، بارش کا دور دور تک کوئی امکان نہیں، ہر طرف خشک سالی کا راج ہے اور پھر یکایک اللہ کی رحمت سے یہ صورت حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دہانے کھل جاتے ہیں اور بارش کے پانی سے زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ Big Bang کے بعد مادے کا جو ایک بہت بڑا گولا وجود میں آیا تو وہ ایک یکجا وجود (Homogenous mass) کی صورت میں تھا۔ پھر مادے کے اس گولے میں تقسیم ہوئی، مختلف ستاروں اور سیاروں کے گچھے بنے، کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں، سورج اور اس کے سیاروں کی تخلیق ہوئی 'اور یوں ہماری زمین بھی پیدا ہوئی۔ گویا اس سارے تخلیقی عمل کا اظہار اس ایک فقرے میں ہو گیا کہ آسمان اور زمین بند تھے، یعنی باہم ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا، جدا کر دیا۔ (تفسیر بیان القرآن)

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا: لفظ رتق کے معنٰی بند ہونے اور فتق کے معنٰی کھول دینے کے ہیں۔ ان دو لفظوں کا مجموعہ رَتْقٌ اور فَتْقٌ کسی کام کے انتظام اور اس کے پورے اختیار کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے ہم نے ان کو کھول دیا۔

نظام کائنات میں استحکام زمین، حفاظت آسمان

سوال آسمان کی وہ کونسی نشانیاں ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں؟ آیات قرآنیہ کی روشنی میں بتائیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ {٣١}وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ{٣٢} وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ {٣٣} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور ہم نے زمین میں جمنے والی چیزیں بنادیں تاکہ وہ ان کو لے کر نہ ہلے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنادیئے تاکہ وہ راہ پالیں، اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو بنایا سب ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ: اللہ تعالیٰ نے زمین کی مضبوطی کے لیے پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ قائم کیے تاکہ وہ لوگوں کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنادیے تاکہ وہ راہ پاسکیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے استحکام اور انسانی رہنمائی کے دو عظیم پہلو بیان فرمائے ہیں، رَوَاسِي سے مراد وہ بلند و ثابت پہاڑ ہیں جو زمین کو توازن عطا کرتے ہیں۔ قدیم مفسرین نے اسے زمین کی حرکت و اضطراب کو روکنے کا ذریعہ قرار دیا ہے، گویا یہ پہاڑ زمین کے لیے میخوں کا کام دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنی سطح پر بسنے والوں کے لیے قابلِ سکونت رہے۔

جدید سائنسی تحقیقات بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ پہاڑ زمین کی پرت (tectonic plates) کے توازن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان کی جڑیں زمین کے اندر گہرائی تک پیوست ہوتی ہیں، جو زمینی ساخت کو استحکام فراہم کرتی ہیں، یوں قرآن کا یہ بیان نہ صرف معنوی بلکہ سائنسی لحاظ سے بھی قابلِ غور ہے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا: ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنا دیے، یہ راستے، جو پہاڑوں کے درمیان کھلے گزرگاہوں کی صورت میں ہیں، انسان کی آمد و رفت، تجارت اور تمدنی روابط کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ: میں یہ اشارہ بھی ہے کہ انسان نہ صرف اپنی ظاہری منزلوں تک پہنچے بلکہ ان نشانیوں کے ذریعے اپنے خالق کی معرفت بھی حاصل کرے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ: قدرت خداوندی کے عظیم شاہکار آسمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا، مگر یہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑتے ہیں۔ یہاں آسمان کی تخلیق کو ایک سَقْفٌ یعنی چھت سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک ایسا عظیم الشان نظام جو زمین کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے۔ مَحْفُوظاً کے کئی پہلو ہیں، آسمان زمین پر نہیں گرتا بلکہ اللہ کے حکم سے قائم ہے، یہ شیاطین کی دراندازی سے محفوظ ہے، جدید تحقیق کے مطابق، زمین کے گرد موجود فضائی تہیں (atmosphere) سورج کی مضر شعاعوں اور خلا سے آنے والے خطرناک اجسام (meteoroids) سے حفاظت کا ذریعہ بنتی ہیں، گویا یہ "محفوظ چھت" محض ایک ادبی تعبیر نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جو انسانی زندگی کے تحفظ سے براہِ راست متعلق ہے۔

وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ: یہ لوگ ان نشانیوں سے روگردانی کرتے ہیں، یعنی آسمان کے اندر موجود سورج، چاند، ستارے، اس کی وسعت اور اس کا منظم نظام، یہ سب اللہ کی قدرت کی روشن نشانیاں ہیں، مگر منکرین ان سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے غفلت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے نظام کو اپنی قدرت اور حکمت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، پہاڑوں کے ذریعے زمین کو استحکام دیا، راستوں کے ذریعے انسانی زندگی کو سہولت بخشی اور آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا کر حیاتِ انسانی کی حفاظت کا سامان کیا، مگر افسوس کہ انسان ان کھلی نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنے رب کی معرفت حاصل نہیں کرتا اور غفلت میں پڑا رہتا ہے، یہ آیات نہ صرف ایمان کو تازگی بخشتی ہیں بلکہ انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ کائنات کے اس حسین اور مربوط نظام میں اپنے خالق کی قدرت و حکمت کا مشاہدہ کرے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ: زمین وآسمان کی حیرت انگیز تخلیق کے بیان کے ساتھ گردش لیل ونہاراورآفتاب وماہتاب کی تخلیق کا ذکر کیا جارہا ہے، فرمایاوہی ذات ہے جس نے رات اور دن کو پیدا فرمایااور سورج اور چاند کو وجود بخشا، یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے چلے جاتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ایک نہایت منظم اور حیرت انگیز نظام کی طرف توجہ دلائی ہے، لیل ونہار کا ذکر دراصل ان اسباب و نظم کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعے رات اور دن کا سلسلہ قائم ہے، رات کو اللہ تعالیٰ نے سکون و آرام کا پردہ بنایا، جس میں انسان تھکن اتار کر راحت پاتا ہے، جبکہ دن کو معاش اور جدوجہد کا وقت قرار دیا، جس میں انسان اپنی روزی اور زندگی کے تقاضے پورے کرتا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ : یہاں سورج اور چاند کا ذکر فرمایا گیا کہ سورج اپنی تیز روشنی، حرارت اور توانائی کے ساتھ دن کو روشن کرتا ہے، جبکہ چاند اپنی نرم ولطیف چاندنی سے رات کو حسین اور پُرسکون بناتا ہے، یوں یہ دونوں اجرامِ فلکی انسان کی زندگی میں روشنی، وقت کی تعیین اور موسمی نظام کے قیام کا بنیادی ذریعہ ہیں۔

كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ: یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں، یہ ایک نہایت بلیغ تعبیر ہے، جس میں ان اجرام کی حرکت کو "سباحت" یعنی تیرنے سے تشبیہ دی گئی ہے، گویا یہ کائناتی اجسام ایک وسیع سمندر میں نہایت منظم انداز سے رواں دواں ہیں، ہر ایک کا مدار مقرر ہے، نہ وہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ ٹکراتا ہے، یہ سب ایک کامل اور دقیق نظام کے تحت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چل رہے ہیں۔

جمع کا صیغہ یَّسْبَحُوْنَ استعمال کرکے اس کائناتی نظام کی وسعت اور تسلسل کو ظاہر کیا گیا ہے، کیونکہ سورج وچاند کے طلوع وغروب اور ان کے مختلف منازل ومظاہر بار بار ظاہر ہوتے رہتے ہیں، جس سے ان کی کثرتِ احوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

موت وحیات کا قانون، استہزاءِ قیامت کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ {۳۴} كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ {۳۵} وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ {۳۶} خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ {۳۷} وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۳۸} لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ {۳۹} بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ {۴۰} وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۴۱} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، اگر آپ کی وفات ہو جائے تو وہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں کے ذریعہ اچھی طرح آزماتے ہیں، اور تم ہماری ہی طرف واپس کر دیئے جاؤ گے۔ اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو ہنسی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں کیا یہی ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے، اور وہ رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھادوں گا، سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ اگر کافر لوگ اس وقت کو جان لیتے جب اپنے چہروں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آگ اچانک ان کے پاس آجائے گی سو وہ انہیں بدحواس کر دے گی، سو وہ اسے نہ ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان کا تمسخر کیا انہیں وہ چیز پہنچ گئی جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ: اللہ تعالیٰ موت وحیات کا قانون بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو دائمی زندگی نہیں دی، تو اگر آپ وفات پا جائیں گے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ یہ آیت کفارِ مکہ کے اس باطل خیال کی تردید کرتی ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے منتظر تھے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بقا کسی کو حاصل نہیں، ہر شخص فنا کے قانون کے تابع ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ: موت ایک حقیقت ہے، موت وہ چیز ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے ایک قانونی کلی بیان کر دیا، فرماتے ہیں کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں بھلائی اور برائی کے ذریعے آزماتے ہیں اور تم سب ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے، یہ دنیا دارالامتحان ہے، کبھی خوشی، کبھی غم، کبھی راحت، کبھی مصیبت، یہ سب آزمائش کے مختلف پہلو ہیں، موت اس امتحان کا اختتام اور آخرت اس کا نتیجہ ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہ) کیا یہی ہیں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ خود رحمن کے ذکر کے منکر ہیں، یہاں کفار کی دوہری روش واضح کی گئی ہے، وہ خود اللہ کا انکار کرتے ہیں مگر رسولِ اکرم ﷺ کے توحیدی پیغام کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُوْرِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ: انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، پس تم جلدی نہ کرو، انسان کی فطرت میں عجلت ہے، اسی لیے وہ عذاب اور قیامت کے بارے میں بھی جلدی کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ وقت پر ہی اپنے فیصلے ظاہر فرماتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اور وہ کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (قیامت) کب آئے گا؟ یہ سوال دراصل طلبِ حق کے لیے نہیں بلکہ انکار اور استہزاء کے طور پر کیا جاتا تھا۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: کاش! کافر اس وقت کو جان لیتے جب وہ اپنے چہروں اور پشتوں سے آگ کو نہ ہٹا سکیں گے اور نہ ہی انہیں کوئی مدد ملے گی، یہ ایک ہولناک منظر ہے جہاں انسان مکمل بے بسی میں ہو گا، نہ وہ عذاب کو روک سکے گا اور نہ کوئی مددگار ہو گا۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ: بلکہ وہ (قیامت) اچانک ان پر آپڑے گی، انہیں حیران کر دے گی، پھر نہ وہ اسے ٹال سکیں گے اور نہ مہلت دی جائے گی، یہ عذاب ناگہانی ہو گا، نہ تیاری کا موقع، نہ واپسی کا راستہ، نہ توبہ کی مہلت۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: اور یقیناً آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر جنہوں نے ان کا تمسخر کیا، وہی عذاب انہیں آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، یہ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ حق کے مخالفین ہمیشہ سے یہی رویہ اختیار کرتے آئے ہیں، مگر انجام کار وہی لوگ ہلاک ہوئے جو حق کا مذاق اڑاتے تھے۔

ان آیات میں انسان کو اس کی حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ وہ فانی ہے اور ایک امتحان میں مبتلا ہے، کفار کی عجلت، استہزاء اور انکار کے باوجود قیامت کا آنا یقینی ہے اور وہ اچانک آئے گی، اس دن نہ کوئی سہارا ہو گا نہ مہلت، تاریخِ انبیاء علیہم السلام گواہ ہے کہ حق کا مذاق اڑانے والے ہمیشہ اپنے انجام کو پہنچے، یہ آیات انسان کو بیدار کرتی ہیں کہ وہ غفلت چھوڑ کر اپنی اصلاح کرے، کیونکہ وقتِ حساب اچانک آ سکتا ہے اور اس کے بعد کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔

انسانی حفاظت کا خدائی انتظام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت میں قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ کا کیا مطلب ہے؟

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ {۴۲}

الأنبياء

جواب ترجمہ: کہہ دو کہ: کون ہے جو رات میں اور دن میں خدائے رحمن (کے عذاب سے) سے تمہارا بچاؤ کرے؟ مگر وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

کون ہے جو رات دن تمہاری نگرانی اور حفاظت کرتا ہے خدائے رحمان کی گرفت سے، کیا تم خود اپنی حفاظت کرتے ہو یا تمہارے معبودان باطلہ تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی نہ کوئی انسان کسی انسان کی حفاظت کرتا ہے اور نہ جن، بلکہ ساری مخلوق کی حفاظت کا انتظام خود خدا تعالیٰ نے ہی کر رکھا ہے۔ خاص طور پر انسان کی حفاظت کے لئے تو اللہ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ بعض فرشتے انسان کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بعض انہیں جسمانی طور پر حوادثات سے بچانے پر مامور ہیں۔ سورۃ ق میں موجود ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (۱۸) ق، بیشک تم پر محافظ مقرر ہیں، جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے یعنی معزز لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو، وہ جانتے ہیں اور لکھتے چلے جاتے ہیں، اس طرح گویا تمہارے تمام اعمال محفوظ کیے جا رہے ہیں۔ جنہیں قیامت کے دن اعمال نامے کی صورت میں تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا يٰبَنِيْ آدَمَ إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ، اے آدم کی اولاد یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں ہم نے محفوظ کر رکھا ہے اگر تمہارے یہ اعمال اچھے ہیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر برے میں تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ ہم نے تمہاری اس کمائی سے کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔

انسانوں کے اقوال و اعمال کی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جسموں کی حفاظت کا بھی مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے، لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (الرعد ۱۱) اس کے آگے اور پیچھے خدائی چوکیدار ہیں، جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو انسان کو مختلف آفات و بلاؤں، جنات اور شیاطین وغیرہ

کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں، پھر جب خدا تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو انسان سے حفاظت اٹھالی جاتی ہے اور وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگر اسی معاملہ میں غور و فکر کر لو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرمایا، اللہ نے تو ان کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ: مگر یہ لوگ اپنے پروردگار کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں، نہ تو یہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی طرف دھیان دیتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

معبودان باطلہ کی بے بسی، مہلت دنیا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ {۴۳} بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ {۴۴} قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ {۴۵} وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ {۴۶} الانبیاء

جواب ترجمہ: کیا ہمارے سوا ان کے لیے ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی شخص ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک عرصہ دراز گزر گیا۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ غالب آنے والے ہیں؟ آپ فرما دیجیے بات یہی ہے کہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں اور بہرے لوگ پکار کو نہیں سنتے جب کہ وہ ڈرائے جاتے ہیں۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور

یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم ظالم تھے۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ: یہ آیت مشرکین کے اس وہم کو چکنا چور کرتی ہے کہ ان کے معبود انہیں عذابِ الٰہی سے بچالیں گے، حقیقت یہ ہے کہ جو خود محتاج اور عاجز ہوں، وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے؟ نہ ان میں قوتِ دفاع ہے، نہ وہ اللہ کے فیصلے کے آگے کسی کو پناہ دے سکتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح فرمایا کہ کیا ان کے پاس ایسے معبود ہیں جو انہیں ہمارے مقابلے میں بچا سکیں؟ حالانکہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہماری طرف سے انہیں کوئی پناہ حاصل ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ: بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کی) نعمتیں دیں یہاں تک کہ ان پر مدت دراز ہو گئی۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟ تو کیا یہ غالب آنے والے ہیں؟ یہاں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کی مہلت دراصل آزمائش ہے، نہ کہ کامیابی کی دلیل۔ لمبی عمر اور فراوانیِ نعمت نے انہیں غفلت میں ڈال دیا۔

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا: میں اس طرف اشارہ ہے کہ باطل کی سرزمین سکڑ رہی ہے اور حق کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے، اسلام کی پیش قدمی اور اہلِ ایمان کی نصرت اس کی روشن مثال ہے۔

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ: پھر سوالیہ انداز میں ان کے غرور کو توڑا گیا کہ کیا اب بھی وہ خود کو غالب سمجھتے ہیں؟

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ: فرما دیجیے: میں تو تمہیں صرف وحی کے ذریعے خبردار کرتا ہوں، مگر بہرے (دل والے) جب ڈرائے جاتے ہیں تو نہیں سنتے، یہاں رسولِ اکرم ﷺ کی ذمہ داری کو واضح کیا گیا ہے کہ آپ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے، جو لوگ ہٹ دھرمی میں حق سے منہ موڑ لیتے ہیں، وہ سن کر بھی ایسے ہیں جیسے بہرے ہوں، ان پر نصیحت اثر نہیں کرتی۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ: اور اگر تمہارے رب کے عذاب کی ایک ہلکی سی جھلک بھی انہیں چھو جائے تو وہ ضرور پکار اٹھیں گے، ہائے ہماری تباہی! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

نَفْحَةٌ کا لفظ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عذاب کا معمولی سا اثر بھی انسان کو بے بس کر دیتا ہے، جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، اس کی ایک جھلک ہی انہیں حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، مگر اس وقت اعتراف بے سود ہوتا ہے۔

ان آیات میں مشرکین کے باطل عقائد کی نفی، دنیا کی مہلت کی حقیقت اور آخرت کے عدل کا نہایت مؤثر بیان ہے، نہ ان کے معبود انہیں بچا سکتے ہیں، نہ دنیا کی مہلت ان کے لیے کامیابی کی دلیل ہے، رسول کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے، جبکہ انجام کار ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا اور وہاں عدل ایسا کامل ہو گا کہ ذرّہ برابر بھی کمی یا زیادتی نہ ہو گی، یہ آیات انسان کو جھنجھوڑتی ہیں کہ وہ باطل سہاروں سے نکل کر حقیقتِ توحید کو اختیار کرے اور اس دن کی تیاری کرے جب ہر عمل کا حساب ہونا ہے۔

قیامت کے دن عدل وانصاف ہو گا

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ {۴۷} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازوئیں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی، چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا، تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے، اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میزان عدل حساب کے لیے رکھیں گے، کسی جان پر ذرہ برابر ظلم

وزیادتی نہیں کی جائے گی، ایک ذرہ برابر کسی کی نیکیاں ہوں گی تو اسے اس کے مطابق جزا ملے گی، جس کی ایک ذرہ برابر برائی ہو گی اسے اسی قدر سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا بہترین حساب دان ہے۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ان کی نیکیوں سے کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا، اور بعض احادیث میں ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

روایت میں آتا ہے کہ أَنَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَأَلَ رَبَّهُ أَنْ يُرِيَهُ الْمِيزَانَ، فَأَرَاهُ كُلَّ كِفَّةٍ قَدْرَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، فَغُشِيَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: يَا إِلٰهِي، مَنِ الَّذِي يَقْدِرُ أَنْ يَمْلَأَ كِفَّتَهُ حَسَنَاتٍ؟ قَالَ: يَا دَاوُدُ، إِنِّي إِذَا رَضِيتُ عَنْ عَبْدِي مَلَأْتُهَا بِتَمْرَةٍ، وَإِنْ كَانَ الشَّيْءُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ، أَيْ زِنَةَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھادیجئے، اللہ نے ان کو میزان دکھادی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب تک اس کی وسعت تھی, حضرت داؤد علیہ السلام اس کو دیکھ کر بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا الٰہی ایسا کون ہے جو اپنی نیکیوں کے ساتھ اس پلڑے کو بھر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوہارے کو خیرات کرنے سے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دوں گا۔ اگرچہ وہ چیز، مثقال حبہ، ایک رائی کے دانے کے بقدر اس کا وزن ہو۔ (تفسیر بغوی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے چند غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان کو مارتا ہوں اور میں ان کو گالیاں دیتا ہوں تو میں اس سے کیسا ہوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جتنا انہوں نے تیری خیانت کی اور تیری نافرمانی کی اور تجھ سے جھوٹ بولا اس کا اور تیرا ان کو سزا دینے کا حساب کیا جائے گا سو اگر تیرا ان کو سزا دینا ان کے جرائم سے کم ہوا تو تیرے لئے زیادتی کا فائدہ ہو گا اور اگر

تیرا ان کو سزا دینا ان کے جرائم کے برابر ہوا تو معاملہ برابر سرابر ہو جائے گا نہ تجھے اجر ملے گا نہ تجھے سزا ملے گی اور اگر تیرا ان کو سزا دینا ان کے جرائم سے زیادہ ہوا تو تجھ سے زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا (یہ سن کر) وہ آدمی رونے لگا اور چیخنے لگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اللہ کی کتاب کو نہیں پڑھا

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ {۴۷} الأنبياء. (احمد، ترمذی، ابن جریر)

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے غلاموں کی پٹائی کرتے ہیں اس بارے میں ہم سے سوال ہو گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے جرائم اور تمہاری سزاؤں کا موازنہ ہو گا اگر سزائیں جرائم سے زیادہ ہوں تو تم سے حساب لیا جائے گا پھر پوچھا ہم جو ان کو گالی اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ یہاں ان کے جرائم اور تمہاری سزاؤں کا موازنہ ہو گا اگر تمہاری سزائیں زیادہ ہوئیں تو تم سے حساب لیا جائے گا۔ پوچھا کہ اپنی اولاد کی پٹائی کرتا ہوں اس کا کیا حکم؟ ارشاد فرمایا ان پر تہمت لگا کر اپنے دل کو خوش مت کرو ایسا نہ کرو کہ خود کھاؤ اور ان کو بھوکا رکھو، خود پہنو ان کو ننگا رکھو۔ (نوادر الاصول حکیم ترمذی، ابن ابی حاتم عن رفاعہ بن رافع زرقی)

ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ غلاموں کو مارنے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر کوئی سزا کی وجہ ہو گی تو ٹھیک ورنہ تم سے قیامت کے دن بدلہ لیا جائے گا پھر پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو گالیاں دینے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اسی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنی اولاد کو سزا دیتے ہیں اور ان کو گالیاں دیتے ہیں (اس کا کیا بنے گا) آپ نے فرمایا وہ غلام تمہاری اولاد کی طرح نہیں ہیں بلاشبہ تم اپنی اولاد کے بارے میں تہمت یا الزام نہیں دیئے جاؤ گے۔ (حکیم ترمذی)

ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال ہے اور میرے غلام ہیں اور میں (ان پر) کبھی غصہ ہوتا ہوں اور کبھی ان سے بد خلقی کا اظہار کرتا ہوں کبھی ان کو گالیاں دیتا ہوں اور کبھی ان کو مارتا ہوں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے جرائم کا تیری سزا کے ساتھ وزن کیا جائے گا اگر ان کے جرائم تیری سزا کے برابر ہوئے تو تجھے جزاء سزا نہیں ملے گی اور اگر تیری سزا زیادہ ہوئی ان کے جرموں سے (اس کے بدلہ میں) تیری نیکیوں میں سے لیا جائے گا قیامت کے دن اس آدمی نے کہا اوہ اوہ میری نیکیوں میں سے لیا جائے؟ یارسول اللہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرے غلام آزاد ہیں میں کسی ایسی چیز کو نہیں روکوں گا کہ جس (کی وجہ) سے میری نیکیوں میں سے لیا جائے آپ نے پوچھا تو نے ایسا گمان کیا کیوں؟ تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول (آیت) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ کا قول نہیں سنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن ترازو کی طرف لایا جائے گا اور وہ اس کے پاس سخت جھگڑا کریں گے۔ (تفسیر در منثور)

فرقان موسوی سے ذکر قرآنی تک

سوال آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ {۴۸} الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ {۴۹} وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ {۵۰} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کا ایک معیار (ہدایت کی) ایک روشنی اور ان متقی لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان عطا کیا تھا۔ جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے خوفزدہ ہیں۔ اور یہ ایک نصیحت ہے مبارک ہے جو ہم نے نازل کی ہے سو کیا تم پھر بھی اس کے منکر ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر نازل ہونے والی الہامی ہدایت کا ذکر فرمایا ہے۔ ”فرقان“ سے مراد وہ جامع کتاب ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن امتیاز قائم کرتی ہے، یعنی تورات، جو

شریعت، برہان اور نصرتِ الٰہی کا مظہر تھی، اسے "ضیاء" فرمایا گیا، کیونکہ وہ دلوں اور راہوں کو منور کرتی ہے، اور "ذکر" اس لیے کہ وہ نصیحت و بیداری کا سرچشمہ ہے، جس سے اہلِ تقویٰ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ: اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت کی گھڑی سے لرزاں رہتے ہیں، یہ آیت متقین کی صفات کو نمایاں کرتی ہے، وہ اللہ سے محض ظاہری حالات میں نہیں بلکہ خلوت اور پوشیدگی میں بھی ڈرتے ہیں، یہی خشیت بالغیب ہے، ان کے دل ہر وقت آخرت کے تصور سے کانپتے رہتے ہیں اور یہی خوف انہیں گناہوں سے بچا کر اطاعت کی راہ پر قائم رکھتا ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ: اور یہ (قرآن) ایک بابرکت نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا، تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟ یہاں قرآنِ مجید کو "ذکرٌ مبارک" قرار دے کر اس کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا گیا ہے، جس طرح موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو کتاب عطا ہوئی، اسی طرح یہ قرآن بھی اسی سلسلۂ ہدایت کی آخری اور کامل کڑی ہے، یہ سراسر خیر، برکت اور ہدایت ہے، جو دلوں کو زندہ اور زندگیوں کو سنوار دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں استفہامِ توبیخی کے ذریعے منکرین کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ جب یہ کتاب اس قدر روشن، بابرکت اور واضح ہدایت ہے، تو پھر اس کا انکار کس بنیاد پر؟

ان آیات میں یہ حقیقت نمایاں کی گئی ہے کہ ہدایتِ الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو عطا کردہ فرقان اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی اور قرآنِ مجید اس کا کامل ترین اظہار ہے، اہلِ تقویٰ وہ ہیں جو دل کی گہرائیوں میں اللہ سے ڈرتے اور قیامت کے تصور سے لرزتے ہیں، یہی لوگ اس "ذکرِ مبارک" سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہیں، جبکہ منکرین اپنی محرومی کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں، یہ آیات انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور قرآنِ مجید کے پیغام کو ایک ہی نورانی سلسلہ سمجھ کر قبول کرے اور اپنی زندگی کو تقویٰ و خشیتِ الٰہی سے مزین کرے۔

دعوتِ ابراہیمی رُشدِ ربانی

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ {۵۱}اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ {۵۲}قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ {۵۳}قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۵۴}قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ {۵۵}قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ {۵۶} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے صحیح راہ عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں ہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کرنے والوں میں سے ہو۔ ابراہیم نے کہا کہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی شان کو نمایاں کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابتدا ہی سے رشد و ہدایت سے نواز دیا تھا، رُشد سے مراد وہ بصیرتِ کاملہ ہے جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرے اور انسان کو توحیدِ خالص تک پہنچادے، یہ عطیہ اس لیے دیا گیا کہ اللہ کو علم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس منصب کے اہل اور اس امانت کے امین ہیں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ: جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے تم دلدادہ بنے بیٹھے ہو؟ یہاں دعوتِ ابراہیمی کا پہلا

مرحلہ سامنے آتا ہے، سوال کے انداز میں جھنجھوڑنا۔ ”تماثیل“ یعنی یہ بے جان مجسمے، جن کے گرد یہ لوگ عقیدت سے جمے بیٹھے تھے، ان کی حقیقت پر سوال اٹھایا گیا، یہ سوال دراصل ان کے باطل عقیدے پر ایک بلیغ ضرب تھا، جو عقل کو بیدار کرنے کے لیے دیا گیا۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ: انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے پایا ہے، یہ جواب کسی دلیل پر مبنی نہ تھا، بلکہ محض اندھی تقلید کا اظہار تھا، نہ غور و فکر، نہ دلیل، بس آباء و اجداد کی پیروی، یہی وہ جمود ہے جو انسان کو حق سے دور رکھتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: انہوں نے فرمایا: یقیناً تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں رہے ہو، ابراہیم علیہ السلام نے بے لاگ انداز میں حقیقت بیان کر دی، ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی ایسی کھلی گمراہی جس میں باطل کا ہونا واضح ہے، یہ اعلانِ حق تھا، جس میں نہ مداہنت تھی نہ مصلحت، بلکہ خالص صداقت۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ: انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس حق لے کر آئے ہو یا تم کھیل کرنے والوں میں سے ہو؟ قوم نے جب مدلل بات سنی تو سنجیدگی کے بجائے استہزاء کا راستہ اختیار کیا، یہ طرزِ عمل اس بات کی علامت ہے کہ وہ حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ اسے مذاق بنا کر رد کرنا چاہتے تھے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ: انہوں نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی واضح اور قطعی دلیل پیش کی، رب وہ نہیں جو بے جان ہو، بلکہ وہ ہے جو خالقِ کائنات ہے، جس نے آسمان و زمین کو عدم سے وجود بخشا، پھر نہایت جرأت کے ساتھ فرمایا کہ میں اس حقیقت کا گواہ ہوں، یعنی میرا ایمان، میرا شعور اور میرا اعلان سب اسی پر قائم ہیں۔

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا ابتدائی نقشہ سامنے آتا ہے، اللہ نے انہیں ابتدا ہی سے رشد و ہدایت عطا فرمائی اور انہوں نے نہایت حکمت اور جرأت کے ساتھ اپنی قوم کے

باطل عقائد کو چیلنج کیا، قوم دلیل کے بجائے تقلید پر قائم رہی، جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا کہ سچا رب صرف وہی ہے جو خالقِ کائنات ہے، یہ آیات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ حق کی دعوت میں حکمت بھی ضروری ہے اور جرأت بھی اور باطل کے مقابلے میں دلیل و بصیرت کے ساتھ کھڑا ہونا ہی انبیاء کا طریقہ ہے۔

براہیمی جرأت، بت شکنی اور آتش نمرود

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ {۵۷} فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ {۵۸} قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ {۵۹} قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ {۶۰} قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ {۶۱} قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ {۶۲} قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ {۶۳} فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ {۶۴} ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ {۶۵} قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ {۶۶} اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ {۶۷} قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ {۶۸} قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ {۶۹} وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ {۷۰} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور اللہ کی قسم میں اس کے بعد ضرور ضرور تمہارے بتوں کے بارے میں کوئی تدبیر کروں گا جب تم پشت پھیر کر چلے جاؤ گے۔ سو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے ان کے ایک بڑے بت کے، شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بیشک ایسا کرنے والا ظالموں میں سے ہے۔ کہنے لگے کہ ہم نے ایک

نوجوان کو سنا تھا کہ ان کا ذکر کر رہا تھا اس جوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے اس جوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ ہو جائیں۔ کہنے لگے اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ حرکت ان کے بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر وہ اپنے نفسوں کی طرف رجوع ہوئے پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ تم ہی ظلم کرنے والے ہو۔ پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکایا بیشک اے ابراہیم تم کو معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کہنے لگے اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا برتاؤ کرنا چاہا سو ہم نے انہیں ان میں سے کر دیا جو بہت ہی زیادہ ناکام ہوتے ہیں۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحیدی جدوجہد کا نہایت عظیم اور بصیرت افروز واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے شرکیہ عقیدے کو عملاً باطل ثابت کرنے کے لیے مناسب موقع پا کر تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کو باقی چھوڑ کر اس کے ساتھ کلہاڑا لٹکا دیا، تاکہ قوم خود سوچنے پر مجبور ہو، جب قوم نے شور مچایا اور تحقیق کی تو ابراہیم علیہ السلام کو مجمعِ عام میں لا کر پوچھ گچھ کی گئی، جس پر انہوں نے حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو، یوں وہ خود اپنے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے، مگر ضد اور ہٹ دھرمی نے انہیں حق قبول کرنے نہ دیا، دلیل سے عاجز آ کر انہوں نے انتقام کے طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا اور ایک عظیم الاؤ تیار کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی حفاظت فرماتے ہوئے آگ کو حکم دیا کہ وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام بالکل محفوظ رہے اور یوں اہلِ باطل کی ساری تدبیریں الٹ کر انہی پر پڑیں اور وہ ناکام و نامراد ٹھہرے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ

توحید ہمیشہ غالب آتی ہے، اور اللہ اپنے سچے بندوں کی ایسی حفاظت فرماتا ہے جو عقل کو حیران کر دیتی ہے۔

سرزمین شام میں برکت رکھی گئی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ وہ کونسی سرزمین ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے؟

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ {۷۱} الأنبياء.

جواب ترجمہ: اور ہم انہیں اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں۔

یعنی حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھ لوط علیہما السلام کو ہم نے اس زمین سے جس پر نمرود کا غلبہ تھا (یعنی عراق کی زمین) نجات دے کر ایک ایسی زمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی ہے مراد اس سے ملک شام کی زمین ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے بڑی برکتوں کا مجموعہ ہے باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ زمین مخزن انبیاء ہے بیشتر انبیاء علیہم السلام اسی زمین میں پیدا ہوئے اور ظاہری برکات آب وہوا کا اعتدال، نہروں اور چشموں کی فراوانی پھل پھول اور ہر طرح کی نباتات کا غیر معمولی نشوونما وغیرہ ہے جس کے فوائد صرف اس زمین کے رہنے والوں کو نہیں بلکہ عام دنیا کے لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ (معارف القرآن) جس زمین میں اللہ تعالیٰ نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی وہ سرزمین شام ہے۔

اولادِ صالحہ کی نعمت اور منصب امامت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ {۷۲} وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ

{۷۳} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب پوتا عطا کیا، اور ہم نے ان سب کو صالحین بنا دیا۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز پابندی کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

ان مبارک آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اپنی خاص عنایات اور غیر معمولی انعامات کا نہایت بلیغ انداز میں ذکر فرمایا ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ صرف ایک نبی کی ذاتی سعادت کا اظہار ہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہدایت و امامت کا سرچشمہ بھی بن گئیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق عطا فرمایا اور مزید کرم کرتے ہوئے یعقوب کو بھی نوازا، جو نافلة یعنی زائد عطیہ اور اضافی نعمت کے طور پر عطا کیے گئے، گویا ایک دعا کے جواب میں دوہری رحمت سے سرفراز فرمایا گیا، اس تعبیر میں ربِّ کریم کی شانِ عطا گری نمایاں ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو مانگے سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ان سب کو صالح بنایا، یہاں صالحیت محض ظاہری نیکی کا نام نہیں بلکہ عقیدہ، عمل، اخلاق اور باطنی طہارت کا ایک جامع وصف ہے، جو نبوت کے منصب کے شایانِ شان ہوتا ہے، چنانچہ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اپنی ذات میں کامل نمونۂ ہدایت اور پیکرِ تقویٰ تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا: اس کے بعد ان کے ایک اور عظیم منصب کا ذکر فرمایا کہ ہم نے انہیں اَئمّہ بنایا، ایسے پیشوا جن کی اقتداء کی جاتی ہے، جو لوگوں کو اللہ کے حکم سے راہِ راست دکھاتے ہیں، اس جملے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی امامت کوئی دنیاوی وراثت نہیں تھی بلکہ یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ روحانی قیادت تھی، جس کی بنیاد اطاعت، اخلاص اور اعلیٰ اوصاف پر قائم تھی، ان کی ہدایت بھی اپنی خواہش سے نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کے تابع تھی، اس لیے ان کی رہنمائی کامل، محفوظ اور حق پر مبنی تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ: فرمایا کہ ہم نے ان کی طرف ہر قسم کی نیکی کے کام کرنے کی وحی کی، یعنی عبادات، اخلاقیات، عدل و احسان اور اصلاحِ معاشرہ کے تمام پہلو ان کی تعلیمات میں شامل تھے، خاص طور پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں بندگی اور معاشرتی ذمہ داری دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ: آخر میں فرمایا کہ وہ ہمارے ہی عبادت گزار بندے تھے، یہ فقرہ گویا ان کی تمام فضیلتوں کا نچوڑ ہے کہ ان کی اصل شان خالص بندگی اور کامل اطاعت تھی، نہ ان میں کوئی شرک تھا، نہ ریاکاری، بلکہ وہ ہر حال میں اپنے رب کے سامنے جھکے ہوئے، اسی کے حکم کے تابع اور اسی کی رضا کے طلبگار تھے۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی نجات اور قوم سدوم کی تباہی

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ جس بستی میں قوم لوط کا گندہ عمل ہوتا تھا اس کا نام کیا ہے؟ یہ کس خبیث بیماری میں مبتلا تھے؟

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ {۷۴} وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَآ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ {۷۵} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور ہم نے لوط کو حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے برے کام کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ لوگ بد ذات تھے، بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا لوط علیہ السلام کا ذکر نہایت بامعنی اور سبق آموز انداز میں فرمایا ہے، یہ آیات ایک طرف اللہ کے برگزیدہ نبی پر ہونے والے خصوصی انعامات کو واضح کرتی ہیں اور دوسری طرف ایک سرکش اور بدکردار قوم کے انجامِ بد کو نمایاں کرتی ہیں۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے لوط علیہ السلام کو "حکم" اور "علم" عطا فرمایا، یہاں "حکم" سے مراد دانائی، قوتِ فیصلہ اور منصبِ نبوت ہے، جبکہ "علم" سے مراد دین کی

گہری سمجھ، حق و باطل میں امتیاز اور اللہ کی شریعت کا فہم ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کو فکری بصیرت اور عملی رہنمائی دونوں سے نوازا، تاکہ وہ اپنی گمراہ قوم کو سیدھی راہ کی طرف بلا سکیں۔

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ: فرمایا کہ ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے لوگ خبیث کاموں میں مبتلا تھے، مفسرین کی تصریحات کے مطابق یہ بستی "سدوم" تھی، جو وادیٔ اُردن کے علاقے میں واقع تھی۔ اس بستی کے ساتھ سات بستیاں اور بھی تھیں، ان سب بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے تباہ و برباد کروادیا تھا، اس کا عبرت ناک منظر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ان میں سے صرف ایک بستی کو باقی چھوڑا گیا تھا، جس میں حضرت لوط اپنے پیروکاروں اور اطاعت گزاروں کے ساتھ رہے۔

یہ لوگ بد فعلی یعنی اغلام بازی کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ یہ لوگ ڈاکو تھے، لوگوں کو لوٹتے تھے، گانا بجانا کرتے تھے، شراب کے عادی تھے، چہروں کے اوپر سے داڑھیاں صاف کرتے تھے، مونچھیں لمبی لمبی رکھتے تھے، سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اپنا لوفر پن ظاہر کرتے تھے، ریشمی کپڑے پہنتے تھے، کبوتر بازی کے بہت شوقین تھے، شریر بچوں جیسے کام کرتے تھے کہ ہاتھوں سے ڈھیلے اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر پھینکتے تھے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ: یہ قوم اپنی بداعمالیوں میں اس حد تک آگے بڑھ چکی تھی کہ انسانی فطرت بھی ان سے نفرت کرنے لگتی تھی، ان کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا، یعنی مردوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا، جو فطرتِ انسانی کے سراسر خلاف ہے، اس کے علاوہ یہ لوگ راہگیروں کو ستاتے، راستے کاٹتے، محفلوں میں علانیہ بے حیائی کرتے اور طرح طرح کی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھے، یوں ان کی پوری اجتماعی زندگی خباثت، بے حیائی اور نافرمانی کا نمونہ بن چکی تھی۔

قرآن کریم ان لوگوں کو قوم سوء قرار دیتا ہے، یعنی یہ برے لوگ تھے، یہ فاسق لوگ تھے یعنی حدود اطاعت و فرمانبرداری سے نکل چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا تھا، مگر ان کی ساری تبلیغ و دعوت کا یہ لوگ مزاح اڑاتے تھے۔

ایسے ماحول میں سیدنا لوط علیہ السلام نے نہایت صبر، حکمت اور جرأت کے ساتھ دعوتِ حق کا فریضہ انجام دیا، مگر جب قوم نے مسلسل سرکشی اور انکار کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے درمیان سے بحفاظت نکال لیا، یہ نجات دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کو ظالموں کے عذاب سے بچالیتا ہے، خواہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرمایا، بے شک وہ ہمارے صالح بندوں میں سے تھے، اس جملے میں ان کی تمام عظمتوں کا خلاصہ موجود ہے کہ وہ نہ صرف نبوت و علم کے حامل تھے بلکہ اپنے کردار، عبادت اور اخلاص میں بھی کامل تھے، اسی لیے وہ اللہ کی خاص رحمت کے مستحق ٹھہرے۔

ان آیات کا جامع پیغام یہ ہے کہ خباثت اور بے حیائی پر قائم معاشرے بالآخر ہلاکت سے دوچار ہوتے ہیں، جبکہ ایمان، پاکیزگی اور استقامت اختیار کرنے والے بندے اللہ کی نصرت اور رحمت کے سائے میں محفوظ رہتے ہیں، یہ واقعہ ہر دور کے انسان کے لیے ایک واضح تنبیہ اور روشن ہدایت ہے کہ وہ فطرت کے خلاف راستوں سے بچ کر پاکیزہ اور صالح زندگی اختیار کرے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی فریاد، قبولیت دعا، طوفان نوح

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ {٧٦} وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ {٧٧} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور نوح کو یاد کیجیے جب اس نے اس سے پہلے پکارا، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی، پھر ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان سے نجات دینے کے لیے ہم نے نوح کی مدد کی، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کے طویل صبر آزما دعوتی سفر، ان کی درد بھری فریاد اور پھر اس فریاد کی قبولیت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی خدائی نصرت کو نہایت مؤثر اور عبرت انگیز انداز میں بیان فرمایا ہے، یہ آیات ایک ایسے نبی علیہ السلام کی داستان سناتی ہیں جس نے صدیوں تک اپنی قوم کو حق کی دعوت دی، مگر جب سرکشی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ کا فیصلہ بھی پوری شان کے ساتھ نازل ہوا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور (یاد کرو) نوح کو، جب اس نے اس سے پہلے پکارا، یہ پکار سوز و گداز سے بھری دعا تھی جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی مسلسل تکذیب، ایذا رسانی اور ہٹ دھرمی کے بعد اپنے رب کے حضور پیش کی، یہ وہی فریاد تھی جس میں ایک نبی نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں مغلوب ہو چکا ہوں، پس تو ہی مدد فرما؛ اور یہ بھی دعا کی کہ زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ، یہ نداء اس وقت بلند ہوئی جب نوح علیہ السلام اپنی قوم کی اصلاح سے بظاہر مایوس ہو چکے تھے، باوجود اس کے کہ انہوں نے نہایت طویل عرصہ تک صبر و حکمت کے ساتھ دعوت کا فریضہ ادا کیا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ: ارشاد ہوتا ہے: "پس ہم نے اس کی دعا قبول کی" اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی فریاد کو رد نہیں فرماتا، بلکہ جب وقتِ فیصلہ آجاتا ہے تو اس کی نصرت فوراً متوجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ: "پھر ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بڑے کرب سے نجات دی" یہ "کربِ عظیم" ایک طرف اس ہولناک طوفان کا نام ہے جو پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے گیا اور دوسری طرف اس طویل اذیت، تمسخر اور تکذیب کا بھی عنوان ہے جس کا سامنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دونوں طرح کے کرب سے نجات عطا فرمائی، ظاہری عذاب سے بھی اور باطنی اذیت سے بھی۔ پھر فرمایا:

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: "اور ہم نے اسے ان لوگوں کے مقابلے میں مدد دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا" یہ نصرت محض حفاظت تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں غلبہ

اور فیصلہ کن کامیابی بھی شامل تھی۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ: اللہ تعالیٰ نے نہ صرف نوح علیہ السلام کو ان کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا بلکہ انہی دشمنوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کر دیا، وہ قوم جس نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا، حق کا انکار کیا اور مسلسل گناہوں میں ڈوبی رہی، اسے "قومِ سوء" قرار دے کر اس کے انجام کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: "بے شک وہ لوگ برے تھے، پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا" یہ غرق ہونا محض چند افراد تک محدود نہ تھا بلکہ پوری قوم کو اپنی گرفت میں لے لیا گیا، کوئی بھی عذاب سے بچ نہ سکا، سوائے ان کے جو ایمان لا چکے تھے، یوں اللہ کا وہ وعدہ پورا ہوا جس میں اس نے فرمایا تھا کہ وہ ظالموں کو مہلت تو دیتا ہے، مگر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی مسلسل دعوت، صبر اور اخلاص کے بعد جب قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا، انہیں اور اہلِ ایمان کو نجات دی، اور منکرینِ حق کو طوفان کے ذریعے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔ یہ واقعہ اس اٹل قانونِ الٰہی کی واضح دلیل ہے کہ حق کے داعیوں کو بالآخر نصرت ملتی ہے اور باطل پر اصرار کرنے والے، چاہے وقتی طور پر کتنے ہی مضبوط نظر آئیں، انجام کار ہلاکت سے دوچار ہوتے ہیں۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز اس آیات کی روشنی میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بکریوں سے متعلق فیصلے کا ذکر کیجیے

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ {۷۸} فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ {۷۹} وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ {۸۰} وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا

فِيْهَا ۚ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ {۸۱}وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ {۸۲}الأنبياء

جواب ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان (کو بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اس کھیت میں جا گھسی تھیں اور ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اسے ہم خود دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنا دیا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں۔ اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔ اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی، تاکہ وہ تمہیں جنگ میں محفوظ رکھے۔ سو کیا تم شکر کرنے والے ہو۔ اور سلیمان کے لیے تیزی سے چلنے والی ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف لے جاتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ اور بعض شیاطین ایسے تھے جو ان کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم حفاظت کرنے والے تھے۔

تفسیر: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں اور باوجود بادشاہت اور فرمانروائی کے خدا پرست تھے اور غایت درجہ کے عادل اور منصف تھے، امیری اور فقیری اور شاہی اور درویشی دونوں کے جامع تھے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت کا نمونہ تھی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نبی تھے اور اللہ کے خلیفہ تھے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی نہ تھے، مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تھے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ بکریوں والے قصہ میں فرماتے ہیں کہ ”صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کا کھیت بالکل چر لیا، فریقین اپنا مقدمہ لیکر فیصلہ کرانے کے لیے

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، کھیت والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میرا سارا کھیت چر گئیں اور اس میں نال تک نہ چھوڑی، حضرت داؤد علیہ السلام نے حال سن کر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کل بکریوں کی قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے لہٰذا آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہ بکریاں سب کھیت والے کو دے دی جائیں کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، وہ یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چل دیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو کہا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا، میں دوسری طرح فیصلہ کرتا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے نزدیک فیصلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ بکریاں تو کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی کریں یہاں تک کہ جب سال آئندہ اس کا کھیت پھر اس حالت پر آجائے کہ جس دن وہ کھایا گیا تھا تو بکریوں والا اس کا کھیت اس کے حوالے کر دے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے، اس میں دونوں کا فائدہ ہے نقصان کسی کا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے فیصلہ کا یہ طریقہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ جو دونوں فریق کے حق میں مفید ہو گیا اور ہر ایک کو یعنی باپ اور بیٹے کو ہم نے علم و حکمت عطا کی، ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا دونوں فیصلے حق تھے دونوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نقصان کا تاوان اور ضمان دلایا جائے۔

داؤد علیہ السلام نے ضمان کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل کر کے کھیت والے کی ملک کر دیں اور سلیمان علیہ السلام نے کسی کی ملک زائل نہیں کی بلکہ بکریوں کے منفعت سے اس کے نقصان کی تلافی کر دی کہ اتنی مدت تک بکریوں کی منفعت کھیت والے کے لیے حلال کر دی جب تک وہ کھیت اپنی اصلی حالت پر نہ آجائے کھیت والا بکریوں کے چر جانے کی وجہ سے اپنے کھیت کی منفعت سے محروم ہو گیا تھا، اس کی تلافی کے لیے ایک مدت تک بکریاں اس کے حوالہ کر دی گئیں کہ اس سے منتفع ہوتا ہے بدون اس کے کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل ہو نقصان کی تلافی

منفعت سے فرمادی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جو چوری کرے تو اس کو غلام بنالیا جائے، اس کے مطابق یہ حکم دیا، قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (۷۵) یوسف، انہوں نے کہا: اس (چوری کرنے والے) کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ (چوری کی چیز) پائی جائے، وہی اس کی سزا ہو گا۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

اور سلیمان علیہ السلام نے دوسرا فیصلہ کیا، جس میں دونوں کا نقصان نہ ہو حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کا وقت تھا بکریوں کی حفاظت اور ان کو بند رکھنا بکریوں کے مالک کا ذمہ تھا اگر وہ بکریوں کی پوری نگرانی رکھتا تو بکریاں باہر نکل کر کسی کا کھیت خراب نہ کرتیں پس جب بکریوں کے مالک نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی اور اس کوتاہی کی وجہ سے دوسرے کا کھیت خراب ہوا۔ تو داؤد علیہ السلام نے اس نقصان کے ضمان اور تاوان میں بکریاں کھیت والے کو دے دیں اور کھیت والے کو ان بکریوں کا مالک بنادیا، کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی اس قسم کے فیصلہ کو اصطلاح فقہاء میں قیاس جلی کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ملکیت ہر ایک کی بحالہ برقرار رکھی، کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے منافع سے کردی اس قسم کے قیاس کو اصطلاح فقہاء میں استحسان کہتے ہیں۔

پس جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا اسی طرح فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس استحسان کی طرف رجوع کرنا اَولیٰ اور اَحسن ہے فیصلے دونوں ہی حق تھے مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا وہ ایک قسم کی صلح تھی اور فریقین اس پر راضی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم و حکمت کی تعریف کی اور اس مسئلہ اور اس فیصلہ میں سلیمان علیہ السلام کی خاص طور پر مدح فرمائی کہ ہم نے ان کو اس مسئلہ میں اپنی خاص تفہیم غیبی سے نوازا۔

سلیمان علیہ السلام اس وقت کمسن تھے، دس گیارہ سال کی عمر تھی، بوڑھے باپ کی موجودگی میں کمسن لڑکے کی زبان سے ایسے علم کا ظاہر ہونا وہ در حقیقت منجانب اللہ باپ کے لیے بشارت تھی کہ یہ سمجھ دار بیٹا جب تمہارے بعد تمہارا خلیفہ اور جانشین ہو گا تو ایسے فیصلے کرے گا۔ (معارف القرآن)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے نَفَشَت کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں **ھمل** کہتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کی کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کر دی جائیں وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکری والے کو دے دیا جائے یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہو جائیں انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آجائیں جس پر تھے تو باغ والے کو اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ سن کر بکریوں والے اپنا سا منہ لے کر صرف کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے واپس جا رہے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوا؟ انہوں نے خبر دی تو آپ نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ نہ دیتا بلکہ کچھ اور فیصلہ کرتا حضرت داؤد علیہ السلام کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں بلوایا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ نے وہی اوپر والا فیصلہ سنایا۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ رماتے ہیں ان بکریوں نے خوشے اور پتے سب کھا لئے تھے، تو حضرت داؤد

علیہ السلام کے فیصلے کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کی بکریاں باغ والوں کو دے دی جائیں اور یہ باغ انہیں سونپا جائے جب تک باغ اپنی اصلی حالت پر آئے تب تک بکریوں کے بچے اور ان کا دودھ اور ان کا کل نفع باغ والوں کا، پھر ہر ایک کو ان کی چیز سونپ دی جائے۔ (ابن کثیر)

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ تسبیح کریں، یہ ایک غیر معمولی معجزہ تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے دلنشین لہجے میں اللہ کی حمد و تسبیح بیان کرتے تو پہاڑ گونج اٹھتے اور پرندے بھی اس ذکر میں شامل ہو جاتے، یوں کائنات کی بے جان اور جاندار مخلوق ان کی آواز کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں ہم نوا بن جاتی تھی، یہ منظر اس بات کا مظہر تھا کہ جب بندہ اللہ کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا

وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ: یعنی یہ سب کچھ ہماری قدرت سے ہوا، ہمارے لیے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ پہاڑوں اور پرندوں کو اپنے نبی کے ساتھ تسبیح کرنے پر لگا دیں۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک اور عظیم احسان کا ذکر فرمایا کہ ہم نے انہیں تمہارے لیے زرہیں بنانے کی صنعت سکھائی، اس زمانے میں جنگی حفاظت کے ذرائع محدود تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کو نرم کرنے اور اس سے مضبوط مگر ہلکی زرہیں بنانے کا فن عطا فرمایا، اس صنعت کا مقصد یہ تھا کہ لوگ جنگ کے دوران دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں، گویا حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک ایسی فنی مہارت دی گئی جو انسانیت کے لیے نفع بخش ثابت ہوئی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ: صنعت سازی جیسی نعمت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو متوجہ کرتا ہے کہ کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟ یعنی جب اللہ اپنے بندوں کے فائدے کے لیے اس قدر نعمتیں عطا کرتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ انسان اس کے حضور شکر و سپاس میں جھک جائے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا، پھر حضرت سلیمان

علیہ السلام پر ہونے والی ربانی عنایتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا، جو تیز چلتی تھی مگر ان کے حکم کی پابند تھی، وہ جہاں چاہتے، ہوا ان کے تخت کو لے جاتی اور انہیں اس سرزمین تک پہنچاتی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، یعنی سرزمینِ شام، یہ محض ہوا کا چلنا نہ تھا بلکہ قدرتِ الٰہی کا ایک عظیم مظہر تھا کہ فضا کی قوت ایک نبی کے حکم کی تابع بنادی گئی، اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ زمین و آسمان کی تمام قوتیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ جسے چاہے ان کا مالک و مختار بنادے۔ اس کے بعد فرمایا کہ

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ: بعض شیاطین بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے گئے تھے، وہ سمندروں میں غوطے لگا کر قیمتی جواہرات نکالتے اور اس کے علاوہ بھی مختلف کام انجام دیتے تھے، مثلاً محلات، قلعے اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرنا، یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے تابع تھا، لیکن چونکہ شیاطین سرکش طبیعت رکھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ: یعنی ہم خود ان کی نگرانی کرتے تھے، تاکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر نہ جائیں اور فساد نہ پھیلائیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل اقتدار اللہ ہی کا ہے، اگرچہ شیاطین کو کام پر لگایا گیا تھا مگر ان کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں تھی۔

ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو روحانی معجزات بھی عطا فرمائے اور مادی علوم بھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو کائناتی قوتوں اور مخلوقات پر تصرف کی ایسی قدرت عطا فرمائی جو انسانی عقل کو حیران کر دیتی ہے، پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح میں شریک ہونا، زرہوں کی صنعت کا عطا ہونا، ہوا کا فرمانبردار بن جانا اور شیاطین کا تابع ہو جانا، یہ سب اس حقیقت کی روشن دلیلیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے جو اس کی قدرت، حکمت اور اپنے نبیوں کی عظمت کو نمایاں کرتی ہیں۔

یہ آیات اہلِ ایمان کو یہ سبق دیتی ہیں کہ اقتدار، علم، صنعت، قوت اور کائناتی تصرف سب اللہ کے عطا کردہ ہیں، جب وہ اپنے بندوں پر فضل فرماتا ہے تو بے جان پہاڑ، اڑتے پرندے، چلتی ہوائیں اور سرکش شیاطین بھی ان کے تابع ہو جاتے ہیں، لہٰذا بندے کے لیے اصل کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اللہ کی عطا پر شکر گزار رہے اور یہ سمجھے کہ ہر قوت اور ہر نعمت کا سرچشمہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

صبر ایوب علیہ السلام کا عجیب قصہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ {۸۳} فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ {۸۴} الأنبیاء

جواب ترجمہ: اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی جو تکلیف تھی وہ دور کر دی ہم نے ان کا کنبہ عطا فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی دیا اپنی رحمت خاصہ کی وجہ سے، عبادت کرنے والوں کے لیے یادگار رہنے کے سبب سے۔

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ عوض کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا، خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی، اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو بار برداری کے گدھے تھے، اس کے نوکر چاکر بیشمار تھے اور اہل مشرق میں اس درجہ مال دار کوئی نہ تھا، وہ اس دولت و شوکت کے لیے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا۔

لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آپڑیں، ان کے مویشی لوٹ لیے گئے، نوکر چاکر قتل

ہو گئے، اولاد مر گئی، جاہ و حشم نابود ہو گیا اور زندگی کی خوشحالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی، پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کر کے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو، بیک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔

لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی زبان سے کلمہ صبر و شکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا، وہ سجدے میں گر پڑا اور کہا میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا، خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا۔ اس کے نام کے لیے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہوں۔ (ایوب: ۲۲: ۱) سب کچھ جا چکا تھا، صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی، اب اس نے بھی جواب دے دیا اور ایوب کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے، وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا۔

لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحہ کے شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی، اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے، لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح یقین دل کا صبر اور زبان کا زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے، چنانچہ تمام صحیفہ ایوب انہی دلنشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے، ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔

اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حل سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے ردو کد کرتے ہیں، پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی، اسے پہلے کی نسبت دوچند دولت عنایت کی، اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا، اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ (۱۰: ۴۲)

اس بات کے اظہار کے لیے یہ حضرت ایوب کے لیے ایک آزمائش تھی پیرایہ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ شیطان نے کہا ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لیے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی

خوشحالیاں دے رکھی ہیں، اگر وہ ان سے محروم ہوجاتے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو، لیکن وہ خوشحالیوں سے محروم ہوگئے، پھر بھی ان کا ایمان ویقین گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

قرآن نے صبر وشکر کی یہ پوری داستان صرف چند جملوں میں بیان کردی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی مؤثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحوں کا شاعرانہ اطناب ہے۔ آیت (۸۱) سے (۸۴) پر مکرر نظر ڈالو

انی مسنی الضر میں ان کے درد ومصیبت کی ساری داستان آگئی، کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا، ساتھ ہی اسلوب خطاب یہ ہوا کہ میں دکھ میں پڑ گیا ہوں، یہ نہ ہوا کہ تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے، کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا، اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سرتاسر سکھ اور راحت ہی ہے، جو حالت بھی ہمارے لیے دکھ ہوجاتی ہے خود ہماری ہی صورت حال کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے مخاطبات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی۔ (تفسیر ترجمان القرآن)

تفسیر ضیاء القرآن میں ہے "زوجہ محترمہ کا نام رحمت بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرائین کی لخت جگر تھیں بڑی حسین وجمیل اور صحت مند تھیں ان گوناگوں انعامات کے باوجود آپ اپنے خالق کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں ہر طرح سرگرم رہا کرتے مشیت الٰہی نے جب آزمانا چاہا کھیتیاں جل کر راکھ ہوگئیں، مال مویشی میں ایسی وبا پھوٹی کہ ایک بھی زندہ نہ رہا، آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے مکان گرا اور سب لقمہ اجل بن گئے، آپ کے جسم میں آبلے نمودار ہوتے گئے، خارش کی وجہ سے انہیں کھجلایا تو انہوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کرلی، ان میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگے، جسم سے پیپ بہنے لگی، سب نیاز مند اپنا سلسلہ نیاز وعقیدت توڑ کر الگ ہوگئے، سب دوستوں نے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں، شہر والوں نے بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے، آزمائش کی ان ہوشربا گھڑیوں میں نہ زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ دل میں کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا، کافی عرصہ اسی حالت میں گزر گیا بعض نے سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ (ضیاء القرآن)

تین سال، سات سال، تیرہ سال اور اٹھارہ سال بھی لکھے ہیں، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بڑے بلند پائے کے محدث ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے تیرہ سال والی روایت قوی ہے۔(ذخیرۃ الجنان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سات سال سے کچھ اوپر مہینے وہ اس بیماری اور آزمائش میں رہے، حمید کہتے ہیں کہ یہ امتحان آٹھ سال تک رہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایوب علیہ السلام کے اس امتحان کی مدت اٹھارہ سال بیان کی ہے۔(دعائے انبیاء علیہم السلام از محمود الرشید حدوٹی)

تفسیروں میں بہت ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایوب علیہ السلام کے ذہن میں خیال آیا کہ اس علاقہ میں مجھ سے بڑا مالدار کوئی نہیں ہے یعنی اپنے مال پر تھوڑا سا ناز کیا یہ رب تعالیٰ کو پسند نہ آیا رب تعالیٰ نے امتحان میں مبتلا کر دیا۔

اور یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ کسی جگہ جارہے تھے راستے میں ایک مظلوم نے اپنی مظلومیت بیان کی اور مدد مانگی ان کو جلدی تھی چلے گئے اور اس کی مدد نہ کی اور تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک دن ایوب علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو فرمایا کہ بکری ذبح کر کے بھونو، خود بھی کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ، پہلے پڑوسیوں کو دینے کی عادت تھی اس دن بھول گئے اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا، کوئی بھی وجہ ہو یہ بات حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انانیت پسند نہیں ہے فخر و ناز پسند نہیں ہے تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک لڑکے نے سب بہن بھائیوں کی دعوت کی والدین سمیت۔ والدہ بی بی رحمت رحمہا اللہ اور والد ایوب علیہ السلام نے کہا کہ سارے مکان کو بند کر کے جانا مشکل ہے، بہت بڑا مکان تھا کوئی کتا بلا اندر نہ آجائے تم سارے جا کر کھا کر فارغ ہو کر آجاؤ پھر ہم جا کر کھالیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ کی قدرت کھانا کھا رہے تھے کہ مکان گرا سب نیچے آکر دب کر مر گئے، بیٹے، بیٹیاں داماد بہوئیں بڑے چھوٹے کوئی ایک بھی نہ بچا، حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔(ذخیرۃ الجنان)

حضرت ایوب علیہ السلام کی باوفا بیوی کا ذکر: بہر حال بی بی! بڑی وفادار تھی، محنت مشقت کر کے لاتی خود بھی کھاتی ان کو بھی کھلاتی اس نے ساتھ چھوڑا، ایک دن ایسا ہوا کہ واپس گھر آرہی تھی ایک جگہ مجمع لگا

ہوا تھا اس میں ایک حکیم کھڑا تھا لوگوں کو گولیاں اور پڑیاں دے رہا تھا یہ بھی جا کر کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ میرا خاوند بیمار ہے اور میرے پاس پیسہ دھیلا بھی کوئی نہیں ہے، اس نے کہا تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا رحمت بی بی بنت فراثیم۔ خاوند کا کیا نام ہے؟ ایوب بن عیش علیہ السلام۔

کہنے لگا بی بی میں نے کوئی پیسہ نہیں لینا یہ دوائی مفت لے جاؤ مگر اتنی بات کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دیدی حکیم نے شفا دے دی، وہ بناوٹی حکیم ابلیس لعین تھا، بی بی پڑیاں لے کر گھر گئی اور کہا کہ حکیم نے دوائی مفت میں دی ہے اور کہا ہے کہ بس اتنا کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دی ہے، یہ شری جملہ تھا اگرچہ اس کی تاویل ہو سکتی تھی کہ حکیم شفا کا سبب بنا ہے شفا تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

دوا اس سے، شفا اس سے، نہ دوسرا شافی پایا حکیموں کے بھی نسخوں پر ھو الشافی لکھا پایا

حضرت ایوب علیہ السلام کو اس جملے پر غصہ آیا کہ کہہ دینا حکیم نے شفا دی ہے، فرمایا میں تجھے سو لاٹھیاں ماروں گا ابلیس کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ میرے ایمان پر ڈاکا ڈالتا ہے، یہ لاٹھیوں کا ذکر سورۃ ص میں ہے، ایک دن رب تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا حضرت ایوب علیہ السلام کو فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (ص) یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام جوان کی طرح ہو گئے، حضرت رحمت بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے واپس آئی تو پہچان نہ سکی، کہنے لگی یہاں میرے بیمار کمزور خاوند تھے، فرمایا میں ہی ہوں، بیوی نے کہا میرے ساتھ مسخرہ نہ کرو میں پیغمبر کی بیوی ہوں، فرمایا میں ہی ایوب پیغمبر ہوں اللہ تعالیٰ نے تندرستی دی ہے، پھر آگے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اولاد کو زندہ کیا اور اتنے بچے اور دیئے اور یہ خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت دی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ بیٹے عطا فرمائے، تین بیٹیاں تھیں اب چھ دیدیں، حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے تو اوپر سے سونے کی

ٹڈیاں گر رہی تھیں ڈھیر لگ گیا، ایوب علیہ السلام نے جلدی جلدی کپڑے سے لپیٹنا شروع کیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أُغْنِيكَ، اے ایوب میں نے تجھے غنی نہیں کیا مال کے ساتھ؟ کہنے لگے اے پروردگار! جب آپ دینے والے ہیں تو پھر میں کیوں نہ لوں؟ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے جسم سے گوشت گر چکا تھا، صرف ہڈیاں اوپٹھے باقی رہ گئے تھے، ان کی بیوی ان کے لیے راکھ لے کر آتی جو ان کے نیچے بچھاتی تھی اور ساتھ ہی اپنے شوہر ایوب علیہ السلام کو کہتی کہ يَا أَيُّوبُ لَوْ دَعَوْتَ رَبَّكَ لَفَرَّجَ عَنْكَ فَقَالَ قَدْ عِشْتُ سَبْعِينَ سَنَةً صَحِيحًا فَهُوَ قَلِيلٌ لِلّٰهِ أَنْ أَصْبِرَ لَهُ سَبْعِينَ سَنَةً (البدایہ والنہایہ ج ۱) اے ایوب! اگر آپ اپنے رب سے دعا کریں تو وہ آپ کی اس تکلیف کو دور کر دے گا، اس پر ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال تک تندرست رہا وہ تھوڑے ہیں؟ میں اللہ کے لیے ستر سال صبر کروں گا۔ (دعائے انبیاء از مؤلف حدوٹی)

ایوب علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا تھا، ان سے امتحان وآزمائش ختم کر دی تھی، جو کچھ ان کا مال ومتاع، اہل وعیال ختم ہو گئے تھے، اللہ نے انہیں دوبارہ سے عطا فرمادیے تھے، بلکہ دگنا دے دیا تھا، اس واقعہ میں ہر اس شخص کے لیے نمونہ اور ماڈل ہے جو امتحانوں اور آزمائشوں پر صبر سے کام لیتا ہے۔ ارشاد ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ: پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی، اسے دور کر دیا۔

وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَى لِلْعَابِدِينَ: اور ان کو ان کے گھر والے بھی دیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی لوگ اور بھی تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ ہو اور عبادت کرنے والوں کو ایک یادگار سبق ملے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بی بی رحمت لوگوں کے کام کاج کر کے ایوب علیہ السلام کو کھلاتی تھیں،

پھر جب لوگوں کو پتا چلا کہ یہ تو ایوب علیہ السلام کی بیوی ہے تو وہ ان سے کام نہیں کرواتے تھے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں اس کی وجہ سے وہ بیماری ہمیں بھی نہ لگ جائے، چنانچہ انہوں نے اپنی مینڈھیوں میں سے ایک مینڈھی ایک امیر زادی کے ہاتھ بیچی جس سے قیمتی غلہ زیادہ مقدار میں خرید لیا اور ایوب علیہ السلام کے پاس لے کر آئیں، انہوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائی ہو؟ تو انہوں نے بات بتادی، چنانچہ ایوب علیہ السلام نے اسے ناپسند کیا، اگلے روز جب انہوں نے وہی ماجرا دیکھا تو دوسری مینڈھی بھی بیچ ڈالی، جس سے غلہ لے کر آئیں مگر ایوب علیہ السلام نے آج بھی اس بات کو ناپسند کیا اور قسم کھالی کہ وہ اسے اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب تک تو یہ بتا نہ دے کہ یہ کھانا کہاں سے لائی ہے؟ اس سوال پر انہوں نے اپنے سر سے چادر اتاری تو ایوب علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا سر منڈھا ہوا ہے، اس پر ایوب علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کی

أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ: مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے، ایک دن وہ ان کے پاس آئے، مگر وہ ان کے قریب نہ جاسکے، دور ہی کھڑے رہے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر اللہ ایوب میں کوئی بھلائی و خیر دیکھتے تو انہیں اس امتحان میں نہ ڈالتے، ان کی اس بات سے ایوب علیہ السلام اس قدر پریشان ہوئے کہ کبھی کسی بات سے اتنے پریشان نہ ہوئے، عرض کرنے لگے اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَبِتْ لَيْلَةً قَطُّ شَبْعَانًا وَأَنَا أَعْلَمُ مَكَانَ جَائِعٍ فَصَدِّقْنِي اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی شکم سیر ہو کر رات نہیں گزاری درانحالیکہ میں کسی بھوکے کی جگہ کو جانتا ہوتا، پس میری تصدیق کیجیے، اس پر ان کی تصدیق کی گئی تو وہ دونوں بھائی سن رہے تھے، پھر عرض کی

اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي لَمْ يَكُنْ لِي قَمِيصَانِ قَطُّ وَأَنَا أَعْلَمُ مَكَانَ عَارٍ فَصَدِّقْنِي، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری کبھی دو قمیصیں نہیں ہوئیں اس حال میں کہ مجھے کسی ننگے آدمی کا علم ہوتا، پس

میری تصدیق کیجیے، پس آسمان سے تصدیق کی گئی تو وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر عرض کرنے لگے اَللّٰھُمَّ بِعِزَّتِكَ، اے اللہ! تیری عزت کی قسم! یہ کہتے ہی سجدے میں چلے گئے، پھر عرض کرنے لگے اَللّٰھُمَّ بِعِزَّتِكَ لَا أَرْفَعُ رَأْسِي أَبَدًا حَتّٰى تَكْشِفَ عَنِّي، اے اللہ! تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک زمین سے سر نہیں اٹھاؤں گا جس وقت تو میری اس حالت کو مجھ سے دور نہیں کر دیتا۔ اس وقت تک آپ علیہ السلام نے سر نہیں اٹھایا جب تک یہ حالت آپ سے ختم نہیں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱)

امتحان و آزمائش کا خاتمہ: حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے دوران ان کی بیوی انہیں قضائے حاجت کے لیے لے جاتی تھیں، جب وہ فارغ ہو جاتے تو وہ ہاتھ تھام کر انہیں واپس لاتی تھیں، ایک دن ان کی بیوی نے دیر کر دی، اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ اپنا پاؤں (زمین پر مار) یہ ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کے لیے ہے۔

جب ان کی بیوی ان کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش اور امتحان ختم کر دیا، جو بیماری انہیں تھی وہ اللہ نے ختم کر دی اور وہ اس وقت بہت ہی خوبصورت شکل میں موجود ہیں، یہ منظر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں، ارے! کیا تو نے اللہ کے نبی کو یہاں نہیں دیکھا؟ اللہ کی قسم جب وہ تندرست تھے تو تیری شکل کے ساتھ ملتے جلتے تھے، اس پر ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱) اللہ تعالیٰ نے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جس سے ایوب علیہ السلام نے پیا تو جسم کی اندرونی بیماریاں اور ظاہری بیماریاں ختم ہو گئیں، بعض کے نزدیک دو چشمے تھے ایک سے پیا اور دوسرے سے غسل کیا۔

امتحان کے بعد نعمتیں لوٹ آئیں: علامہ ابن کثیر علیہ السلام ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی دو کوٹھیاں تھیں ایک گندم کیلئے اور ایک جو کے لئے، اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی۔ (البدایہ بحوالہ ابن جریر)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو جنت کا لباس پہنا دیا تھا، ایوب ایک طرف ہوئے اور ایک کونے میں بیٹھ گئے، ان کی بیوی آئیں تو انہیں اس حالت میں پہچان نہ سکیں، کہنے لگیں

کہ اے اللہ کے بندے! یہاں ایک شخص تھا جو بیمار تھا شاید اسے کتے اٹھا کر لے گئے ہیں یا پھر بھیڑیے کھا گئے ہیں، ان کے ساتھ کچھ دیر تک باتیں کرتی رہیں، اس کے بعد ایوب علیہ السلام نے کہا کہ شاید میں ایوب ہی ہوں، بیوی کہنے لگیں کہ کیا آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی ایوب ہوں اللہ نے میرا جسم مجھے واپس کر دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱)

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں ان کا مال واپس کر دیا، ان کی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے واپس کر دی اور ان سب نعمتوں کی طرح اور بھی مزید عطا کیں۔

وھب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب رحمہ اللہ کی طرف وحی بھیجی کہ قَدْ رَدَدْتُ عَلَيْكَ أَهْلَكَ وَمَالَكَ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ فَاغْتَسِلْ بِهَذَا الْمَاءِ فَإِنَّ فِيهِ شِفَاءَكَ وَقَرِّبْ عَنْ صَحَابَتِكَ قُرْبَانًا وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ قَدْ عَصَوْنِي فِيكَ (ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ) میں نے تجھے تیری اولاد واپس کر دی ہے، تیرا مال تجھے واپس کر دیا ہے اور اس جتنا اور بھی تجھے دیا ہے، اس چشمے سے پانی پی اس میں تیرے لیے شفا ہے، اپنے دوستوں کی طرف سے قربانی کر اور ان کے لیے استغفار کر، انہوں نے تیرے سے متعلق میری نافرمانی کی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمَّا عَافَى اللهُ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمْطَرَ عَلَيْهِ جَرَادًا مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ يَأْخُذُ بِيَدِهِ وَيَجْعَلُ فِي ثَوْبِهِ قَالَ فَقِيلَ لَهُ يَا أَيُّوبُ أَمَا تَشْبَعُ؟ قَالَ يَا رَبِّ وَمَنْ يَشْبَعُ مِنْ رَحْمَتِكَ. جب اللہ نے ایوب رحمہ اللہ کو صحت دی تو ان پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی وہ ان ٹڈیوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑتے جاتے تھے اور اپنے کپڑے میں ڈالتے جاتے تھے، اس پر انہیں کہا گیا کہ اے ایوب! کیا تم سیر نہیں ہوئے؟ اس پر ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے اللہ! تیری رحمت سے کون سیر ہوتا ہے؟ (البدایہ، تفسیر ابن کثیر)

طبری نے نقل کیا ہے کہ ایوب علیہ السلام پر ایمان لانے والے تین ہی بندے تھے، ان میں ایک کا نام یلدد، دوسرے کا الیفر اور تیسرے کا نام صافر تھا، تورات میں ان تینوں کے نام یہ ہیں یلدد شوحی، یفار یمانی اور صوفر نعمانی۔ (البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش اور امتحان کے بعد ایوب علیہ السلام کو سب کچھ دے دیا تھا اولاد بھی مل گئی تھی ،مال کی فراوانی بھی ہو گئی تھی ،سونے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی گئی تھی ، اولاد کو اللہ نے ان کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ زندہ اٹھا دیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ نے ایوب علیہ السلام کی جوانی لوٹا دی تھی بلکہ اس جوانی میں اضافہ بھی کر دیا تھا اور سولہ مذکر بچے اللہ نے عطا فرمائے تھے۔ اس کے بعد ایوب علیہ السلام ستر سال تک دنیا میں رہے ،روم میں رہائش پذیر تھے۔ (از دعائے انبیاء للحدوٹی)

حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ {۸۵}وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ {۸۶} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجیے، یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ آیات حضرت ایوب علیہ السلام کے ذکر کے بعد ان برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ کرتی ہیں جنہوں نے زندگی کی آزمائشوں، دعوتِ دین کی مشقتوں اور حالات کی سختیوں میں غیر معمولی صبر کا مظاہرہ کیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر ذبح کے لیے پیش ہو کر کامل اطاعت و تسلیم کا مظاہرہ کیا، بے آب و گیاہ وادیٔ مکہ میں قیام کیا اور بیت اللہ کی تعمیر میں مشقتیں برداشت کیں، اسی صبر و وفاداری کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم شرف سے نوازا۔ (تفسیر المراغی)

حضرت ادریس علیہ السلام اپنی عبادت، زہد اور استقامت کے اعتبار سے ممتاز تھے اور ان کا شمار بلند مرتبہ صابرین میں ہوتا ہے۔ (مفاتیح الغیب)

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک وہ نبی تھے، جب کہ بعض انہیں ایک عادل وصالح حکمران قرار دیتے ہیں، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ وہ عدل، دیانت اور صبر میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ تینوں بزرگ ایک مشترک صفت، صبر، میں کامل تھے، یعنی اللہ کے احکام کی پابندی، مصائب پر ثابت قدمی اور دین کی خاطر اذیتوں کو برداشت کرنا۔ (محاسن التأویل)

وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ: اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ نیک بندوں میں سے تھے، اس رحمت سے مراد اللہ کی رضا، جنت اور اس کی خاص عنایات ہیں، بعض مفسرین نے اسے نبوت کی نعمت سے تعبیر کیا ہے، جبکہ بعض کے نزدیک یہ دنیا و آخرت کی ہر قسم کی الٰہی نعمتوں کو شامل ہے۔ (تفسیر المراغی، محاسن التأویل، مفاتیح الغیب) "صالحین" کا وصف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرات کامل نیکی، طہارتِ باطن اور اللہ کی اطاعت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور اللہ کے مقرب بندوں میں شمار ہوتے تھے۔ (الموسوعہ القرآنیہ)

ان آیات میں حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کو صبر و استقامت کے عظیم نمونوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے، انہوں نے ہر حال میں اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خاص رحمت اور صالحین کے بلند مقام سے نوازا۔

حضرت یونس بن متّی علیہ السلام کا حیرت انگیز واقعہ

سوال حضرت یونس بن متی کا قصہ کیا ہے؟ آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ {٨٧} فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ {٨٨} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام کو دیکھو! جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے

تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: (یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، بیشک میں قصور وار ہوں۔ اس پر ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں گھٹن سے نجات عطا کی۔ اور اسی طرح ہم ایمان رکھنے والوں کو نجات دیتے ہیں۔

تفسیر: صاحب الحوت (مچھلی والے پیغمبر) حضرت یونس بن متّیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اہل نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا، حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی مگر وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور نہ ہی ان کی دعوت پر انہوں نے سر تسلیم خم کیا، یونس علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب سے بھی ڈرایا مگر وہ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، جب قوم کی بگڑتی حالت دیکھی، ان کی سرکشی اور تمرد کو جانچا تو ناراض ہو کر وہاں سے نکل گئے، اپنے لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام سخت رنجیدہ خاطر ہوئے، ان کا خیال یہ تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ انہیں کسی تنگی میں مبتلا نہیں کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک آزمائش سے دوچار کر دیا، دریا میں ڈال دیے گئے، جہاں ایک مچھلی نے انہیں اللہ کے امر سے نگل لیا تھا، پھر حضرت یونس علیہ السلام نے رات کی تاریکی میں، پانی کے اندھیرے میں، مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا، اپنے قصور کا اعتراف کیا، کہ میں نے اپنی قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرانے کے بعد وہاں ٹھہرنے میں صبر سے کام نہیں لیا، چنانچہ انہوں نے اللہ کی الوہیت اور وحدانیت کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کی، کہ مجھ ہی سے زیادتی کا صدور ہوا ہے۔

امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "آیت (۸۷) میں ذوالنون سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس علیہ السلام ہیں، عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام یوناہ آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے، یہاں انہیں ذوالنون کے نام سے پکارا گیا ہے کیونکہ ان پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اور قدیم عربی میں نون مچھلی کو کہتے تھے، چنانچہ آرامی، کلدانی ور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔

اس صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یروشلم میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا اور حکم دیا

باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچا دیں، نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی، مہم کی گرانباری اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بہ مقتضائے بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔

بہر حال یافہ سے ایک جہاز پر سوار ہو گئے جو ترسیس جا رہا تھا، اثنائے راہ میں طوفان نے گھیر لیا، قدیم زمانے میں جہاز رانوں کا اعتقاد تھا اگر طوفان عرصہ تک نہ تھمے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہ گار آدمی جہاز میں سوار ہے، جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا، چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا، وہ قرعہ ڈالنے لگے کہ مجرم کون ہے اور کسی سمندر کے حوالے کریں؟ جب حضرت یونس نے سنا تو کہا ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو، مجھ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے؟ صحیفہ میں ہے قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا، سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی، وہ نگل گئی، یہ تین دن تک اس کے اندر رہے، پھر وہ ساحل کی طرف گئی اور خشکی پر انہیں اگل دیا، اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر اس سے زندہ و سلامت نکال لیا۔

یوناہ نبی کے صحیفہ میں ہے کہ اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی پکار سن لی، وہ پاتال کے بطن میں سے چلایا اور اس کی آواز سنی گئی، قرآن نے یہاں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا: أَيْ مُغَاضِبًا مِنْ أَجْلِ رَبِّهِ، كَمَا يَقُولُونَ: غَضِبْتُ لَكَ أَيْ مِنْ أَجْلِكَ۔ یعنی اللہ کی خاطر خشم ناک ہو کر روانہ ہوا۔ **(فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ)** اَنْ لَّنْ نُّضَيِّقَ عَلَيْهِ۔ اس نے گمان کیا کہ ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ حالانکہ اسے ایک آزمائش پیش آنے والی تھی۔ (تفسیر ترجمان القرآن، مولانا آزاد)

مولانا آزاد رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں "یاد رہے اس جملہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو تفسیر کی روایات میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور حسن رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ **اَنَّ اللّٰهَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى مُعَاقِبِهٖ** یعنی

یونس نے خیال کیا، خدا اس پر قابو نہیں پا سکتا، کیونکہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ہے اور ممکن نہیں ایک لمحہ کے لیے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے، یقیناً یہ ان ائمہ تفسیر کا قول نہیں ہو سکتا، بعد کے راویوں کی کج فہمی ہے۔ (ترجمان القرآن)

مولانا آزاد رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں "اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے، اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں۔ تورات کے اسی صحیفہ میں ہے کہ اس حادثہ کے بعد پھر انہیں نینوا کے لیے حکم ہوا، وہ نینوا گئے اور اعلان کیا، چالیس دن کے بعد یہ شہر برباد ہو جائے گا، لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ باشندے تک سب کانپ اٹھے۔

سب نے خدا کی ہستی پر اعتقاد کیا، بادشاہ نے شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیرہن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ہر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی بات سے باز آجائے، روزہ رکھے، خدا کے حضور زاری کرے، توبہ وانابت کا سر جھکائے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا، چالیس دن گزر گئے مگر کوئی ہلاکت ظہور میں نہیں آئی، یہ بات حضرت یونس پر گراں گزری، وہ مضطرب ہوئے کہ اعلان حق میں تخلف کیوں ہوا؟

وہ شہر کے باہر ایک چھپر بنا کے مقیم ہو گئے تھے، رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں، اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا، ایک دن صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایہ کی جگہ دھوپ ہے، یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے، تب خداوند نے کہا: تو اس رینڈی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی، پھر غور کر میرے لیے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحمت و شفقت کروں؟ اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں؟ جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا؟

یعنی عذاب والی بات اپنی جگہ صحیح تھی وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی، لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بد عملی ہی کا نتیجہ تھا، جب وہ اس سے باز آگئے تو عذاب بھی ٹل گیا اور یہاں اصل کار فرمائی

ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے، سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے، جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا۔

پس ہو سکتا ہے کہ آیت میں ان کی خشم ناکی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی اور ظلمات سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں، اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے درد و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دل مضطر کو تسکین دے دی۔ (ترجمان القرآن)

بندہ خاکسار و عاجز نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قرآنی دعاؤں کو اپنی ایک کتاب مسمّٰی "دعائے انبیاء علیہم السلام" میں جمع کیا ہے، دعاؤں کے ساتھ ان کا منظر اور پس منظر بھی بیان کیا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کے زیر عنوان میں بندہ نے وہاں جو کچھ لکھا اسے وہاں سے نقل کرتا ہے۔

دعا کی قبولیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یونس علیہ السلام نے ہمیں اندھیروں میں پکارا، ان اندھیروں سے مراد رات کی تاریکی، پانی کی گہرائی اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا ہے، اللہ نے ان اندھیروں میں سے یونس علیہ السلام کی آواز اور فریاد سنی اور قبول کی، ارشاد ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ (۸۸) الانبیاء، ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور انہیں غم سے نجات عطا کی، ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں۔

آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی، آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مر گیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں، وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے، اے میرے اللہ! میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہو گا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کہ نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں

پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی اللہ کی تسبیح شروع کر دی اسے سن کر فرشتوں نے کہا اے اللہ! یہ آواز تو بہت دور کی اور بہت کمزور ہے کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ کے حکم سے مچھلی نے آپ علیہ السلام کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا، جہاں اللہ نے ان کے کھانے پینے کا غیبی انتظام فرمایا، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ (۱۴۵) وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ (۱۴۶) الصّٰفّٰت، پھر ہم نے ان کو جبکہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا اور ان پر کدو کا درخت اگایا۔

يَقْطِين: کا اطلاق ہر اس پودے پر ہوتا ہے جس کا تنا نہ ہو مثلاً کدو، ککڑی، تربوز وغیرہ اور خصوصاً اس کا اطلاق پیٹھا کدو کی بیل پر ہوتا ہے، یہ پودا اللہ کے امر سے وہاں اگ آیا تھا، اس کے پتے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں جو دھوپ وغیرہ سے سایہ کا کام دیتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ مکھی اس پودے کے نزدیک نہیں آتی۔

آپ کی خوراک کا اللہ تعالیٰ نے کیا انتظام فرمایا؟ قرآن وسنت میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ روزانہ ایک ہرنی آتی تھی جس کا آپ دودھ پی لیتے تھے، یہاں تک کہ چند دنوں میں آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ (دعائے انبیاء، مؤلفہ حدوٹی غفرلہ)

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ

سوال حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ کیا تھا؟ قرآنی فرمان کی روشنی میں واضح کیجیے۔

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ {۸۹} فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ {۹۰} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور زکریا کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: یارب! مجھے اکیلا نہ چھوڑیے اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں، چنانچہ ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا کیا اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اچھا کر دیا، یقینا یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی دکھاتے تھے اور ہمیں شوق اور رغبت کے عالم میں پکارا کرتے تھے اور ان کے دل ہمارے آگے جھکے ہوئے

تفسیر: حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے کی عمر میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا فرمائی کہ وہ انہیں اولاد عطا فرمائیں، دعا میں یہ عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑیے، مجھے میرا وارث عطا کیجیے، جو میرے بعد دینی معاملات میں لوگوں کی راہنمائی کرے، آپ ایسی ہستی ہیں جو بہترین باقی رکھنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، بڑھاپے میں انہیں یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے، ان کی بیوی بانجھ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے بانجھ پن کو ختم فرما کر اس کو حاملہ بنا دیا، وہ بہت ہی نیک خاتون تھیں، ان کے اخلاق بہت عمدہ تھے، وہ ہر نیکی کے کام میں آگے بڑھنے والی عورت تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام اپنے اللہ کی بارگاہ عالیہ میں بہت ہی رغبت اور شوق سے دعا مانگا کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے خوف کھاتے تھے، وہ ایک عاجز اور متواضع انسان تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں اس لئے بڑھاپے تک ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دین میں تحریف کر دینے کا اندیشہ تھا، اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز وزاری کے ساتھ دعا کی کہ تو اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلا سکے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام

جیسا بیٹا عطا فرمایا، یہ تمام انبیاء علیہم السلام سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے، وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے تھے، جب کوئی مصیبت آتی یا کوئی حاجت وخواہش ہوتی تو رغبت وخوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۱، ۱۰۲ ج ۱۷، بحوالہ تفسیر احسن البیان لشیخ فضل الرحمن رحمہ الرحمان) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر در منثور میں چند روایات پیش کی ہیں، جن سے اس آیت مبارکہ میں آمدہ الفاظ کی تفسیر ہوتی ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی کی زبان دراز تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھیک کر دیا۔ (مستدرک حاکم) عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں روایت کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے اخلاق اچھے نہ تھے اور اس کی زبان دراز تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرمادی (یعنی اس کو ٹھیک کر دیا) (ابن عساکر) محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اخلاق میں کوئی چیز تھی (یعنی وہ خوش اخلاق نہ تھی) اسے درست اخلاق والی کر دیا۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن عساکر)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی بچے نہ جنتی تھی، اسے قابل اولاد کر دیا۔ (ابن عساکر، ابن منذر، ابن جریر، ابی ابی شیبہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بچہ نہ جنتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھیک کر دیا۔ (ابن جریر) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسی بیوی سے ان کو ایک لڑکا عطا فرمایا۔ (ابن جریر) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے بارے میں فرمایا کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بچہ پیدا کرنے والی بنادیا اور اس میں سے ان کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا۔ (ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، در منثور)

پاکدامن بی بی حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ

سوال قرآن کریم میں عظیم خاتون حضرت مریم کا ذکر ہے کہ اس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی

تھی، قرآنی آیت کی روشنی میں واضح فرمایئے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ{۹۱} الأنبياء.

جواب ترجمہ: اور اس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی اور انہیں اور ان کے بیٹے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادیا۔

یہ عظیم خاتون جس نے اپنی عصمت اور اپنے ناموس کی حفاظت کی تھی حضرت مریم بنت عمران ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں جنہوں نے عمر بھر بے حیائی کا ارتکاب نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، یہ پھونک ان کے رحم تک پہنچ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، یہی جبریل کی پھونک ہی ان کے حمل ٹھہرنے کا ذریعہ بن گئی، بغیر خاوند کے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم بتول کے شکم سے بغیر والد کے پیدا ہوئے، اسی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت کی نشانی بن گئے اور تا قیام قیامت مخلوق کے لیے عبرت بن گئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا کہ مریم علیہا السلام کا، ان کی مدح وثنا کے ساتھ، ان کی قدر و منزلت کا بیان اور ان کے فضل و شرف کا اعلان کرتے ہوئے، ذکر کیجئے! فرمایا، وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی جس نے حرام کے قریب جانے سے بلکہ حلال سے بھی اپنی شرمگاہ کو بچائے رکھا۔

حضرت مریم علیہا السلام نے ہمہ وقت عبادت میں مشغول اور اپنے رب کی خدمت میں مستغرق رہنے کی وجہ سے شادی نہیں کی تھی، جب حضرت جبریل علیہ السلام ایک کامل اور خوبصورت مرد کی شکل میں مریم علیہا السلام کے پاس آئے تو آپ کہنے لگیں: اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم: ۱۸،۱۹) "میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے عمل کی جنس ہی سے اس کا بدلہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو

بغیر باپ کے ایک بیٹے سے نوازا۔ جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا وَجَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور کر دیا ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو نشانی جہانوں کے لئے، کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی مرد کے چھوئے حمل ٹھہرا اور پھر بیٹے کو جنم دیا اور اس بیٹے نے گہوارے میں کلام کیا اور بہتان طراز آپ پر جو تہمت لگاتے تھے اس سے مریم علیہا السلام کی برأت کا اعلان کیا اور اسی حالت میں انہوں نے اپنے بارے میں آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے جو کہ سب کو معلوم ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام اور ان کا فرزند ارجمند عیسیٰ تمام جہانوں کے لئے ایک نشانی بن گئے لوگ نسل در نسل اس واقعے کو بیان کرتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ (تفسیر سعدی)

وحدت دین انبیاء علیہم السلام اور تفرقہ انسان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ {۹۲} وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ {۹۳} فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ {۹۴} الانبیاء

جواب ترجمہ: بلاشبہ یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو۔ اور اپنے دین میں اختلاف کر کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔ اور جو شخص نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو سو اس کی محنت کی ذرا بھی ناقدری نہیں اور بلاشبہ ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔

تفسیر: ان آیات میں در حقیقت انبیائے کرام علیہم السلام کے طویل اور ایمان افروز تذکرے کا نہایت جامع، بلیغ اور فیصلہ کن خلاصہ ہیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت کو ایک جملے میں سمیٹ دیا ہے بلکہ انسانوں کی اس افسوسناک روش کو بھی بے نقاب کیا ہے جس

کے نتیجے میں وہ ایک ہی دین کو ٹکڑوں میں بانٹ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ: یہ اعلان دراصل تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ أُمَّتُكُمْ سے مراد وہی ایک دین ہے جو ہر نبی لے کر آیا، یعنی اسلام، جو خالص توحید، اطاعتِ الٰہی اور بندگیِ رب پر قائم ہے، گویا زمانے بدلتے رہے، شریعتوں میں جزوی فرق آتا رہا، مگر اصل دین، اس کا مرکز اور اس کی روح ہمیشہ ایک ہی رہی، ایک اللہ کی عبادت، اس لیے بندوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ جب تمہارا رب بھی ایک ہے تو تمہاری بندگی بھی اسی ایک کے لیے ہونی چاہیے، اس کے فوراً بعد انسانوں کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

وَتَقَطَّعُوٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ: یعنی لوگوں نے خود اپنے دین کو ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا، حالانکہ انبیاء کی تعلیمات میں کوئی تضاد نہ تھا، مگر خواہشات، تعصبات اور دنیاوی مفادات نے انسانوں کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں بانٹ دیا، کسی نے دین میں اپنی رائے شامل کی، کسی نے اپنی خواہش کو معیار بنا لیا اور یوں وہ ایک سیدھی راہ سے ہٹ کر متعدد راستوں میں بکھر گئے، یہ دراصل انسان کی فکری بے راہ روی اور روحانی انحراف کی ایک واضح تصویر ہے۔ تاہم اس تفرقے کے باوجود ایک اٹل حقیقت بیان کر دی گئی،

كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ: یعنی سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہاں نہ کوئی فرقہ کام آئے گا، نہ کوئی گروہی وابستگی، بلکہ ہر شخص اپنے ایمان اور عمل کے مطابق جواب دہ ہو گا، یہی وہ مقام ہے جہاں تمام اختلافات کا حقیقی فیصلہ ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عدل و رحمت پر مبنی ایک عظیم اصول بیان فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ: یعنی جو شخص ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا، اس کی محنت ہرگز ضائع نہیں کی جائے گی۔ یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ نجات کا دارومدار نہ کسی مخصوص گروہ سے وابستگی پر ہے اور نہ ہی محض دعووں پر، بلکہ اصل بنیاد ایمان اور عملِ صالح ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کی بندگی کرے اور اس کے احکام پر چلے، اس کا ہر عمل محفوظ ہے اور اللہ کے ہاں اس کا پورا اجر ملے گا۔ آخر میں فرمایا

وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ: ہم اس کے اعمال کو لکھنے والے ہیں، یہ جملہ اس بات کی ضمانت ہے کہ اللہ کے ہاں کوئی نیکی ضائع نہیں ہوتی، ہر عمل محفوظ ہے، ہر کوشش کا حساب رکھا جارہا ہے اور ہر بندہ اپنے کیے کا پورا بدلہ پائے گا۔

ان آیات کے موقع و محل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام کے مختلف واقعات بیان کرکے یہ دکھایا کہ سب ایک ہی مقصد کے داعی تھے، پھر ان آیات میں اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ ان سب کا دین ایک تھا، اس کے بعد انسانوں کے تفرقے کو بیان کرکے تنبیہ کی گئی، اور آخر میں ایک اصولی ضابطہ دے دیا گیا کہ اصل کامیابی ایمان اور عملِ صالح میں ہے۔

یوں یہ آیات نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا خلاصہ ہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک ابدی پیغام بھی ہیں: دین ایک ہے، رب ایک ہے، راستہ ایک ہے اور کامیابی اسی کے لیے ہے جو اس وحدت کو اختیار کرے اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بندگی میں زندگی بسر کرے۔

یاجوج ماجوج

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ کا کیا مطلب ہے؟

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ {۹۵} حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ {۹۶} الأنبياء.

جواب ترجمہ: اور جس کسی بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کیا ہے، اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دنیا میں) آجائیں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے نظر آئیں گے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ: پہلے نجات پانے والے مومنین کا ذکر تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا مذکور ہے یعنی جن کے لیے ہلاک اور غارت ہونا

مقدر رہو چکا وہ کبھی اپنے کفر و عصیان کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کیے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آکر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کرلیں۔ پھر ان کو نجات و فلاح کی توقع کدھر سے ہو سکتی ہے۔ ان کے لیے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیماں ہوں گے۔ مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی وہ وقت قیامت کا ہے جس کے مبادی قریبہ میں سے ہے خروج "یاجوج وماجوج"۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے تحذیر ہے کہ وہ اپنے کفر اور معاصی پر جمے نہ رہیں، یاجوج وماجوج کے کھلنے کا وقت قریب ہے اور یاجوج وماجوج بنی آدم کے دو قبیلوں کا نام ہے، جب ذوالقرنین سے ان کے فساد فی الارض کا شکوہ کیا گیا تو اس نے درے کو دیوار کے ذریعے بند کر کے ان کا راستہ مسدود کر دیا، آخری زمانے میں یہ درہ کھل جائے گا اور وہ اس طرح لوگوں کی طرف نکلیں گے جیسے اللہ نے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ وہ نہایت تیزی سے ہر ٹیلے سے نیچے اترتے نظر آئیں گے، یہ آیت کریمہ ان کی کثرت اور نہایت تیزی کے ساتھ ان کے زمین میں پھیل جانے پر دلالت کرتی ہے، ان کی نقل و حرکت میں سرعت، یا تو اس وجہ سے ہو گی کہ وہ جسمانی اعتبار سے نہایت پھرتیلے اور سریع الحرکت ہوں گے یا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ان اسباب کی وجہ سے، جو دور کی مسافتوں کو قریب اور آسان کر دیں گے، وہ لوگوں پر قہر بن کر ٹوٹیں گے اور اس دنیا میں ان پر غالب آجائیں گے، نیز یہ کہ کسی کے اندر ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہو گی۔ (تفسیر سعدی)

یہ بات قیامت کی علامتوں میں سے ہو گی، کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دجال اور اس کے تابع لوگ ہلاک ہو جائیں گے، تو یاجوج ماجوج نکل آئیں گے اور ان کی آڑ کھل جائے گی اور ایمان والوں کو لے کر عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے جائیں گے۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ یاجوج ماجوج جبل الخمر تک جائیں گے جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم قتل کر چکے، آؤ جو کچھ آسمان پر ہے، اسے بھی قتل کر ڈالیں اور پھر آسمان کی طرف تیر ماریں گے جو خون آلود واپس ہوں

گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دشواری ہو گی، تو وہ دعا کریں گے، پھر حق تعالیٰ دفعتاً یا جوج وماجوج کو ہلاک کر دے گا۔ (تفسیر اشرفی)

یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد ہیں اس کی تصریح مستدرک حاکم اور تفسیر ابن مردویہ کی معتبر روایت میں آئی ہے (فتح الباری ج۶ ص۵۷۵) دجال کا پیدا ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور دجال کو قتل کرنا، یہ سب دس نشانیاں قیامت کی ہیں جو صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں ہیں، ان دس نشانیوں میں سے ایک نشانی یاجوج ماجوج کا سد سکندری کو توڑ کر زمین میں پھیل جانا بھی ہے۔

اب یاجوج ماجوج کا کام یہی ہے کہ وہ سب مل کر سارا دن اس دیوار کو کھودا کرتے ہیں جو سکندر ذوالقرنین نے ان کے روکنے کو بنادی ہے، جب وہ دیوار قریب قریب اس کے کھودی جاتی ہے کہ ذرا اور کھودنے سے راستہ ہو جائے تو ان کا سردار کہتا ہے کہ کل راستہ کر لیں گے اور زمین پر چلے جاویں گے رات کو اللہ کی قدرت سے پھر وہ دیوار ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے کہ تھی، جب قیامت قریب ہو گی اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت آجاوے گا تو ان کا سردار کہے گا کہ انشاء اللہ کل کے روز راستہ کر کے زمین پر پھیل جاویں گے، اس رات کو وہ دیوار اور راتوں کی طرح مضبوط نہ ہو گی اور صبح کو یاجوج ماجوج کل روئے زمین پر پھیل جاویں گے۔ (فتح الباری ج۶ ص۵۷۶)

روئے زمین پر جس قدر انسان ہیں یاجوج ماجوج ان سب سے نو حصے زیادہ ہیں، ایک ایک شخص کی ان میں سے ہزار کبھی ہزار سے زیادہ اولاد ہو جاتی ہے جب وہ شخص مرتا ہے تو اپنے مرے ہوئے مردوں کو وہ آپ ہی کھا جاتے ہیں۔ (فتح الباری ج۳ ص۲۳۰)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ اب تم اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاؤ، زمین پر اللہ کی ایک اور مخلوق آنے والی ہے جس کے مقابلہ کی تم کو طاقت نہیں ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چڑھ جاویں گے، اس وقت یاجوج ماجوج زمین میں پھیلیں گے سارے دریاؤں اور ندیوں کا پانی پی جاویں گے اور جو

کچھ نظر پڑے گا وہ کھا جاویں گے زمین کو خالی پا کر وہ کہیں گے، زمین والوں کو تو سب کو ہم نے ہلاک کر دیا، پھر آسمان کی طرف تیر چلاویں گے، اللہ کے حکم سے وہ تیر خون میں بھر کر گریں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے ہم نے آسمان میں رہنے والوں کو بھی قتل کر ڈالا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل کر اور کیڑے پڑ کر سب مر جاویں گے ان کی لاشوں کی یہ کثرت ہو گی کہ تمام زمین میں کہیں جگہ باقی نہ رہے گی، اللہ کے حکم سے ایک پرندار بڑے بڑے جانور پیدا ہوں گے، وہ جانور ان کی لاشوں کو جہاں اللہ کا حکم ہو گا وہاں پھینک دیں گے اور زمین کو خالی کر دیں گے۔

پھر اللہ کے حکم سے مینہ برسے گا اور ساری زمین دھل کر صاف ہو جائے گی اور زمین میں ایسی برکت آجاوے گی کہ ایک انار کے دانوں سے چند آدمیوں کا پیٹ بھر جائے گا، اس برکت کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج کریں گے غرض سات برس زمین پر رہنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاویں گے اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزار کے بیچ میں جو جگہ ہے، وہاں دفن ہوں گے۔ (مشکوٰۃ، در منثور)

پھر شام کے ملک کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور اس ہوا کی تاثیر سے اس طرح کے سب لوگ جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے ایک دفعہ ہی مر جاویں گے اور دنیا میں اس طرح بد لوگ رہ جاویں گے کہ جانوروں کی طرح سر بازار بدکاریاں کریں گے اور بت پرستی بھی پھیل جائے گی، دنیا کی عمر اس وقت بہت تھوڑی رہ جائے گی جس طرح پورے دنوں سے پیٹ والی عورت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کے جننے کا کھٹکا لگا رہتا ہے، اسی طرح آسمان پر ملائکہ کو ہر وقت قیامت کا کھٹکا لگا رہے گا، انجام یہ ہو گا کہ دنیا کے یہی کارخانے چل رہے ہوں گے، مکانوں کی مرمت ہو رہی ہو گی بازار لگے ہوں گے، دودھ والے جانوروں کا دودھ دوہا جا رہا ہو گا کہ ایک دفعہ ہی پہلا صور پھونکنے کا حکم ہو جائے گا اور تمام دنیا فنا ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۸۲)

احمد، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے خالد بن عبد اللہ بن حرملۃ کے طریق سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اس حال میں کہ آپ بچھو کے ڈنک مارنے کی وجہ سے اپنی انگلی مبارک کو لپیٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا تم کہتے ہو کہ تمہارا کوئی دشمن نہیں اور تم ہمیشہ دشمن سے لڑو گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج آئیں گے چوڑے چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے سرخ پلکوں والے ہر اونچی جگہ سے چلے آئیں گے ان کے چہرے گویا چمڑے کی چوڑی ڈھالیں ہیں۔

ابن جریر نے عبد اللہ بن ابی یزید رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا کہ بعض بچے بعض پر کود رہے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اسی طرح یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ (در منثور)

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاجوج ماجوج کون ہیں؟ فرمایا یاجوج ماجوج امتیں ہیں، ہر امت چار لاکھ امت ہے، ان میں سے کوئی آدمی نہیں مرتا یہاں تک کہ اپنی صلب سے ہزار آنکھ اپنے سامنے چلتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں وہ دنیا کی خرابی کی طرف چلیں گے ان کے آگے کا حصہ شام میں ہو گا اور ان کا پچھلا حصہ عراق میں ہو گا وہ دنیا کی نہروں کے پاس سے گذریں گے اور فرات دجلہ اور بحیرہ طبریہ (کے پانی) کو پی جائیں گے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے اور کہیں گے ہم نے دنیا والوں کو قتل کر دیا (ہم) ان کو قتل کریں گے جو آسمان میں ہیں، وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے تو ان کے تیر خون آلود ہو کر آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا جو آسمان میں ہیں۔ (تفسیر در منثور)

ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اس کے ہر سو سال پر ایک نیا حادثہ رونما ہوتا ہے پھر فرمایا یاجوج اور ماجوج نکلیں گے اور وہ اس طرح نکلیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مِن كُلِّ حَدَبٍ يَّنسِلُونَ ان کا پہلا گروہ نہر عجاج پر آئے گا اور اس کا سارا پانی پی لے گا یہاں تک کہ اس میں سے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا پھر دوسرا گروہ آئے گا

وہ وہاں سے گذرے گا تو کہے گا یہاں پر پانی ہوا کرتا تھا وہ زمین میں فساد کریں گے اور الیاشہر میں ایمان والوں کا گھیراؤ کریں گے پھر کہیں گے کہ زمین میں کوئی باقی نہیں رہا مگر ہم نے ان سب کو ذبح کر دیا ہے (پھر وہ ایک دوسرے کو کہیں گے) آجاؤ ہم ان پر تیر پھینکیں جو آسمان میں ہیں پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے تو وہ خون آلود ہو کر واپس آئیں گے تو (اس پر) وہ کہیں گے کہ کوئی بھی نہ زمین میں باقی ہے اور نہ آسمان میں مگر یہ کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا ہے ایمان والے لوگ کہیں گے اے روح اللہ! ان پر بد دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے چنانچہ وہ ان پر بد دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کانوں میں نعف کیڑا پیدا فرمادیں گے جو ان سب کو ایک ہی رات میں قتل کر دے گا یہاں تک کہ ان کی لاشوں سے زمین بدبودار ہو جائے گی تو ایمان والے لوگ کہیں گے اے روح اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم لاشوں کی بدبو سے مر نہ جائیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر آسمان سے بارش بھیج دیں گے اور اس کو سیلاب بنادیں گے جو ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دے گا۔

ابن جریر نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اگر کوئی آدمی یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد گھوڑے کا بچہ (پالنے کے لئے) رکھا ہو گا اس پر سواری نہیں کرے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرور حج اور عمرہ کیا جائے گا اس گھر کا یاجوج ماجوج نکلنے کے بعد بھی۔ (ابن ابی شیبہ، در منثور)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر در منثور نے اس موقع پر بہت سی روایات مختلف راویوں اور مختلف کتابوں کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، ان میں سے ہم نے چند ایک یہاں نقل کر دی ہیں، پہلے جہاں یاجوج ماجوج کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی ہم نے روایات پیش کی ہیں۔

حدب ہر اونچی جگہ سے اترنے کو کہتے ہیں۔ یَنسِلُونَ، وہ جلدی جلدی اتریں گے، اونچے اونچے ٹیلوں جیسے کہ بھیڑ کے بچے نمودار ہو رہے ہیں اور وہ بہت تیز چلنے والے ہوں گے۔ (تفسیر بغوی) لفظ حدب ہر اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے وہ بڑے پہاڑ ہوں یا چھوٹے چھوٹے ٹیلے۔ (معارف القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمایا وہ ہر بلندی سے اتریں گے یعنی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سے بھاگتے ہوئے اتریں گے۔ اَلْحَدَب زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع احداب ہے یہ حدبۃ الظھر (کبڑ پیٹھ) سے ماخوذ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں سورۃ الکہف کی آیت ۹۴ کے ذیل میں بہت سی احادیث اور تاریخی حوالہ جات کے بعد علامہ ابن خلدوں کے مقدمہ اور علامہ انور شاہ کاشمیری کی ایک کتاب سے یاجوج ماجوج کے بارے بہت ہی عمدہ تفصیل لائے ہیں۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے، ”ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قبچاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے۔

اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آکر اسی سد کے حالات واوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون)

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجنا اور ان کا تحقیق کر کے آنا ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے

اور تفسیر کبیر و طبری نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہ نما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں ہے (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۳)

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق و روایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں میں سدیں (دیواریں) بنالی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا طول ابوحیان اندلسی (دربار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء کی تاریخ ہبوط آدم سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ اتکو وہ اور ترک لوگ بور قورقہ کہتے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدیں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل و تحقیق سے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے انہی یاجوج وماجوج کے شر و فساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد تعمیر کی گئی ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے۔ (معارف القرآن)

قرب قیامت اور کفار کی ہولناک پشیمانی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت میں حَصَبُ جَهَنَّمَ کا کیا معنیٰ ہے؟

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ {٩٧} إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ {٩٨} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور سچا وعدہ قریب آجائیگا تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائینگی اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے بے خبر تھے بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے۔ (اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اسی جہنم میں جا اترنا ہے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا: آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب آنے، اس کی ہیبت ناک کیفیت اور منکرینِ حق کے دل دہلا دینے والے انجام کو نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، یہ آیت دراصل ایک ایسے منظر کو سامنے لاتی ہے جہاں غفلت کے پردے چاک ہو چکے ہوں گے اور حقیقت اپنی پوری شدت کے ساتھ آشکار ہو جائے گی۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ: فرمایا گیا ہے کہ وہ سچا وعدہ قریب آ پہنچا، اس "وعدۂ حق" سے مراد بعث بعد الموت، قیامت اور اس کے بعد ہونے والا حساب و جزا ہے۔ اسے "حق" اس لیے کہا گیا کہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ محض باطل پرستی اور گمراہی کی بنا پر کرتا ہے، اس مقام پر اس وعدے کا ذکر یاجوج وماجوج کے خروج کے بعد آیا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب دنیا میں فساد اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا، نظامِ حیات بگڑ جائے گا اور شر غالب آجائے گا تو پھر قیامت کی گھڑی قریب آلگے گی۔ پھر اس ہولناک لمحے کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا،

فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا: کہ اچانک کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، یہ ایسا منظر ہو گا کہ شدتِ خوف اور دہشت کے باعث ان کی نگاہیں جم کر رہ جائیں گی، پلکیں جھپکنا بھول جائیں گی، اور آنکھیں ساکت ہو کر رہ جائیں گی، یہ کیفیت اس شدید گھبراہٹ اور بے بسی کی

علامت ہے جو اس وقت ان پر طاری ہو گی، جب وہ اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیں گے جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے رہے تھے، اسی عالمِ اضطراب میں ان کی زبانیں پکار اٹھیں گی،

يَا وَيْلَنَا: ہائے ہماری بربادی! گویا وہ اپنی ہلاکت کو خود آواز دے رہے ہوں گے، جیسے کوئی مصیبت میں گھرا ہوا شخص نجات کے بجائے موت کو پکارنے لگے، کیونکہ انتظار کی اذیت اس کے لیے موت سے بھی زیادہ کربناک ہو جاتی ہے۔ پھر وہ حسرت و ندامت کے ساتھ اعتراف کریں گے،

قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا: ہم تو اس دن سے غافل تھے، ہمیں اس کی کوئی خبر نہ تھی، یا ہم نے اسے سنجیدگی سے لیا ہی نہ تھا۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی اصل حقیقت کا بھی اقرار کرتے ہیں، بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ: بلکہ ہم خود ہی ظالم تھے، یہ اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی غفلت محض لاعلمی نہ تھی، بلکہ ایک شعوری انکار اور ظلم تھا، انہوں نے نہ صرف اپنی جانوں پر ظلم کیا بلکہ حق کو ٹھکرایا، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اہلِ ایمان کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت مؤثر پیرائے میں یہ واضح کر دیا کہ قیامت کا آنا ایک یقینی حقیقت ہے، اور جب وہ لمحہ آئے گا تو غفلت کے پردے ہٹ جائیں گے، مگر اس وقت کا اعترافِ حقیقت کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس لیے عقل مند وہی ہے جو اس آنے والے دن کے لیے پہلے ہی تیاری کر لے، ورنہ انجام وہی ہو گا جو ان منکرین کا بیان کیا گیا، خوف، حسرت، اور دائمی ندامت۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ: بت پرستوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کی آگ کی لکڑیاں بنو گے جیسے فرمان ہے وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر حبشی زبان میں حطب کو حصب کہتے ہیں یعنی لکڑیاں، بلکہ ایک قرأت میں بجائے حصب کے حطب ہے، تم سب عابد و معبود جہنمی ہو اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے، اگر یہ سچے معبود ہوتے کیوں آگ میں جلتے؟ یہاں تو پرستار اور پرستش کئے جانے والے سب ابدی طور پر دوزخی ہو گئے وہ الٹی سانس میں چیخیں گے جیسے فرمان ہے فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ

وَّشَهِيْقٌ (ھود:۱۰۶) وہ سیدھی الٹی سانسوں سے چیخیں گے اور چیخوں کے سوا ان کے کان میں اور کوئی آواز نہ پڑے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صرف مشرک جہنم میں رہ جائیں گے انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کر دیا جائے گا جن میں آگ کے سریے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہو گا کہ جہنم میں اس کے سوا اور کوئی نہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

حَصَب: اس چیز کو کہتے ہیں جو آگ میں جھونکی جائے تاکہ اس کی شدت اور بھڑک مزید بڑھ جائے، یہاں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کو حَصَب سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح آگ کو تیز کرنے کے لیے ایندھن ڈالا جاتا ہے، اسی طرح یہ سب جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت اور بڑھ جائے۔ (زھرۃ التفاسیر)

سوال اگر کچھ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا فرشتوں کی عبادت کی، تو کیا وہ بھی (نعوذ باللہ) جہنم میں ڈالے جائیں گے؟

جواب ہرگز نہیں! یہ آیت ان نیک اور برگزیدہ ہستیوں کو شامل نہیں کرتی جو خود اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں اور جنہوں نے کبھی اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے سب اللہ کے پاکیزہ بندے ہیں، انہوں نے ہمیشہ توحید کی دعوت دی اور اپنی عبادت سے منع کیا، لہٰذا یہ وعید صرف ان باطل معبودوں کے لیے ہے جو حقیقت میں معبود نہ تھے، یا وہ سرکش لوگ جو خود معبود بننے پر راضی ہوئے۔

سوال بت اور پتھر تو بے جان ہیں، نہ انہیں شعور ہے نہ احساس، تو پھر انہیں جہنم میں ڈالنے کا کیا مطلب؟

جواب یہ ایک نہایت حکیمانہ اور بلیغ اسلوب ہے، مشرکین کا عقیدہ تھا کہ یہی بت انہیں نفع دیں گے اور اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ اس باطل خیال کو توڑنے کے لیے فرماتا ہے کہ

یہی معبود، جن پر تم بھروسہ کرتے ہو، خود جہنم میں پھینک دیے جائیں گے، اگر وہ اپنے آپ کو آگ سے نہیں بچا سکتے تو تمہیں کیا بچائیں گے؟ پس ان کا جہنم میں ڈالنا دراصل مشرکین کے عقیدے کی تردید اور ان کی گمراہی کو نمایاں کرنے کے لیے ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

بطلان معبودان باطلہ اور دوام عذاب

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ {۹۹} لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ {۱۰۰} الأنبياء.

جواب ترجمہ: اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں کیوں داخل ہوتے اور سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا دوزخ میں۔ وہاں ان کی چیخیں نکلیں گی، اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا: یہ آیت ایک نہایت واضح شرطیہ دلیل پر مشتمل ہے جو قیامت کے مشاہدات سے اخذ کی گئی ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ پتھر اور باطل معبود واقعی عبادت کے مستحق ہوتے تو نہ وہ جہنم میں داخل کیے جاتے اور نہ ہی آگ ان تک پہنچ سکتی، کیونکہ سچا معبود ایسا غالب اور مقتدر ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے مغلوب کر کے عذاب میں مبتلا نہیں کر سکتی، لیکن جب حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ یہی معبود اپنے پجاریوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے گئے، تو اس سے ان کے معبود ہونے کا دعویٰ خود بخود باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَكُلٌّ فِيْهَا خَالِدُوْنَ: میں "كُلٌّ" ایک جامع تعبیر ہے، جس میں عابد اور معبود دونوں شامل ہیں، یعنی وہ مشرکین بھی جو غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے اور وہ بت اور پتھر بھی جنہیں انہوں نے معبود بنا رکھا تھا، سب کے سب جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ ایک ایسا انجام ہے جو گمراہی کی مکمل ناکامی اور رسوائی کو نمایاں کرتا ہے۔

پتھروں کا جہنم میں ڈالنا بھی ایک بلیغ حقیقت کو واضح کرتا ہے، جب آگ ان پر بھڑکائی جائے گی تو وہ خود دہکتے ہوئے انگارے بن جائیں گے اور مشرکین اسی بھڑکتی آگ میں جلتے رہیں گے، یوں وہی

معبود جنہیں نجات کا وسیلہ سمجھا جاتا تھا، عذاب کی شدت کا سبب بن جائیں گے، یہ منظر اس باطل عقیدے کی عملی تردید ہے کہ یہ معبود کسی کو نفع یا شفاعت دے سکتے ہیں۔

یہ عذاب نہ عارضی ہو گا اور نہ اس میں کوئی کمی آئے گی، بلکہ ہمیشہ رہنے والا اور قائم رہنے والا عذاب ہو گا، آگ اپنی شدت کے ساتھ باقی رہے گی اور اس میں رہنے والے بھی ہمیشہ اسی میں گرفتار رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس جہنم میں ان کی مزید کیفیت کو بیان فرمایا ہے، تاکہ عذاب کی ہولناکی اور انجام کی سنگینی مزید واضح ہو جائے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر حبس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصہ میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہے (یعنی کوئی کسی کی آواز نہیں سنے گا) یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔ بغوی رحمہ اللہ نے لوہے کے صندوقوں اور لوہے کی کیلوں کی جگہ آگ کے صندوقوں اور آگ کی کیلوں کا لفظ نقل کیا ہے باقی حدیث حسب سابق ہے۔

شان نزول: حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں سے کہا پوجا تو اللہ کے سوا عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ کی بھی کی جاتی ہے (پھر یہ بھی جہنمی قرار پائیں) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا حکم سن کر یہ لوگ روئیں گے، چلاویں گے اور ان میں کا ہر ایک شخص اپنے اپنے عذاب کی تکلیف میں ایسا بدحواس ہو گا کہ ایک شخص دوسرے کے رونے اور چلانے کی آواز بھی نہ سنے گا۔

جب یہ دوزخی لوگ دوزخ کے عذاب کی تکلیف سے بہت گھبرا جاویں گے تو لوگ دوزخ کے

داروغہ سے التجا کریں گے کہ مالک ان لوگوں کی موت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، ہزار برس تک تو ان لوگوں کی التجا کا کچھ جواب نہ ملے گا، پھر ہزار برس کے بعد یہ جواب ملے گا کہ دنیا میں تم لوگوں نے اس عذاب کو جھٹلایا، اس لیے اب تمہاری یہی سزا ہے کہ تم ہمیشہ اس عذاب میں گرفتار رہو گے، اس حکم کو سن کر یہ لوگ اور بھی زیادہ چیخنا اور چلانا شروع کر دیں گے۔ (الترغیب والترھیب، فصل فی طعام اہل النار)

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ إِنَّ أَهلَ النَّار لَيَبكُونَ حَتَّى لَو أُجرِيَتِ السُّفُنُ فِي دُمُوعِهم لَجَرَت وَإِنَّهُم لَيَبكُونَ الدَّم مَكَانَ الدَّمع (الحاکم، الترغیب والترہیب للمنذری) دوزخ میں دوزخی یہاں تک روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں کشتی چلاؤ تو چل نکلے، وہ آنسوؤں کی جگہ خون روئیں گے۔

مشرکین مکہ جو یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے بت دوزخ کا ایندھن ٹھہریں گے تو فرشتوں کو عزیر اور عیسیٰ کو بھی لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں پھر ان کا کیا حاصل ہو گا، اس کے جواب میں فرمایا دوزخ کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں جو لوگ اللہ کی رحمت اور ہمیشہ کی جنت کے عیش کے قابل ٹھہر چکے ہیں، ان کے کانوں میں دوزخ کے شور وغل کی آواز تک بھی نہ جائے گی بلکہ دوسرے صور کے بعد جب سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور اس دن کی آفتوں کو دیکھ کر گنہگار لوگوں کے دل پر گھبراہٹ چھا جائے گی۔

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ: اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کے عذاب کی ایک نہایت دردناک اور دل ہلا دینے والی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ یہاں ضمیر کا مرجع وہی مشرکین ہیں جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ "زفیر" اس گہری اور شدید سانس کو کہتے ہیں جو انتہائی گھٹن، تکلیف اور بے چینی کے عالم میں انسان کے سینے سے نکلتی ہے، یہاں تک کہ اس کے پہلو پھول جاتے ہیں، گویا وہ اس شدتِ کرب میں مبتلا ہوں گے کہ ہر لمحہ ان کے سینوں سے حسرت بھری آہیں نکلتی رہیں گی، جیسے کوئی شدید بیماری یا سخت گھبراہٹ میں مبتلا شخص تڑپ تڑپ کر سانس لے رہا ہو، یہ کیفیت محض وقتی نہ ہو گی بلکہ دائمی ہو گی، ایک ایسا کرب جو مسلسل بڑھتا رہے گا اور جس میں کسی قسم کی راحت یا وقفہ نہ ہو گا۔

آواز کے لیے عربی الفاظ: یہاں زَفِیْرٌ اور دوسرے مقام پر شَهِيْقٌ دو آوازوں کا ذکر کیا گیا ہے، عربی زبان میں آواز کے لیے بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان میں کچھ یہ ہیں، طَنِيْنٌ: کانوں میں گونجنے والی آواز۔ خَفَقَانٌ: دل کی دھڑکن کی آواز۔ جَعْجَعَةٌ: چکی کے چلنے کی آواز۔ صَلِيْلٌ: تلوار یا لوہے کی جھنکار۔ خَرِيْرٌ: پانی کے بہنے کی نرم آواز۔ صَرِيْرٌ: دروازے یا لکڑی کے چرچرانے کی آواز۔ نَحِيْبٌ: رونے والے کی بلند سسکی یا آہ۔ حَسِيْسٌ: آگ کے جلنے یا بھڑکنے کی ہلکی آواز۔ أَطِيْطٌ: پیٹ یا بوجھ کے دباؤ سے پیدا ہونے والی چرچراہٹ۔ أَزِيْزٌ: پرندے یا تیز ہوا کی سنسناہٹ جیسی آواز۔ خَشْخَشَةٌ: جوتیوں یا خشک چیزوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ شَهِيْقٌ: سانس کے اندر کھینچنے کی آواز۔ زَفِيْرٌ: سانس کے باہر نکالنے کی آواز۔ دَوِيٌّ: گونج دار، دور تک سنائی دینے والی آواز (جیسے آسمانی گرج) هَمْسٌ: بہت آہستہ، سرگوشی جیسی آواز۔ وَسْوَسَةٌ: دل میں ڈالنے والی خفیہ آواز (شیطانی یا نفسی) صِيَاحٌ: چیخ و پکار۔ عُوَاءٌ: بھیڑیے یا کتے کے رونے کی آواز۔ نَهِيْقٌ: گدھے کی آواز۔ خُوَارٌ: گائے یا بیل کی آواز۔ زَئِيْرٌ: شیر کی دھاڑ۔ صَهِيْلٌ: گھوڑے کی ہنہناہٹ۔ هَدِيْرٌ: اونٹ یا پانی کی گہری گرج دار آواز۔ قَعْقَعَةٌ: ہتھیاروں یا برتنوں کی ٹکر کی آواز۔ خَرْخَرَةٌ: گلے یا سانس کی بھاری آواز۔ وَقْعٌ: قدموں کی چاپ۔ رَنِيْنٌ: مسلسل بجنے والی مدھم آواز (جیسے گھنٹی)

سوال جب عربی زبان میں آواز کے لیے بہت سے الفاظ ہیں تو یہاں اور دوسرے مقامات پر جہنمیوں کی آواز کو صرف زَفِيْرٌ اور دوسرے مقام پر شَهِيْقٌ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟

جواب جہنمیوں کی آواز کے بیان کے لیے عام الفاظ کے بجائے خاص طور پر زَفِيْر اور شَهِيْقٌ کا انتخاب دراصل قرآنِ حکیم کے نہایت بلیغ اور مؤثر اسلوب کی علامت ہے، یہ دونوں الفاظ محض آواز کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ شدید ترین کرب، گھٹن، بے بسی اور عذاب کی داخلی کیفیت کو نمایاں کرنے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔

اہلِ لغت و تفسیر کے مطابق زَفِيْر اس بھاری، گھٹی ہوئی اور تکلیف دہ سانس کو کہتے ہیں جو شدتِ اذیت سے سینے سے نکلتی ہے اور شَهِيْقٌ وہ آواز ہے جو سانس کے اندر کھینچے جانے کے وقت پیدا ہوتی

ہے، یوں یہ دونوں مل کر ایک ایسے مسلسل عذاب کی تصویر پیش کرتے ہیں جس میں انسان کی پوری سانس کی آمد و رفت درد اور اضطراب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

مزید بر آں، ان آوازوں کو عربوں کے نزدیک گدھے کی نہایت مکروہ اور قبیح آواز سے بھی تشبیہ دی گئی ہے، تاکہ عذاب کی ذلت اور ہولناکی کو انتہائی واضح کیا جاسکے، اسی طرح ان الفاظ میں صوتی شدت اور قساوت بھی پائی جاتی ہے، جو خود ان کے حروف کی ساخت سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ شدت اس عذاب کی سنگینی کے عین مطابق ہے جس کا بیان مقصود ہے۔

نیز بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ دونوں آوازیں جہنم میں عذاب کے مختلف مراحل کی عکاسی بھی کرتی ہیں، کبھی اوپر اچھالے جانے پر زفیر اور پھر نیچے گرائے جانے پر شہیق، جس سے عذاب کی تکرار اور تسلسل کا نقشہ سامنے آتا ہے، اس طرح قرآن کا مقصد محض "آواز" بیان کرنا نہیں بلکہ اس کے ذریعے جہنم کی اس ہولناک کیفیت کو مجسم کرنا ہے جو روح و جسم دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور یہی جامعیت ان الفاظ کو دیگر عام صوتی تعبیرات پر فوقیت دیتی ہے۔

وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ: وہ اس میں کچھ سن نہ سکیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کسی ایسی آواز، خبر یا کلام تک رسائی نہ ہوگی جو ان کے دل کو ذرا سی بھی تسلی دے سکے، نہ کوئی خوشخبری، نہ کوئی امید کی بات، نہ کوئی ایسا منظر یا آواز جو ان کے غم کو ہلکا کرے، بلکہ ہر طرف خاموشی، گھٹن اور بے بسی کا عالم ہوگا، وہ درد کو محسوس کریں گے، مگر ان کے پاس اپنے دکھ کو بیان کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

یہ کیفیت قرآن کے دوسرے مقامات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قیامت کے دن انہیں اندھا، گونگا اور بہرا کر کے اٹھایا جائے گا، یعنی وہ عذاب کو پوری شدت کے ساتھ محسوس تو کریں گے، لیکن نہ دیکھ سکیں گے کہ دل کو کچھ سکون ملے، نہ سن سکیں گے کہ کوئی بات دل کو بہلائے اور نہ بول سکیں گے کہ اپنے دکھ کا اظہار کر سکیں، یوں وہ ایک ایسے عذاب میں گرفتار ہوں گے جہاں نہ کوئی تسکین ہے، نہ کوئی نجات اور نہ ہی کسی قسم کی راحت کا امکان۔

یہ آیت دراصل اس دائمی اور ہمہ گیر عذاب کی تصویر پیش کرتی ہے جس میں انسان کی تمام ظاہری اور باطنی راحت کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور وہ مکمل بے بسی کے ساتھ اپنے انجام کو بھگتتا رہتا ہے۔

اہل سعادت کی جہنم سے دوری اور ابدی نجات

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ {۱۰۱} الانبیاء

جواب ترجمہ: بلاشبہ جن کے لیے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ مقرر ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن برگزیدہ بندوں کا نہایت دلنشین اور اطمینان بخش ذکر فرمایا ہے جن کے لیے ازل ہی میں بھلائی، سعادت اور نجات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ: بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے ہی طے ہو چکی ہے، وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے، اس آیت کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس سے پہلے یہ اعلان ہوا کہ مشرکین اور ان کے معبود سب جہنم کا ایندھن بنیں گے، تو کفارِ مکہ نے اعتراض کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کو بھی بعض لوگ معبود بناتے ہیں، تو کیا وہ بھی اس وعید میں داخل ہوں گے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے وہ نیک، مطیع اور برگزیدہ بندے جو خود کبھی اپنی عبادت پر راضی نہ تھے، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ وہ تو اللہ کی خاص رحمت کے مستحق ہیں۔

لفظ اَلْحُسْنٰی اپنے اندر نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے، جس سے مراد جنت، ابدی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا وہ ازلی وعدہ ہے جو ان بندوں کے حق میں پہلے ہی صادر ہو چکا، گویا یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی میں طے فرما لیا تھا کہ یہ ایمان و

اطاعت کی راہ اختیار کریں گے اور انجامِ کار سرخرو ہوں گے۔ لفظ سَبَقَت اسی پیشگی فیصلے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جبکہ مِنَّا میں خصوصی عنایت اور انتخابِ ربانی کی جھلک نمایاں ہے۔ پھر فرمایا

أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ: یعنی یہ لوگ جہنم سے اس درجہ دور رکھے جائیں گے کہ نہ اس میں داخل ہوں گے اور نہ اس کے قریب بھی آنے پائیں گے، یہ صرف عذاب سے بچ جانا نہیں، بلکہ ایک ایسی بلند مرتبہ حفاظت ہے جس میں جہنم کی آہٹ، اس کی حرارت اور اس کا ہولناک منظر تک ان سے اوجھل رکھا جائے گا، یہی مضمون آگے چل کر اس طرح مزید واضح ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے۔

اگرچہ اس آیت کا ایک خاص سببِ نزول موجود ہے، لیکن مفسرینِ کرام نے تصریح کی ہے کہ اس کا مفہوم عام ہے، یعنی ہر وہ بندہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت لکھ دی ہو، جو ایمان و عملِ صالح کی راہ پر قائم ہو، وہ اس بشارت میں داخل ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین کے ساتھ ساتھ ہر سچا مومن بھی اس وعدۂ الٰہی کا مستحق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ایک طرف مشرکین کے شبہ کا مدلل جواب ہے اور دوسری طرف اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت کہ اللہ کے مقبول بندے جہنم سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ اس کے ہولناک آثار سے بھی کوسوں دور رکھے جائیں گے، یہی اللہ کی رحمتِ کاملہ اور اس کے فضلِ عظیم کا مظہر ہے۔

اہل جنت دوزخ کی سرسراہٹ بھی نہ سنیں گے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ اس آیت میں جو حَسِيسُ النَّارِ کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ {۱۰۲} الأنبياء

جواب ترجمہ: وہ اس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔

علامہ ابوالبرکات محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حسیس سے وہ آواز مراد ہے جو حس سے معلوم ہو اور جہنم کی بھڑک کی حرکت، یہ در حقیقت جہنم سے ان کو دور ہونے میں مبالغہ ظاہر کرنے کیلئے فرمایا یعنی وہ اس کے قریب بھی نہ ہوں گے اس کی آواز ان کو سنائی دے اور اس کی لپٹوں کی آواز سنائی دے۔

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ: (اور وہ اپنی اپنی من پسند نعمتوں میں) خٰلِدُوْنَ (ہمیشہ رہیں گے) ہمیشہ ان کی اقامت ان نعمتوں میں ہو گی۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں (اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت دوزخ سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہو گی) اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى سے معنی بعض صوفیہ نے یہ لئے ہیں کہ سَبَقَتْ مُحَبَّتُنَا اِيَّاهُ فِي الْاَزَل یعنی ہماری محبت ان کے ساتھ ازل میں سابق ہوئی، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی وہ استعداد سابق ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء محبوب کی جانب سے ہوتی ہے۔

جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کر دی گئی، یعنی وہ جگہ ایسی ہو گی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہو گا، جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق، جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائے گا، جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہو گی، جو مشغلہ اسے پسند ہو گا وہی اس کے لئے موجود ہو گا، جو پڑھنا چاہے گا وہی کتابیں اس کے لئے فراہم ہو جائیں گی، وقس علی ھذا۔

دنیا کی مختصر سی زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے ماتحت کر دینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت و محکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی، لازوال، غیر منقطع ہو گی! کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان راحتوں اور مسرتوں کا نہیں کر سکتا۔ (ماجدی)

اہل ایمان کے لیے اطمینان کامل اور فزع اکبر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ {۱۰۳} يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ {۱۰۴} الانبیاء

جواب ترجمہ: ان کو بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دینگے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے ہم نے جس طرح پہلی بار مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم اسے لوٹا دینگے ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغ انداز میں دو متقابل مناظر پیش فرمائے ہیں، ایک طرف اہلِ ایمان کی راحت، اطمینان اور عزت افزائی اور دوسری طرف قیامت کی ہیبت ناک تبدیلیاں اور کائنات کا الٹ جانا، یوں یہ آیات بشارت اور عبرت، دونوں کو جامع انداز میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ: یعنی وہ لوگ جن کے لیے اللہ کی طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے، انہیں قیامت کے سب سے بڑے خوف سے بھی کوئی غم نہ ہو گا۔ مفسرین نے "الفزع الاکبر" سے مراد وہ ہولناک لمحہ لیا ہے جب قیامت برپا ہو گی، صور پھونکا جائے گا اور پوری کائنات دہشت و اضطراب میں ڈوب جائے گی، اس وقت عام انسانوں کے دل دہل رہے ہوں گے، مگر اہلِ ایمان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے سکون و اطمینان سے بھرے ہوں گے، نہ ان پر دہشت طاری ہو گی، نہ اضطراب، بلکہ وہ ایک محفوظ اور مطمئن کیفیت میں ہوں گے۔ اس کے بعد ایک نہایت روح پرور منظر بیان ہوا،

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ: یعنی فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یہ استقبال کسی معمولی انداز کا نہیں بلکہ عزت و تکریم، بشارت اور دلجوئی کا ہو گا، جب لوگ قبروں سے نکل کر خوفزدہ ہوں گے، اسی وقت فرشتے اہلِ ایمان کو خوش خبری دیتے ہوئے کہیں گے،

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ: یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، گویا دنیا میں

جس جنت، رحمت اور رضوانِ الٰہی کی خبر دی جاتی رہی، اب اس کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے، اس بشارت سے ان کے دل مزید مطمئن اور خوشی سے لبریز ہو جائیں گے۔ پھر اچانک منظر بدلتا ہے اور قیامت کی عظمت و ہیبت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ: یعنی جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے، یہ تعبیر نہایت بلیغ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کائنات کو انسان وسیع اور مستحکم سمجھتا ہے، وہ ایک لمحے میں سمیٹ دی جائے گی، ستارے بکھر جائیں گے، نظامِ فلک درہم برہم ہو جائے گا اور آسمان اپنی موجودہ ہیئت کھو دے گا۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کو یوں بیان فرماتا ہے

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ: یعنی جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے، یہ اعلان انکارِ قیامت کرنے والوں کے لیے ایک قطعی دلیل ہے کہ جب پہلی تخلیق ممکن ہوئی تو دوسری تخلیق بھی یقینی ہے، پھر اس وعدے کو مزید تاکید کے ساتھ فرمایا

وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ: یہ ہمارے ذمے ایک پکا وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان آیات میں اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت ہے کہ قیامت کے سب سے بڑے خوف میں بھی وہ امن و سکون میں ہوں گے، فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں جنت کی خوش خبری سنائیں گے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ قیامت کا وقوع، کائنات کا خاتمہ اور دوبارہ زندگی سب اللہ کے قطعی اور اٹل وعدے ہیں، جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

زبور اور ارض سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ {۱۰۵} الأنبياء

جواب ترجمہ: اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

تفسیر: لفظ زبور، زبر کی جمع ہے جس کے معنیٰ کتاب کے ہیں اور زبور اس خاص کتاب کا نام بھی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس جگہ زبور سے کیا مراد ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ذکر سے مراد آیت میں تورات ہے اور زبور سے مراد وہ سب کتابیں ہیں جو تورات کے بعد نازل ہوئیں۔ انجیل، زبور داؤد۔ اور قرآن (اخرجہ ابن جریر) یہی تفسیر ضحاک سے بھی منقول ہے اور ابن زید نے فرمایا کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور زبور سے مراد تمام کتابیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (روح المعانی)

اَلْاَرْضَ: اس جگہ ارض سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ارض جنت ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن کی دوسری آیت اسی کی مؤید ہے جس میں فرمایا وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ،

اور آیت میں جو یہ فرمایا کہ اس ارض کے وارث صالحین ہوں گے یہ بھی اسی کا قرینہ ہے کہ ارض سے ارض جنت مراد ہو، دنیا کی زمین کے وارث تو مومن کافر سبھی ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ یہاں صالحین کا وارث ارض ہونا ذکر قیامت کے بعد آیا ہے اور قیامت کے بعد جنت کی زمین کے سوا کوئی دوسری زمین نہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس ارض سے مراد عام ارض ہے دنیا کی زمین بھی اور جنت کی زمین بھی جنت کی زمین کے تو تنہا وارث صالحین ہونا ظاہر ہے، دنیا کی پوری زمین کے وارث ہونا بھی ایک وقت میں مومنین صالحین کے لئے موعود ہے جس کی خبر قرآن کریم کی متعدد آیات میں دی گئی ہے۔ ایک آیت میں ہے اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، ایک دوسری آیت میں ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ، تیسری آیت میں اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ، مومنین صالحین کا دنیا کے معظم معمورہ پر قابض اور وارث ہونا ایک مرتبہ دنیا پہلے مشاہدہ کر چکی ہے اور زمانہ دراز تک یہ صورت قائم رہی اور پھر مہدی کے زمانے میں ہونے والی ہے (روح المعانی وابن کثیر بحوالہ تفسیر معارف القرآن للمفتی)

ہدایت قرآن، رحمت نبوی اور دعوت توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ {۱۰۶} وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ {۱۰۷} قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ {۱۰۸} الانبیاء

جواب ترجمہ: بلاشبہ اس میں عبادت گزاروں کے لیے کافی مضمون ہے۔ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔ آپ فرما دیجیے کہ میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو کیا تم بات ماننے والے ہو۔

تفسیر: سورۃ الانبیاء کی ان مبارک آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع اور بلیغ انداز میں پوری سورت کے مرکزی مضامین کو سمیٹ دیا ہے، یہ آیات درحقیقت قرآن کی ہدایت، رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی حقیقت، اور دعوتِ توحید کا نچوڑ پیش کرتی ہیں۔ سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ :یعنی بے شک اس (کلام یا ان مضامین) میں عبادت گزار لوگوں کے لیے کامل پیغام اور کافی رہنمائی موجود ہے۔ یہاں فِيْ هٰذَا سے مراد یا تو پورا قرآنِ مجید ہے، یا بالخصوص اس سورت میں بیان کیے گئے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات، نصیحتیں اور عبرت آموز مضامین ہیں، لفظ بلاغ اپنے اندر گہرائی رکھتا ہے، یعنی ایسی رہنمائی جو انسان کو منزلِ مقصود، رضائے الٰہی اور جنت، تک پہنچا دے، گویا یہ قرآن ہر لحاظ سے کافی ہے، لیکن اس سے حقیقی فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو دل سے اللہ کے بندے بننے کے لیے تیار ہوں، جن کے اندر طلبِ حق اور جذبۂ عبادت موجود ہو۔ اس کے بعد ایک نہایت عظیم حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ: (اے میرے حبیب ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے، یہ آیت حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس اور بعثت کے مقصد کو انتہائی جامع انداز میں واضح کرتی ہے، آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی مؤمنین کے لیے تو دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہے ہی، ہدایت، مغفرت اور کامیابی کی صورت میں، لیکن کفار کے لیے بھی رحمت ہے کہ آپ کی آمد کے بعد سابقہ امتوں کی طرح فوری اور ہلاکت خیز عذاب نازل نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں مہلت اور موقع دیا گیا، یوں آپ ﷺ کی تعلیمات، شریعت، عدل، اخلاق اور امن کا نظام پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آیا، حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ رحمتِ مجسم اور رحمتِ مہداۃ ہیں۔ پھر تیسری آیت میں دعوتِ اسلام کا لبِ لباب بیان فرمایا

قُلْ إِنَّمَا يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ: یعنی (اے میرے حبیب ﷺ!) اعلان فرما دیجئے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو کیا تم اس کے فرمانبردار بنتے ہو؟ اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ تمام وحی اور رسالت کا اصل مقصد اللہ کی وحدانیت کا اعلان ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز یہی تھا کہ بندگی صرف ایک اللہ کے لیے خاص کی جائے۔ آیت کے آخر میں سوالیہ انداز اختیار کر کے نہایت لطیف اور مؤثر دعوت دی گئی ہے، کہ اب جب حقیقت واضح ہو چکی، تو کیا تم اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے تیار ہو؟ ان آیات میں تین بنیادی حقائق نہایت جامع انداز میں بیان ہوئے ہیں، قرآن اور اس کے مضامین اہلِ عبادت کے لیے مکمل رہنمائی ہیں؛ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت پوری کائنات کے لیے رحمت ہے اور تمام وحی کا مرکزی پیغام توحید ہے، جس کی طرف پوری انسانیت کو دعوت دی جا رہی ہے، یہی سورۃ الانبیاء کا خلاصہ اور اس کا پیغامِ حیات ہے۔

روگردانی کرنے والوں کو جلد یا بدیر پتا چل جائے گا

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ {۱۰۹}

الأنبياء.

جواب ترجمہ: پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ میں نے تمہیں علی الاعلان خبر دار کر دیا ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ قریب ہے یا دور۔

تفسیر: پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں اور اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم کو آگاہ اور یکساں طور پر خبر دار کر دیا۔ میں نے تم کو اطلاع کر دی دونوں طرف برابر جس چیز کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے اور جس عذاب اور سزا کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نزدیک ہے یا دور ہے یعنی میں نے صاف صاف تم کو اطلاع دے دی کہ اب نہ مجھ پر کوئی بار ہے اور نہ تمہارے لئے کوئی حجت اور عذر ہے۔ تمہارا راستہ الگ اور میرا راستہ جدا۔

رہی یہ بات کہ جس عذاب کا تم کو خوف دلایا جاتا ہے اور نافرمانی کی صورت میں جس سزا سے ڈرایا جاتا ہے وہ عذاب یا سزا کیوں نہیں واقع ہوتی تو اس کے متعلق مجھے وقت نہیں معلوم کہ وہ دور ہے یا نزدیک ہے۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ حق کو نہ ماننے اور حق بات جو دلائل سے ثابت ہو چکی ہو اس کا انکار کرنے کی سزا ضرور ملے گی چاہے جب ملے۔ (تفسیر کشف الرحمٰن للدھلوی)

علم الٰہی، مہلت آزمائش اور فیصلہ حق

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ {۱۱۰}وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ {۱۱۱}قُلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ {۱۱۲}الانبياء

جواب ترجمہ: بلاشبہ بات ہے کہ اللہ زور کی کہی ہوئی بات کو جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لیے امتحان ہو اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔ رسول اللہ نے کہا کہ اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجیے اور ہمارا رب رحمن ہے، جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

تفسیر: سورۃ الانبیاء کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع اور پر اثر انداز میں منکرین کے طرزِ عمل، مہلتِ الٰہی کی حقیقت اور رسولِ اکرم ﷺ کے موقف کو واضح فرمایا ہے، یہ آیات گویا پوری سورت کے اختتام پر ایک فیصلہ کن پیغام اور آخری تنبیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ :یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہر کھلی اور چھپی بات کو خوب جانتا ہے، تم جو زبان سے کہتے ہو، چاہے وہ استہزاء ہو، انکار ہو یا عذاب کو چیلنج کرنا اور جو دلوں میں چھپاتے ہو، شک، نفاق یا انکار، سب اس کے علم میں ہے، اس کے علم کے سامنے ظاہر و باطن، پوشیدہ و علانیہ سب برابر ہیں، کوئی سرگوشی، کوئی خیال، کوئی منصوبہ ایسا نہیں جو اس سے اوجھل ہو، یہی کامل علم اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر ایک کے قول و عمل کا پورا پورا حساب لے گا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ :یعنی (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ فرما دیجئے کہ میں نہیں جانتا، شاید اس عذاب کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک مدت تک تمہیں فائدہ اٹھانے کی مہلت دی جا رہی ہو، یہاں ایک نہایت اہم حقیقت بیان کی گئی ہے کہ عذاب کا مؤخر ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ گرفت نہ ہو گی، بلکہ یہ ایک امتحان ہے، اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے تاکہ لوگ اپنی روش پر قائم رہ کر حجت کو مکمل کر دیں اور پھر جب فیصلہ آئے تو کوئی عذر باقی نہ رہے، یہ دنیا کی زندگی اور اس کی آسائشیں محض عارضی ہیں، ایک مقررہ وقت تک کی مہلت ہیں، اس کے بعد لازماً حساب و جزا کا مرحلہ آنا ہے۔ آخر میں رسولِ اکرم ﷺ کی وہ دعا نقل کی گئی جو آپ نے اس شدید انکار اور جھٹلانے کے مقابلے میں کی۔

قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ:یعنی اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے، اسی سے ہم ان باتوں کے مقابلے میں مدد چاہتے ہیں جو تم لوگ گھڑتے ہو، اس دعا میں ایک طرف اللہ کے عدل پر کامل اعتماد ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ کے درمیان فیصلہ ضرور کرے گا اور دوسری طرف اس کی صفتِ رحمت کا ذکر ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ باوجود اس سرکشی کے، اللہ تعالیٰ مہلت بھی دیتا ہے اور بندوں کو

سنبھلنے کا موقع بھی عطا فرماتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اہلِ حق کا سہارا صرف اللہ کی ذات ہے، وہی جھوٹ، بہتان اور مخالفت کے طوفان میں حقیقی مدد گار ہے۔

ان آیات میں تین بنیادی حقیقتیں بیان ہوئیں: اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن کو جانتا ہے؛ عذاب کی تاخیر دراصل آزمائش اور مہلت ہے اور بالآخر فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے، یوں سورۃ الانبیاء کا اختتام اس اعلان پر ہوتا ہے کہ حق غالب ہو کر رہے گا اور باطل اپنے انجام کو پہنچے گا۔

الحمدللہ آج سورۃ الانبیاء کے اضافات و ترمیمات مکمل ہوئیں۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۲۱ اپریل ۲۰۲۶ء بمطابق ۳ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ، بروز منگل علی الصبح ساڑھے چھے بجے

سورۃ الحج (تعارف)

سوال سورۃ الحج کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الحج قرآنِ مجید کی ان منفرد اور عجیب سورتوں میں سے ہے جن کے بارے میں مفسرین نے تصریح کی ہے کہ اس میں مکی اور مدنی دونوں رنگ یکجا ہو گئے ہیں، یہ سورت نہ صرف اپنے نزول کے تنوع کے اعتبار سے نمایاں ہے بلکہ اپنے مضامین کی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے بھی غیر معمولی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اہلِ تفسیر کے نزدیک یہ اُن سورتوں میں شمار ہوتی ہے جو مختلف حالات، رات و دن، سفر و حضر، امن و جنگ، میں نازل ہوئیں، اسی لیے اس کے اندر دعوت، انذار، شریعت اور جہاد کے مضامین نہایت ہم آہنگ انداز میں جمع ہو گئے ہیں۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کو "سورۃ الحج" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں حج کی فرضیت، اس کے بنیادی ارکان، اس کے روحانی و اجتماعی فوائد اور شعائرِ الٰہیہ کی تعظیم کو نہایت واضح اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ مبارک صدا، جو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد انسانیت کو حج کے لیے دی، اسی سورت میں اپنے اثرات کے ساتھ جلوہ گر ہے، گویا یہ نام صرف ایک عبادت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ایک عظیم تاریخی اور روحانی دعوت کی یادگار ہے، جس نے نسلِ انسانی کو "لبیک" کہنے پر آمادہ کیا۔

اہم مضامین: سورۃ الحج کے مضامین نہایت وسیع اور ہمہ گیر ہیں، جنہیں چند بڑے عنوانات کے تحت سمجھا جا سکتا ہے: یہ سورت قیامت کے ہولناک مناظر سے آغاز کرتی ہے اور انسان کو جھنجھوڑ کر یہ احساس دلاتی ہے کہ ایک عظیم دن آنے والا ہے، جس میں ہر شے لرز اٹھے گی، اس کے ساتھ ہی بعث بعد الموت کے عقلی اور مشاہداتی دلائل پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ انسان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے، جن کا تعلق بیت اللہ اور حج کے ساتھ ایک ابدی نسبت رکھتا

ہے، اسی مناسبت سے حج کے مناسک، قربانی کی حقیقت اور شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان کیا گیا ہے، جس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اصل مقصد ظاہر کے اعمال نہیں بلکہ دل کا تقویٰ ہے۔

سورت میں کفارِ مکہ کے ظلم و ستم، ان کے حق سے اعراض اور مسلمانوں کو مسجدِ حرام سے روکنے کے جرائم کو بھی نمایاں کیا گیا ہے، اس کے مقابلے میں اہلِ ایمان کو صبر، استقامت اور بالآخر نصرتِ الٰہی کی خوشخبری دی گئی ہے۔

مزید برآں، حج کی ایک عظیم حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ پوری امت ایک مقام پر جمع ہو کر وحدت، اخوت اور اجتماعیت کا عملی مظاہرہ کرے اور اللہ کے ذکر کے ذریعے اپنے دلوں کو زندہ کرے۔

سورۃ الانبیاء سے مناسبت: سورۃ الانبیاء میں جہاں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے واقعات کے ذریعے عقیدۂ توحید اور بعث کو اجاگر کیا گیا، وہاں سورۃ الحج انہی مضامین کو مزید دلائل اور عملی احکام کے ساتھ آگے بڑھاتی ہے، گویا پہلی سورت نظری تمہید ہے اور یہ سورت اس کا عملی اور تشریعی تسلسل۔

سورۃ الحج ایک جامع اور ہمہ گیر سورت ہے جس میں قیامت کا خوف، بعث کے دلائل، حج کی عظمت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار، کفار کی سرکشی، اہلِ ایمان کی آزمائش اور نصرتِ الٰہی، سب کو ایک مربوط نظام میں پیش کیا گیا ہے، یہ سورت انسان کو عقیدہ، عبادت، اجتماعیت اور جدوجہد، چاروں پہلوؤں سے سنوارنے کی دعوت دیتی ہے اور یہی اس کی اصل شان اور امتیاز ہے۔

قیامت کی ہولناکی اور تقویٰ کی دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ {۱} يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ {۲} وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ {۳} كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ

{۴} الحج

جواب ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی جسے دودھ پلایا اور ہر حمل ڈال دے گی، اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ نشہ کی حالت میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب سخت چیز ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ جو بھی کوئی شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے دھکتی ہوئی آگ کے راستہ پر ڈال دے گا۔

تفسیر: ان ابتدائی آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت جلالی اور بیدار کن انداز میں انسانیت کو مخاطب کر کے قیامت کی ہولناکی، بعث کے انکار کی تردید اور گمراہی کے اسباب کو واضح فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ: اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اپنے رب سے ڈرو، یعنی اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کی نافرمانی سے اجتناب اختیار کرو، تقویٰ دراصل زندگی کا وہ جامع اصول ہے جو بندے کو ہر حال میں اللہ کی رضا کا پابند بناتا ہے، اس حکم کے ساتھ قیامت کے ایک عظیم اور ہولناک منظر کا ذکر کیا گیا کہ اس دن زمین کی زلزلہ انگیز کیفیت اور دیگر خوفناک احوال ایسے ہوں گے کہ عقل دنگ رہ جائے گی، یہ محض خبر نہیں بلکہ تنبیہ ہے کہ اس دن کی تیاری کے لیے ابھی سے اعمالِ صالحہ اختیار کیے جائیں۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ: اس آیت میں قیامت کے خوف کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جو دلوں کو دہلا دیتا ہے، اس دن کا حال یہ ہو گا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتیں شدتِ خوف سے اپنے حمل گرا دیں گی، انسانوں کی حالت ایسی ہو گی گویا وہ نشے میں دھت ہیں، حالانکہ انہوں نے کوئی نشہ نہیں کیا ہو گا، بلکہ یہ اللہ کے عذاب کی شدت اور ہولناکی ہو گی جس نے ان کے ہوش اڑا دیے ہوں گے، گویا یہ منظر انسانی شعور کے زوال اور خوف کی انتہا کی تصویر ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: ان ہولناک حقائق کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ اُن

لوگوں کی مذمت فرماتا ہے جو بغیر کسی علم اور دلیل کے اللہ کی قدرت، خصوصاً مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے، کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، یہ لوگ نہ عقلِ سلیم کی پیروی کرتے ہیں اور نہ وحی کی روشنی سے رہنمائی لیتے ہیں، بلکہ ہر سرکش شیطان اور گمراہ پیشوا کے پیچھے چل پڑتے ہیں، ان کی گمراہی کی اصل بنیاد یہی اندھی تقلید اور حق سے بے نیازی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ: یہاں اس حقیقت کو مزید واضح کیا گیا کہ جو شخص ایسے سرکش شیطان کو اپنا رہبر بناتا ہے، اس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ اسے گمراہ کر کے سیدھے راستے سے ہٹا دے گا اور بالآخر جہنم کے عذاب کی طرف لے جائے گا، شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو دھوکے میں ڈال کر کفر و معصیت کی راہوں پر ڈال دے، یہاں تک کہ وہ اپنے انجامِ بد تک پہنچ جائے۔

ان آیات میں ایک جامع تنبیہ ہے، انسان کو چاہیے کہ قیامت کے یقینی اور ہولناک دن سے پہلے اپنے آپ کو سنوارے، کیونکہ وہ دن ایسا ہے جو ہر تعلق کو توڑ دے گا اور ہر عقل کو مبہوت کر دے گا، اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ گمراہی کی جڑ علم سے بے نیازی اور شیطانی قیادت کی پیروی ہے، جبکہ نجات کا راستہ تقویٰ، ایمان اور اللہ کی اطاعت میں مضمر ہے۔

انسانی پیدائش کے مختلف مراحل

سوال انسانی تخلیق کے کون کون سے مراحل ہیں؟ آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَآءُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ {٥} ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {٦} الحج

جواب ترجمہ: اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے، اور (کبھی) پورا نہیں بنتا تاکہ ہم تمہارے لیے (تمہاری) حقیقت کھول کر بتادیں، اور ہم (تمہیں) ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دنیا سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور تمہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (یعنی انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے، اس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ : اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب فرماتے ہیں کہ اگر تم اس بات میں شک کرتے ہو کہ اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ تو پھر یہ دیکھو کہ ہم نے تمہارے آباؤاجداد کو پیدا کیا ہے، آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر ایک پانی کے قطرہ سے ان کی اولاد کی نسل چلائی ہے، وہ ایک قطرہ آب جو مرد عورت کے رحم میں منتقل کرتا ہے، پھر وہ اللہ کی قدرت سے ایک لوتھڑے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ لوتھڑا ایک گاڑھا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر ایک ٹکڑا گوشت کا بن جاتا ہے، ایسا ٹکڑا جسے چبایا جاسکتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس ٹکڑے سے کامل درجے کی پیدائش ہوتی ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، کبھی اس ٹکڑے سے پیدائش مکمل نہیں ہوتی۔

لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی قدرت کے تمام تصرفات جو انسانی تخلیق و پیدائش میں ہوتے ہیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں، ہم جسے چاہتے ہیں رحم مادر میں باقی رہنے دیتے ہیں پھر اس کی اپنے وقت پر ولادت ہوتی ہے، پہلے یہ چھوٹا بچہ ہوتا ہے، پھر بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جاتا ہے، عالم جوانی

میں اسے قوت ملتی ہے، اسے کامل عقل ملتی ہے، بعض بچے اس عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں، بعض بڑھتے ہیں یہاں تک کہ وہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جاتے ہیں، پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس بوڑھے کی عقل کمزور ہو جاتی ہے، پھر اس پر ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ یہ کچھ نہیں سمجھتا جو اس سے پہلے سمجھتا تھا۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ: سے مراد انسان کی عمر کا وہ آخری اور نہایت کمزور مرحلہ ہے جس میں اس کی جسمانی و ذہنی قوتیں بتدریج زائل ہونے لگتی ہیں، یہ وہ حالت ہے جب انسان اپنی توانائی، یادداشت اور فہم و ادراک کھو بیٹھتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک طرح سے بچپن جیسی ناتوانی اور بے بسی کی طرف لوٹ جاتا ہے، قرآنِ کریم نے اس کیفیت کو اس انداز میں بیان کیا کہ انسان "جاننے کے بعد نہ جاننے" کی حالت میں پہنچ جاتا ہے، یعنی علم و شعور کا چراغ مدھم پڑ جاتا ہے۔

مفسرین کے نزدیک یہی عمر کا سب سے پست، بے قوت اور ناقص حصہ ہے، جس میں بڑھاپا اپنی انتہا کو پہنچ کر انسان کو ضعف، خرف (جب بڑھاپے کی وجہ سے انسان کی عقل، یادداشت اور سمجھ بوجھ کمزور یا زائل ہو جائے) اور بے اختیاری کی حالت میں لے آتا ہے، اس تعبیر کے ذریعے نہ صرف انسانی زندگی کے تدریجی زوال کو واضح کیا گیا ہے بلکہ اس میں یہ تنبیہ بھی مضمر ہے کہ جو ذات انسان کو ابتدا سے انتہا تک مختلف حالتوں میں منتقل کرتی ہے، وہی اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی کامل قدرت رکھتی ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ: اللہ تعالیٰ اس انسان کو بتاتے ہیں کہ زمین کو دیکھ لو کہ وہ خشک اور بے آباد ہے، جب ہم اس زمین پر پانی برساتے ہیں تو یہی زمین حرکت میں آتی ہے، اس سے سبزہ پھٹ پھٹ کر باہر نکلتا ہے، پھر یہی سبزہ بلند ہوتا ہے، پھر اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، پھر اس زمین میں ہر طرح کا سبزہ اگتا ہے جو دیکھنے والوں کو خوش کر دیتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ پچھلی آیات میں بیان کردہ انسانی تخلیق کے مختلف مراحل اور اس کی حیرت انگیز کیفیات کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا تاکہ تم اس حقیقت کو پہچان لو کہ

اللہ ہی برحق ہے، اس کی ذات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس کے مقابلے میں وہ تمام معبود جنہیں تم نے اپنے طور پر گھڑ رکھا ہے، چاہے وہ بت ہوں یا دیگر باطل سہارے، سب بے حقیقت اور بے بنیاد ہیں۔

مزید یہ کہ اسی خالقِ حقیقی کی قدرت کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے، کیونکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا، اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں، وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اس آیت میں توحید، بعث بعد الموت اور قدرتِ الٰہی، ان تینوں بنیادی عقائد کو نہایت مؤثر انداز میں ایک ہی دلیل کے ذریعے واضح کر دیا گیا ہے۔

یقین قیامت اور بے بنیاد مجادلہ منکرین

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ {۷} وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ {۸} الانبیاء

جواب ترجمہ: اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور بلاشبہ اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر کسی ایسی کتاب کے جو روشنی دکھانے والی ہو اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب دلائل اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ تم اس حقیقت پر ایمان لے آؤ کہ قیامت آنے والی ہے، اس کے وقوع میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہ بھی یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ قبروں میں مدفون مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے، گویا تخلیقِ انسان کے مراحل، زندگی اور موت کے نظام، یہ سب اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ دوبارہ اٹھایا جانا ایک یقینی حقیقت ہے، جس کا انکار محض غفلت اور ہٹ دھرمی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: پچھلی آیات میں جہاں عام لوگوں کی گمراہی کا سبب اندھی تقلید کو بتایا گیا تھا، یہاں ان سردارانِ کفر کا ذکر کیا جا رہا ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو

بھی گمراہ کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مگر ان کے پاس نہ کوئی صحیح علم ہوتا ہے جو انہیں حق تک پہنچا سکے، نہ کسی ہدایت دینے والے کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب کی روشنی ان کے پاس ہوتی ہے جو انہیں سیدھی راہ دکھائے۔

گویا ان کی مخالفت محض ضد، تکبر اور خواہشِ نفس پر مبنی ہوتی ہے، جس میں نہ دلیل کی بنیاد ہوتی ہے اور نہ ہدایت کی روشنی، یہی طرزِ عمل انسان کو حق سے دور اور گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان آیات میں واضح کر دیا گیا کہ قیامت اور بعث ایک یقینی حقیقت ہے، جس کے لیے کائنات اور انسان کی تخلیق خود ایک دلیل ہے، جبکہ اس کا انکار کرنے والے درحقیقت علم، ہدایت اور وحی، تینوں سے محروم ہو کر محض باطل مجادلے میں پڑے ہوتے ہیں۔

دونوں جہانوں میں ذلت ورسوائی

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ کریں اور بتائیں کہ ثَانِيَ عِطْفِهٖ کا کیا معنیٰ ہے؟

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝{۹} ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ{۱۰} الحج

جواب ترجمہ: یہ ایسا شخص ہے جو گردن کو موڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ سے ہٹا کر لوگوں کو گمراہ کرے، اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔ یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ ان جاہلوں اور راندہ درگاہ لوگوں کا ذکر فرما رہے ہیں جو توحید کی راہ حق کو چھوڑ کر شرک کی وادیوں میں سرگرداں ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں کسی علم و دلیل کے بغیر ہی جھگڑا کرتے ہیں، یہ مشرکین ہر سرکش شیطان کے پیروکار ہیں، اللہ نے ان کے بارے میں واضح فرما دیا ہے کہ یہ لوگ گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہیں، یہ کفر کے سرغنے ہیں، یہ خرافات کے بانی ہیں، اللہ کی

ذات کے بارے میں مخاصمت کرتے ہیں مگر ان کے پاس علم نہیں ہے، ان کے پاس ہدایت کی دولت نہیں ہے، ان کے پاس روشن کتاب کی راہنمائی بھی نہیں ہے، ان کے پاس عقل سلیم بھی نہیں ہے، نہ ہی نقل صحیح وصریح ان کے پاس موجود ہے، ان کے پاس محض رائے، اٹکل پچو اور خواہشات نفسانیہ ہیں۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثانی عطفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب اسے حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے راہ حق سے منہ موڑتا ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثانی عطفہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی گردن کو موڑتا ہے، یعنی جس حق کی طرف اسے بلایا جاتا ہے وہ تکبر کرتے ہوئے اس سے اپنی گردن پھیر لیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کا ذکر سورۃ الذاریات کی آیت ۳۸ میں فرمایا کہ جب انہیں موسیٰ پیغام حق سناتے تو وہ انہیں جادوگر اور پاگل کہتے ہوئے ان کی بات اور ان کی دعوت سے منہ پھیر لیتے تھے۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت ۶۱ میں منافقین کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب انہیں کتاب اللہ اور رسول اللہ کی طرف بلایا جاتا تو وہ راہ حق میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے، اسی طرح سورۃ المنافقون کی آیت 5 میں فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کو اس لیے دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ استغفار کریں، بخشش مانگیں تو وہ تکبر کی وجہ سے رک جاتے ہیں۔

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ لوگوں کے سامنے تکبر کرتے ہوئے باچھیں پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والوں کے بارے میں سورۃ لقمان کی آیت 7 میں فرمایا کہ جب ان کے سامنے آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ تکبر کی وجہ سے منہ پھیر لیتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ گویا انہوں نے اسے سنا ہی نہیں ہے، گویا کہ ان کے کانوں میں ڈاٹیں ہیں، ایسے لوگوں کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔

ایسے متکبرین کی سزا دنیا میں تو رسوائی ہے، ذلت ہے، جس طرح وہ اللہ کی آیات کے سامنے تکبر کرتے ہیں اللہ دنیا میں انہیں قعر مذلت میں ڈال دیتا ہے، آخرت کی آمد سے پہلے ہی اللہ انہیں سزا دے

دیتا ہے، کیونکہ اس کے ہاں دنیا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے دوڑ دھوپ اور فکر کرنی چاہیے وہ آخرت کی زندگی کو اہمیت نہیں دیتا، ایسے کو آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ عذاب چکھائیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ: اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ عذاب کو خطاب کر کے فرمایا جائے گا کہ یہ عذاب جس کا تم مزہ چکھ رہے ہو، دراصل تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، ان کفر اور نافرمانیوں کا بدلہ جو تم نے دنیا میں اپنے ہاتھوں سے کمائیں، یہ کوئی ظلم یا ناانصافی نہیں، بلکہ عین عدل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا، وہ کسی کو بلاوجہ عذاب نہیں دیتا، بلکہ ہر شخص کو اسی کے کیے کا بدلہ دیتا ہے، اس ارشاد میں انسان کو یہ تنبیہ بھی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے، کیونکہ انجام میں ہر عمل اپنے اثر کے ساتھ ظاہر ہو کر رہے گا۔

لوگوں کی اقسام

سوال اس آیت مبارکہ میں بہت سے لوگوں کے احوال بیان کیے گئے ہیں، اس کی وضاحت کیجیے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ {۱۱} يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ {۱۲} يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ {۱۳} الحج

جواب ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی شخص کنارہ پر ہو پھر اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچ گئی تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو گیا اور اگر کچھ آزمائش آگئی تو اپنے چہروں کے بل پلٹ گیا وہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے تباہ ہو گیا۔ یہ کھلی ہوئی تباہی ہے۔ یہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں، جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، یہی بڑی دور کی گمراہی ہے۔ وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جن کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ قریب ہے، بہت برا ہے ان کا مولیٰ اور برے ہیں ان کے ساتھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْمَدِينَةَ، فَإِنْ وَلَدَتِ امْرَأَتُهُ غُلَامًا، وَنُتِجَتْ خَيْلُهُ، قَالَ: هَذَا دِينٌ صَالِحٌ، وَإِنْ لَمْ تَلِدِ امْرَأَتُهُ وَلَمْ تُنْتَجْ خَيْلُهُ، قَالَ: هَذَا دِينُ سُوءٍ (بخاری) بعض لوگ مدینہ آتے (اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے) اس کے بعد اگر اس کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا اور گھوڑی بھی بچہ دیتی تو وہ کہتے کہ یہ دین (اسلام) بڑا اچھا دین ہے، لیکن اگر ان کے یہاں لڑکا نہ پیدا ہوتا اور گھوڑی بھی کوئی بچہ نہ دیتی تو کہتے کہ یہ تو برا دین ہے اس پر مذکور بالا آیت نازل ہوئی۔

"حرف" کے معنی شک کے ایک طرف کے ہیں، گویا وہ دین کے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں فائدہ ہوا تو پھولے نہیں سماتے، نقصان دیکھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابن حاتم میں آپ سے مروی ہے کہ اعراب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اسلام قبول کرتے واپس جا کر اگر اپنے ہاں بارش، پانی پاتے، جانوروں میں، گھر بار میں برکت دیکھتے تو اطمینان سے کہتے بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو جھٹ سے بک دیتے کہ اس دین میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو مدینے پہنچتے ہی اگر ان کے ہاں لڑکا ہوتا یا ان کی اونٹنی بچہ دیتی تو انہیں راحت ہوتی، اس پر وہ خوش ہو جاتے اور ان کی تعریفیں کرنے لگتے اور اگر کوئی بلا، مصیبت آگئی، مدینے کی ہوا موافق نہ آئی، گھر میں لڑکی پیدا ہو گئی، صدقے کا مال میسر نہ ہوا تو شیطانی وسوسے میں آجاتے اور صاف کہہ دیتے کہ اس دین میں تو مشکل ہی مشکل ہے۔

عبدالرحمن رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حالت منافقوں کی ہے، دنیا اگر مل گئی تو دین سے خوش ہیں جہاں نہ ملی یا امتحان آگیا فوراً پلہ جھاڑ لیا کرتے ہیں، مرتد کافر ہو جاتے ہیں، یہ پورے بدنصیب ہیں دنیا آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں اس سے زیادہ اور بربادی کیا ہوتی؟

جن ٹھاکروں، بتوں اور بزرگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں، جن سے فریاد کرتے ہیں، جن کے پاس اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں، جن سے روزیاں مانگتے ہیں وہ تو محض عاجز ہیں، نفع نقصان ان کے ہاتھ ہی نہیں، سب سے بڑی گمراہی یہی ہے، دنیا میں بھی ان کی عبادت سے نقصان نفع سے پیشتر ہی ہو جاتا

ہے۔ اور آخرت میں ان سے جو نقصان پہنچے گا اس کا کہنا ہی کیا ہے؟ یہ بت تو ان کے نہایت برے معبود اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے۔ یا یہ مطلب کہ ایسا کرنے والے خود بہت ہی بد اور بڑے ہی برے ہیں مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سے پہلے والی تفسیر کو عمدہ قرار دیا ہے۔

اہل ایمان کے لیے بشارتِ جنت

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ {۱۴} مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ {۱۵} وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ {۱۶} الحج

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہ کرے گا تو اسے چاہیے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر کاٹ دے پھر دیکھ لے آیا اس کی تدبیر اس کے غیظ کی چیز کو ختم کر سکتی ہے۔ اور ہم نے اسی طرح کھلی ہوئی آیات نازل کیں اور بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ : اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے انجامِ خیر کو نہایت دلنشیں انداز میں بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال اختیار کیے، انہیں وہ ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جو دائمی راحت اور سرور کا مقام ہیں، یہ ان کے ایمان و عمل کا بہترین صلہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ: فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ جس پر چاہے اپنی رحمت فرماتا ہے اور جسے چاہے اس کے اعمال کے مطابق سزا دیتا ہے، اس کی مشیت کامل اور بے روک ہے، کوئی اسے مجبور

کرنے والا نہیں، پس اس آیت میں ایک طرف اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ جزاو سزا کا نظام اللہ کی حکمت، عدل اور کامل اختیار کے تحت جاری ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: جو شخص یہ گمان رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر گز اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی دنیا میں مدد نہیں کرے گا، یعنی ان کے دین کو غالب کرنے کی صورت میں اور آخرت میں ان کے درجات کو بلند نہیں کرے گا اور ان کے جھٹلانے والوں کو عذاب نہیں دے گا، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر کی چھت کے ساتھ ایک رسی باندھ دے، اس کے ساتھ لٹک کر اپنا گلا گھوٹ ڈالے، پھر اس رسی کو کاٹ ڈالے، پھر دیکھے کہ اس کے دل میں جو غیظ وغضب بھرا ہوا تھا وہ ختم ہو گیا ہے یا باقی ہے؟ اللہ تو ہر صورت میں اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی مدد نصرت کریں گے۔

مفسر قرآن علامہ بغوی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا تو وہ گھر کی چھت کے ساتھ ایک رسی تان لے، اِلَى السَّمَآءِ، اس سے مراد گھر کی چھت ہے۔ مطلب یہ کہ چھت کے ساتھ ایک رسی باندھ کر اس کو اپنے گلے میں ڈال لے تاکہ مر جائے۔ ثُمَّ لْيَقْطَعْ پھر اسی رسی کو کاٹ دو۔

بعض نے کہا کہ پھر تو اس کو کاٹ دے، یعنی تم اس رسی کو لمبا چھوڑ دو تاکہ اس کے ذریعے رگیں کٹ جائیں یا دب جائیں اس سے وہ مر جائے۔

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ: اس کی کاریگری اور اس کا حیلہ، مایغیظ، ما بمعنی مصدر کے ہے، کیا اس کا غصہ پر مکر وفریب چلا جائے گا، اس کا معنی ہے کہ وہ غصے کے ساتھ اپنی گردن کو رسی سے باندھ لے تاکہ غصہ کی وجہ سے مر جائے جیسا کہ حاسد کے لیے کہا جاتا ہے اگر تو اس بات پر راضی نہیں تو اپنا گلا گھونٹ کر مر جانا۔

ابن زید کا قول ہے کہ، آیت میں، اَلسَّمَآءِ، سے مراد آسمان دنیا ہے مطلب یہ کہ جو شخص خیال

کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا، اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ کو جڑ سے ہی کاٹ دے اور رسی تان کر آسمان دنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے آنے والی خداوندی نصرت کو روک دے اس کا مطلب یہ کہ آسمان دنیا تک پہنچ کر وہاں سے وحی کا آنا بند کر دے، تو پھر وہ دیکھ لے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا۔ ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ ہے، رسول اللہ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمارے لیے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ محمد کی مدد نہیں کرے گا، اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہو گا، وہ ہم کو غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کی جگہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے کہا کہ نصر کا معنی ہے رزق اور ھاء راجع ہے۔ من کی طرف اس صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دنیا میں اور آخرت میں رزق عطا نہیں کرے گا، اس کے برے گمان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اس کو یہ خوف ہے کہ اس کو کوئی رزق نہیں دے گا، اور تحقیق مدد آپہنچی، اور کبھی نصر سے مراد رزق یعنی عطا کرنا ہے جیسا کہ عرب کا قول ہے، مَن یَّنصُرُنِی نَصَرَہُ اللہ، یعنی جو کوئی مجھے دے گا اسے اللہ تعالیٰ دے گا۔ (تفسیر بغوی ج۳ ص۳۲۸)

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارے سامنے بعث بعد الموت پر روشن اور واضح دلائل بیان کر دیے، اسی طرح ہم نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر بھی یہ قرآن نازل فرمایا ہے جو کھلی اور واضح آیات پر مشتمل ہے، تاکہ حق ہر طرح سے نمایاں ہو جائے۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ: ارشاد ہوتا ہے کہ ہدایت دینا دراصل اللہ کے فضل پر موقوف ہے، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، پس یہ قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے، مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جسے اللہ اپنی عنایت سے راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے۔

مخلوق کی سجدہ ریزیاں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ {۱۸} الحج

جواب ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت انسان، اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، بیشک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

مستحق عبادت صرف وحدہ لاشریک لہ ہے اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے خواہ بخوشی خواہ بے خوشی، ہر چیز اپنے اپنے طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے، جیسے قرآن کریم میں سائے کے سجدہ کے بارے میں ارشاد ہے، أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ} [النَّحْلِ: ۴۸) کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے اور اس وقت وہ اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہیں۔

آسمانوں کے فرشتے، زمین کے حیوان، انسان، جنات، پرند، چرند، سب اس کے سامنے سربہ سجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کر رہے۔ سورج چاند ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اسی لئے فرمایا لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ} [فُصِّلَتْ: ۳۷) سورج چاند کو سجدے نہ کرو اسے سجدے کرو

جو ان کا خالق ہے، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ، ثُمَّ تَسْتَأْمِرُ فَيُوشِكُ أَنْ يُقَالَ لَهَا: ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ (بخاری، مسلم) جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی ﷺ کو، آپ ﷺ نے فرمایا یہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے، وقت آرہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔

حدیث شریف میں ہے کہ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ خَلْقَانِ مِنْ خَلْقِ اللهِ وَإِنَّهُمَا لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا تَجَلَّى لِشَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ خَشَعَ لَهُ (ابی داؤد، ابن ماجہ، نسائی) سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ کسی کی موت اور پیدائش سے گرہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کس پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سورج چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر داہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہاڑوں اور درختوں کا سجدے میں ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ (ابن کثیر)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا، اَللّٰهُمَّ، اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ، یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی۔ سجدہ کیا اور یہی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی، ابن کثیر)

تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ اتِّخَاذِ ظُهُورِ الدَّوَابِّ مَنَابِرَ فَرُبَّ مَرْكُوبَةٍ خَيْرٌ وَأَكْثَرُ ذِكْرًا لِلّٰهِ مِنْ رَاكِبِهَا (مسند احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی پیٹھ کو منبر بنانے سے منع فرمایا، کہ بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

اور اکثر انسان وہ بھی ہیں جو اپنی خوشی سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ انسانوں میں وہ بھی کم نصیب ہیں جن پر اللہ کا عذاب ثابت ہو چکا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے محروم ہیں تکبر کرتے ہیں۔ سرکشی کرتے ہیں۔ اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزت کون دے سکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو اللہ کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا يَا عَبْدَ اللهِ، خَلَقَكَ اللهُ كَمَا يَشَاءُ أَوْ كَمَا شِئْتَ ؟ قَالَ: بَلْ كَمَا شَاءَ. قَالَ: فَيُمَرِّضُكَ إِذَا شَاءَ أَوْ إِذَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلْ إِذَا شَاءَ. قَالَ: فَيَشْفِيكَ إِذَا شَاءَ أَوْ إِذَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلْ إِذَا شَاءَ قَالَ: فَيُدْخِلُكَ حَيْثُ شِئْتَ أَوْ حَيْثُ يَشَاءُ؟ قَالَ: بَلْ حَيْثُ يَشَاءُ. قَالَ: وَاللهِ لَوْ قُلْتَ غَيْرَ ذَلِكَ لضربتُ الَّذِي فِيهِ عَيْنَاكَ بِالسَّيْفِ،

اے شخص! بتا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق۔ فرمایا یہ بھی بتا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے۔ پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا اللہ کے ارادے سے؟ جواب دیا اللہ کے ارادے سے۔ فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا

جہاں وہ چاہے۔ فرمایا پھر کیا بات باقی رہ گئی؟ سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو واللہ میں تیرا سر اڑا دیتا۔ (ابن ابی حاتم، ابن کثیر)

حضرت نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُولُ: يَا وَيْلَهُ. أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ، فَلَهُ الْجَنَّةُ، وأُمِرتُ بِالسُّجُودِ فأَبيتُ، فَلِيَ النَّارُ (مسلم) جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اس نے سجدہ کر لیا جنتی ہو گیا میں نے انکار کر دیا جہنمی بن گیا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول ﷺ سورۃ حج کو اور تمام سورتوں پر یہ فضیلت ملی کہ اس میں دو آیتیں سجدے کی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جو ان دونوں پر سجدہ نہ کرے اسے چاہے کہ اسے پڑھے ہی نہیں۔ (ترمذی)

ابو داؤد میں فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ سورۃ حج کو قرآن کی اور سورتوں پر یہ فضیلت دی گئی ہے اس میں دو سجدے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیبہ میں اس سورت کی تلاوت کی اور دو بار سجدہ کیا اور فرمایا اسے ان سجدوں سے فضیلت دی گئی۔ (ابو بکر بن عدی) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے، تین مفصل میں دو سورۃ حج میں۔ (ابن ماجہ) یہ سب روایتیں اس بات کو پوری طرح مضبوط کر دیتی ہیں۔

اہل ایمان اور اہل کفر کا انجام

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ یہاں خَصْمٰنِ سے مراد کون سے دو گروہ ہیں جو قیامت کے دن اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کریں گے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ {۱۹} يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ {۲۰} وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ {۲۱} كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۠ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ

{۲۲}اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ {۲۳}وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ {۲۴}الحج

جواب ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے، ان کے سروں پر گرم پانی ڈال دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہو گا اور کھالیں بھی گل جائینگی۔ اور ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب کبھی تکلیف سے تنگ آکر وہ اس سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں پھر اسی میں لوٹا دیا جائے گا، کہ چکھو جلتی آگ کا مزہ۔ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں، اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے سجایا جائے گا، اور جہاں ان کا لباس ریشم ہو گا۔ اور (وجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (یعنی کلمہ توحید) تک ہو گئی تھی، اور وہ اس خدا کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔

شان نزول: ① حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "مجھے اللہ کی قسم ہے کہ یہ آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ، ان چھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حمزہ، عبیدہ، علی بن ابی طالب، عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ۔ (اسباب النزول)

② ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آیت میں خَصْمٰنِ سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے مومنوں سے کہا تھا کہ ہم اللہ کے نزدیک تمہارے مقابل میں زیادہ برتر ہیں اور کتاب کے لحاظ سے تم سے مقدم ہیں ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے کا نبی ہے، مومنوں نے کہا کہ ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں، ہم محمد ﷺ پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر ایمان لائے اور ہم کتابوں کے لکھے پر بھی ایمان لائے مگر تم نے ہمارے نبی ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ترک کر دیا اور حسد کی وجہ سے تم نے ہمارے نبی ﷺ کا انکار کیا، اپنے رب کے معاملے ان کی خصومت یہی تھی چنانچہ اللہ نے انہی کے بارے میں یہ آیت نازل کی

اور یہی قتادہ کا قول ہے۔ (اسباب النزول)

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ: یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں باہم جھگڑتے ہیں: ایک اہلِ ایمان جو حق پر قائم ہیں اور دوسرے اہلِ کفر جو باطل پر اڑے ہوئے ہیں، چنانچہ کافروں کے لیے ایسا عذاب مقدر ہے کہ آگ انہیں اس طرح گھیر لے گی جیسے لباس جسم کو گھیر لیتا ہے اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِي بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ: اس کھولتے ہوئے پانی کی شدت سے ان کے پیٹوں کے اندر کی انتڑیاں تک پگھل جائیں گی اور ان کی کھالیں بھی جل کر تحلیل ہو جائیں گی، یہ عذاب کی وہ ہولناک کیفیت ہے جو اندر اور باہر دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ: مزید برآں ان کے لیے لوہے کے بھاری ہتھوڑے ہوں گے، جن سے فرشتے ان کے سروں پر ضربیں لگائیں گے، تاکہ ان کا عذاب مزید شدید اور دردناک ہو جائے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا: جب بھی وہ اس شدید تکلیف اور گھٹن سے تنگ آکر جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، انہیں دوبارہ اسی میں دھکیل دیا جائے گا اور کہا جائے گا، جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو، یہ ان کی بے بسی اور دائمی سزا کی واضح تصویر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: اس کے برعکس اہلِ ایمان کا انجام نہایت خوشگوار ہے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، اللہ تعالیٰ انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا اور ان کا لباس ریشم کا ہو گا، جو عزت، راحت اور دائمی نعمت کی علامت ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ: مزید یہ کہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکیزہ کلمات کی ہدایت دی، جیسے کلمۂ توحید، تسبیح، تکبیر اور حمد اور انہیں اس پسندیدہ اور سیدھے راستے پر چلایا جو اسلام کا راستہ ہے، یہی ہدایت آخرت کی کامیابی کا پیش خیمہ بنی۔

حرمتِ حرم، صد عن سبیل اللہ اور اِلحاد کی سنگین وعید

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ {۲۵}الحج

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے، اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں، اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھادیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی اس کے دین میں داخل ہونے سے روکا اور خاص طور پر مسجدِ حرام سے لوگوں کو باز رکھا، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ نے اہلِ ایمان کو روکا، یہ سخت وعید کے مستحق ہیں، ان کا جرم صرف ذاتی گمراہی تک محدود نہیں بلکہ دوسروں کو بھی راہِ حق سے ہٹانا ہے، جو دوہرا ظلم ہے۔

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ: یہ وہ عظیم مسجد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے یکساں بنایا ہے، خواہ وہ مکہ میں مقیم ہوں یا دور دراز سے آنے والے مسافر، سب کے حقوق برابر ہیں، اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو عبادت سے روکے یا اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرے، کیونکہ یہ بیت اللہ پوری امت کا مشترکہ مرکز ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ: اور جو شخص اس مقدس مقام میں کسی بھی قسم کی کج روی، انحراف یا ظلم کا ارادہ کرے، خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عمل میں، تو یہ محض گناہ نہیں بلکہ حرم کی حرمت کے

خلاف سنگین جرم ہے، یہاں "اِلحاد" سے مراد ہر وہ انحراف ہے جو حق سے ہٹانے والا ہو اور "بظلم" اس کے ارادی اور شعوری ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

آیتِ کریمہ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ میں لفظ اِلحاد اپنی وسعتِ معنی کے اعتبار سے نہایت جامع اور بلیغ تعبیر ہے، لغوی اعتبار سے اس کا اصل مفہوم میلان، انحراف اور راہِ مستقیم سے ہٹ جانا ہے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں یہ ہر اس طرزِ عمل کو شامل ہو جاتا ہے جو حرمِ مکہ کی حرمت اور تقدس کے خلاف ہو، چنانچہ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اس میں شرک، ظلم، معصیت، حرام کو حلال سمجھنا، حدودِ حرم کی بے حرمتی، حتیٰ کہ کسی گناہ کا محض ارادہ کرنا بھی داخل ہے، کیونکہ آیت میں وَمَنْ يُّرِدْ کے الفاظ نیت اور قصد ہی پر مؤاخذہ کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یوں "اِلحاد" ایک جامع عنوان بن جاتا ہے ہر اس ظاہری یا باطنی انحراف کا جو اس مقدس مقام میں اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے، اس تعبیر کے ذریعے قرآن کریم نے یہ حقیقت نہایت زور کے ساتھ واضح کی ہے کہ حرمِ مکہ کا احترام عام مقامات سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہاں ادنیٰ درجے کی کج روی بھی اللہ کے نزدیک سنگین جرم شمار ہوتی ہے۔

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ: ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حرمِ مکہ کی حرمت عام مقامات سے بڑھ کر ہے اور یہاں گناہ کا ارادہ بھی سخت مواخذے کا باعث بن سکتا ہے، یہ آیت نہ صرف کفار کی سرکشی پر تنبیہ ہے بلکہ اہلِ ایمان کو بھی یہ سبق دیتی ہے کہ بیت اللہ کی عظمت کو دل و عمل دونوں میں محفوظ رکھیں۔

تعمیرِ کعبہ اور تطہیرِ بیت اللہ کا حکم

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ {۲۶} الحج

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی کہ تم میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ: اور (اے میرے حبیب ﷺ!) وہ وقت یاد کیجیے جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ متعین کرکے دکھادی، جبکہ وہ اس سے پہلے مخفی اور غیر معروف ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رہنمائی سے اس مقدس مقام کی نشاندہی فرمائی تاکہ اسے دوبارہ مرکزِ عبادت بنایا جائے۔

أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا: اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے یہ حکم دیا کہ میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بلکہ خالص میری ہی بندگی اختیار کرنا، یہ دراصل بیت اللہ کی تعمیر کا پہلا اور بنیادی مقصد تھا کہ یہاں صرف توحید کی صدا بلند ہو۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ: اور میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے، اس تطہیر میں ظاہری نجاستوں سے پاکیزگی بھی شامل ہے اور باطنی آلودگیوں، یعنی شرک، بدعت اور ہر قسم کی ناپاکی، سے حفاظت بھی مراد ہے، تاکہ یہ گھر ہر آنے والے بندے کے لیے خالص عبادت اور روحانی طہارت کا مرکز بن جائے۔

فرضیت حج کا اعلان عام

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ {۲۷} لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ {۲۸} الحج

جواب ترجمہ: اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، وہ تمہارے پاس پیدل چل کر اور دبلی اونٹنیوں پر

آئیں گے، یہ اونٹنیاں دور دراز راستوں سے آئیں گی۔ تاکہ لوگ اپنے منافع کے لیے حاضر ہوں، اور ایام مقررہ میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہوں، تم ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ: اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں کہ لوگ حج کے لیے آئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، اے اللہ میری آواز کو پوری دنیا تک کون پہنچائے گا؟ حکم ہوا آپ کا کام اعلان کرنا ہے پہنچانا ہمارا کام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر کھڑے ہوئے فوراً مقام اٹھ کر بلند ترین مقام کے برابر ہو گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں اور بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض کر دیا ہے، اپنے رب کی دعوت قبول کرو، سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹ کے اندر سے، لبیک اللھم لبیک، کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سب سے پہلے، لبیک کہنے والے اہل یمن تھے، اس لیے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر آواز دی تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں الناس سے مراد اہل قبلہ ہیں، حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ، **اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ**، علیحدہ کلام ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لیے بلائیں، **ضَامِرٍ** اس اونٹ یا اونٹنی یا گھوڑے کو کہتے ہیں جو طول سفر کی وجہ سے لاغر ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ: تاکہ وہ ان بے شمار منافع میں حاضر ہوں جو ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، یہ منافع صرف ظاہری نہیں بلکہ روحانی اور اجتماعی بھی ہیں، گناہوں کی مغفرت اجر و ثواب کا حصول اور امت کی وحدت و یگانگت کا استحکام، یہ سب حج کی عظیم برکتوں میں شامل ہیں۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ: اور وہ مقررہ دنوں میں اللہ کا نام ذکر کریں، یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ اور اس کے بعد کے تین دن، جو ایامِ تشریق کہلاتے ہیں، ان ایام میں ذکرِ الٰہی کی کثرت اور قربانی کے وقت اللہ کا نام لینا بندگی اور شکر گزاری کا حسین مظہر ہے۔

عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ: ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے، اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں جنہیں اس کی راہ میں قربان کیا جاتا ہے، اس اعتراف کے ساتھ کہ سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ: پس ان میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاج و نادار لوگوں کو بھی کھلاؤ، یہ حکم اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ قربانی صرف ایک عبادت ہی نہیں بلکہ سماجی ہمدردی اور ایثار کا عملی درس بھی ہے، جس کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقات کو بھی خوشیوں میں شریک کیا جاتا ہے۔

افعالِ حج میں ترتیب کا درجہ

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ، وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ کا کیا مطلب ہے؟

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ{۲۹} ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ{۳۰} الحج

جواب ترجمہ: پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیت عتیق کا طواف کریں۔ یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، اور تمہارے لیے چوپائے حلال کیے گئے سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں، سو تم گندگی سے یعنی بتوں سے بچو، اور جھوٹی بات سے بچو۔

تفث کے لغوی معنے میل کچیل کے ہیں جو انسان کے بدن پر جمع ہو جاتا ہے حالت احرام میں

چونکہ بالوں کا مونڈنا، کاٹنا، نوچنا اسی طرح ناخن تراشنا، خوشبو لگانا یہ سب چیزیں حرام ہوتی ہیں تو ان کے نیچے میل کچیل جمع ہونا طبعی امر ہے اس آیت میں یہ فرمایا کہ جب حج میں قربانی سے فارغ ہو جاؤ تو اس میل کچیل کو دور کرو مطلب یہ ہے کہ اب احرام کھول ڈالو اور سر منڈالو ناخن تراشو، زیر ناف کے بال صاف کرلو، آیت مذکورہ میں پہلے قربانی کرنے کا ذکر آیا اس کے بعد احرام کھولنے کا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے کام کرنا چاہئے قربانی سے پہلے حلق کرنا یا ناخن کاٹنا وغیرہ ممنوع ہے اور جو ایسا کرے گا اس پر دم جنایت واجب ہو گا۔ (معارف القرآن للمفتی)

افعال حج میں ترتیب کا درجہ: جو ترتیب افعال حج کی قرآن و حدیث میں آئی اور فقہاء نے اس کو منضبط کیا اسی ترتیب سے افعال حج ادا کرنا باتفاق امت کم از کم سنت ضرور ہے، واجب ہونے میں اختلاف ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے ایک دم جنایت لازم ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے اس لئے اس کے خلاف کرنے سے ثواب میں کمی آتی ہے مگر دم لازم نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے مَن قَدَّمَ شَيئًا مِن نُسُكِهِ اَو اَخَّرَهُ فَلْيُهرِق دَمًا (رواہ ابن ابی شیبہ موقوفا و ھو فی حکم المرفوع) (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کر دیا اس پر لازم ہے کہ ایک دم دے، یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے۔ (معارف القرآن)

ذٰلِكَ: یہ وہ احکام ہیں جن کا تمہیں حکم دیا گیا، احرام سے نکلنے کے تقاضے، جیسے سر منڈوانا، ناخن کاٹنا، ظاہری میل کچیل دور کرنا، نذر پوری کرنا اور بیت اللہ کا طواف کرنا، یہ سب اللہ کے مقرر کردہ شعائر ہیں، لہٰذا ان کی تعظیم اور پاسداری لازم ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ: اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود اور حرمتوں کی عظمت دل میں بٹھاتا ہے، اور حالتِ احرام میں ان چیزوں سے بچتا ہے جن سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے حکم کو پامال نہ کرے اور اس کی حرمتوں کو حلال نہ جانے، تو یہی طرزِ عمل اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں بہتر ہے۔

وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ: اور تمہارے لیے مویشی، اونٹ، گائے اور بکریاں، حلال کیے گئے ہیں، جاہلیت کے باطل تصورات، جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں، اللہ نے ان میں سے کسی کو حرام نہیں کیا، بلکہ صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت قرآن میں صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے، جیسے مردار اور خون وغیرہ۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ: پس تم بتوں کی گندگی سے مکمل اجتناب کرو، کیونکہ یہ شرک اور نجاست کا سرچشمہ ہیں، جو انسان کے عقیدہ اور عمل دونوں کو آلودہ کر دیتے ہیں۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ: اور ہر باطل بات سے بھی بچو، چاہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہو یا مخلوق پر بہتان لگانا، کیونکہ قولِ زور دل کی خرابی اور عمل کی گمراہی کا مظہر ہے، یوں یہ آیت انسان کو ظاہری اعمال کی درستی کے ساتھ ساتھ عقیدہ اور زبان کی پاکیزگی کی بھی جامع تعلیم دیتی ہے۔

مشرک کا انجام

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ {۳۱} ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ {۳۲} لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ {۳۳} الحج

جواب ترجمہ: کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں، یا ہوا اسے کہیں دور دراز کی جگہ لا پھینکے۔ یہ بات ہو چکی، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے سو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ تمہارے لیے ان میں ایک مقررہ وقت تک منافع ہیں پھر ان کا پہنچنا بیت عتیق تک۔

شانِ نزول: قتادہ کا قول ہے کہ دورِ شرک میں لوگ حج کرتے تھے لیکن ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو روکتے تھے اور اپنے کو حنیف کہتے تھے یعنی دینِ ابراہیمی پر قائم۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حنفاء للہ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ: حُنَفَاءَ لِلّٰهِ: اس کے ساتھ خالص رکھنے والے۔ وہ اللہ کے بارے میں مسلمان موحدین سے لڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے وہ موحد نہیں وہ حنیف نہیں، جو شخص شرک کرتا ہے وہ اس طرح ہے گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندوں نے اچک لیا۔ اختطاف کا معنیٰ کسی چیز کو جلدی سے اٹھالینا۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ: اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص اللہ کی عبادت کرتے کرتے شرک کرنے لگے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ وہ آسمان سے گرا اور پرندے اس کو لے جائیں یا ہوا کے ذریعے سے اور جگہ چلا جائے تو وہ اپنی حالت پر نہیں پہنچ سکتی، بعض نے کہا کہ مشرک کی حالت کو آسمان سے گرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کہ جب وہ آسمان سے گرتا ہے تو اس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہتا، تو وہ ہوا کے سپرد ہو جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اس کا گوشت پرندے کھا جاتے ہیں یا کسی گھاٹی میں جا کر گرتا ہے۔

حسن کا قول ہے کہ کفار کے اعمال کو اس حالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ ان کو ہلاکت کی جگہ لے جاتا ہے، اس پر قادر نہیں ہوتے کہ اپنے آپ کو اس آفت سے بچا سکیں۔ (تفسیر بغوی)

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ: یہ وہ احکام ہیں جن میں توحیدِ خالص، اخلاصِ بندگی، بتوں سے اجتناب اور باطل کلام سے پرہیز شامل ہے اور جو شخص اللہ کے شعائر، یعنی دین کی نمایاں علامتوں کی تعظیم کرتا ہے، جن میں ہدی (قربانی کے جانور) اور مناسکِ حج بھی شامل ہیں، تو یہ تعظیم درحقیقت دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعائرِ الٰہی کا احترام محض ظاہری عمل نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں موجود اللہ کی عظمت اور خوفِ خدا کا مظہر ہے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى: ان قربانی کے جانوروں میں تمہارے لیے ایک مقررہ وقت تک کئی فائدے ہیں، تم ان سے سواری لیتے ہو، ان کی اون سے فائدہ اٹھاتے ہو، ان سے نسل بڑھتی

ہے اور دودھ حاصل کرتے ہو، یہ سب منافع اس وقت تک ہیں جب تک ان کی قربانی کا وقت نہ آجائے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ: پھر ان کا اصل مقام قربانی کے لیے بیتِ عتیق (خانہ کعبہ) کے قریب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے جباروں کے تسلط سے آزاد رکھا ہے، یوں یہ شعائر نہ صرف عبادت کا حصہ ہیں بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے گھر کی حفاظت کی یاد دہانی بھی کراتے ہیں۔

قربانی اور قربانی کے جانور کے احکامات

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ أَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ {۳۴} الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ {۳۵} وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۳۶} الحج

جواب ترجمہ: اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کرنا مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام ذکر کریں، سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرمان بردار بنو، اور جو لوگ عاجزی کرنے والے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو۔ جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور نمازیں قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائیں جن کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے تمہارے لیے ان میں خیر ہے سو تم ان پر اللہ کا نام لو جب قطار میں کھڑے ہوں، سو وہ جب اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور جو صبر کیے ہوئے ہو اسے اور جو سوالی بن کر آجائے اس کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا: اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک طریقۂ عبادت اور قربانی مقرر کیا، تاکہ وہ اللہ کے لیے خون بہانے (قربانی کرنے) کے اس عمل کو ادا کریں اور ذبح کے وقت ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں، اس نعمت کے شکر کے طور پر جو اس نے انہیں اونٹ، گائے اور بکریوں کی صورت میں عطا فرمائی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کا مقصد محض رسم نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی اور شکر گزاری ہے۔

فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ: پس تمہارا معبود ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا اسی کے سامنے جھک جاؤ، اسی کی اطاعت اختیار کرو اور خالص اسی کے ہو رہو، یہ اعلان دراصل تمام عبادات کی روح ہے کہ بندگی صرف ایک اللہ کے لیے ہو۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ: اور (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ ان عاجز، منکسر المزاج اور اخلاص والے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں اور دل کی گہرائی سے اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل اس کے خوف سے لرز اٹھتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔

وَالصَّابِرِينَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ: اور جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ صبر سے کام لیتے ہیں، شکایت کے بجائے رضا و تسلیم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ: اور وہ نماز کو کامل طریقے سے قائم کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، یوں یہ آیات اہلِ ایمان کی ایک جامع تصویر پیش کرتی ہیں کہ ان کی عبادت، اخلاق اور معاملات سب اخلاص، خوفِ خدا اور ایثار پر قائم ہوتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ: شعائر ان خاص احکام و عبادات کا نام

ہے جو دین اسلام کی علامات سمجھی جاتی ہیں، قربانی بھی انہیں میں سے ہے ایسے احکام کی پابندی زیادہ اہم ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ :صواف بمعنیٰ مصفوفہ ہے یعنی صف بستہ، حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ جانور تین پاؤں پر کھڑا ہو ایک ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ یہ صورت قربانی کی اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی قربانی کھڑے ہونے کی حالت میں سنت اور بہتر ہے، باقی جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا سنت ہے۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا: یہاں وجبت بمعنیٰ سقطت آیا ہے جیسے وجبت الشمس بمعنیٰ سقطت کا محاورہ مشہور ہے مراد اس سے جانور کی جان کا نکل جانا ہے۔

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ: پچھلی آیت میں جن لوگوں کو قربانی کا گوشت دینا چاہئے ان کو بائس فقیر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے جس کے معنے ہیں مصیبت زدہ محتاج۔ اس آیت میں اس کی جگہ قانع اور معتر کے دو لفظوں میں اس کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔ قانع سے مراد وہ محتاج فقیر ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا، اپنی غربت و فقر کے باوجود اپنی جگہ بیٹھ کر جو مل جائے اس پر قناعت کرتا ہے اور معتر جو ایسے مواقع پر جائے جہاں سے کچھ ملنے کی امید ہو خواہ زبان سے سوال کرے یا نہ کرے (تفسیر مظہری و معارف القرآن) قانع اس فقیر کو کہا جاتا ہے جو سوال سے بچتا ہے، جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے اسی پر گزارا کرتا ہے، معتر اس فقیر کو کہا جاتا ہے جو اپنی ضرورت کے لیے سوال کرتا ہے۔

حقیقت قربانی، تقویٰ کی قبولیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ {۳۷} اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ {۳۸} الحج

جواب ترجمہ: اللہ کو ہر گز نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور ان کے خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم ان پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے رفع فرمادے گا بلاشبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا: اللہ تعالیٰ تک نہ ان قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون اور نہ ہی ان کی ظاہری صورت و مادّی شکل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہے، اللہ کے ہاں اصل مقصود یہ ظاہری مناظر نہیں بلکہ وہ حقیقت ہے جو ان کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ: بلکہ اللہ کے ہاں جو چیز پہنچتی اور قبول کی جاتی ہے وہ تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے، یعنی اخلاص، نیت کی پاکیزگی اور اس حکمِ الٰہی کو خالص رضا کے ساتھ ادا کرنا، یہی وہ روح ہے جو قربانی کو عبادت بناتی ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم اس کی ہدایت پر اس کی تکبیر بیان کرو اور اس کی عطا کردہ توفیق پر شکر ادا کرو، یہ دراصل بندے کو نعمت اور بندگی دونوں کا شعور عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ: اور (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو اپنی عبادت میں بھی احسان اختیار کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ معاملات میں بھی حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، ایسے بندے اللہ کے خاص انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا: بے شک اللہ ان لوگوں کی طرف سے خود دفاع فرماتا ہے جو ایمان لائے ہیں، وہ انہیں ان کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کی نصرت کا انتظام اپنی قدرت سے فرماتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ: یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جو خیانت کرنے والا اور ناشکرا ہو، جو امانتوں میں خیانت کرے اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرے، ایسے لوگ اللہ کی

ناراضی کے مستحق ٹھہرتے ہیں، جبکہ اہلِ ایمان اللہ کی محبت اور نصرت کے حقدار بنتے ہیں۔

جہاد کا حکم کیوں دیا گیا؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ الحج

جواب ترجمہ: جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ: اللہ تعالیٰ نے شروع شروع میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی کرنے سے روکا ہوا تھا، انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کافروں کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں پر صبر سے کام لیں، جب کافروں کی طرف سے اذیتوں کی انتہا ہو گئی، انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، مدینہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے قوت پکڑی، تو اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو جہاد کرنے کہ اجازت دی۔

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ: جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی تھی چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کی گئی تھی، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرنے پر بھی قادر تھا، ان کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرنے پر بھی قادر تھا۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ: جنہوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا تھا انہیں جھکانے اور رسوا کرنے پر قادر تھا۔

حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ: ان مظلوموں کا جرم صرف اتنا ہی تھا کہ یہ مسلمان ہوگئے تھے، انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا تھا کہ ہمارا پروردگار صرف اور صرف اللہ ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ: اگر ظلم اور باطل کو بذریعہ جہاد دور کرنے کا شریعت نے حکم نہ دیا ہوتا تو پھر حق کو جھکا دیا جاتا، حق کو شکست دے دی جاتی، ہر امت میں حق پست ہو جاتا، زمین میں خرابی اور فساد پھیل جاتا، زمین پر آباد راہبوں کی عبادت گاہیں مسمار کر دی جاتیں، نصاریٰ کے گرجے اجاڑ دیے جاتے، یہود کے عبادت خانے تباہ کر دیے جاتے۔

وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا: مسلمانوں کی مسجدیں جن میں وہ نماز پڑھتے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کو بے آباد کر دیا جاتا۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ: جو شخص اللہ کے دین کی مدد کرنے کی جدوجہد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی اس کے دشمنوں کے خلاف مدد کرے گا۔ یہ رب تعالیٰ کا عجیب نظام ہے دنیا بھر میں جہاں اور جو لوگ دین کا کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد ونصرت کرتا ہے، دینی کاموں پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات اللہ ہی کی مدد ونصرت سے پورے ہوتے ہیں، مخلصین جب اخلاص کے ساتھ دینی کام کی اشاعت وتبلیغ میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد ونصرت کے لیے اہل خیر کو ان کا دست وبازو بنا دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ: اللہ اتنی قوی ذات ہے کہ کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا، ایسا غالب ہے جس کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا، وہ ساری مخلوق پر غالب ہے، وہ اپنی مخلوق کو ان کی پیشانی سے پکڑنے پر قادر

ہے، اللہ نے جن لوگوں سے مدد و نصرت کرنے کا وعدہ کیا ہے ان کی ضرور مدد کرے گا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ: اگر اللہ انہیں زمین پر قوت اور تمکین دے گا، خلافت دے گا تو وہ انہیں ان کے دشمنوں کے خلاف مدد بھی دے گا، پھر ان پر وہ ایسا کرم کرے گا کہ وہ نماز کو اپنے اوقات و حدود میں ادا کریں گے، وہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ اس کے مستحقین تک پہنچائیں گے، پھر وہ اللہ کے احکامات کو اس طرح نافذ کریں گے جس سے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا ہوں گے، جن چیزوں سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے اس سے رک جاتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ: تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گا، بہترین انجام اہل تقویٰ کا ہو گا۔

تکذیب رسل کی تاریخ اور انجام مکذبین

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ {۴۲} وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ {۴۳} وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ {۴۴} الحج

جواب ترجمہ: اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد، اور ثمود۔ اور ابراہیم کی قوم، اور لوط کی قوم، اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں، اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ: اور (اے میرے حبیب ﷺ!) اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے تو صبر اختیار کیجیے، کیونکہ آپ پہلے رسول نہیں جنہیں ان کی قوم نے جھٹلایا ہو، آپ سے پہلے بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام اسی آزمائش سے گزر چکے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ: چنانچہ آپ کی قوم سے پہلے قومِ نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو نہیں مانا۔

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ: اسی طرح قومِ ابراہیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو رد کیا اور قومِ لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی تعلیمات کو ٹھکرا دیا۔

وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ: اور مدین والوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی اور فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ: پس میں نے ان سب کافروں کو ایک مدت تک مہلت دی، تاکہ وہ اپنی سرکشی میں اور آگے بڑھ جائیں، یہ مہلت دراصل استدراج تھی، نہ کہ رضامندی۔

ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ: پھر آخر کار میں نے انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، جب انہوں نے حد سے تجاوز کر لیا اور حق کو مسلسل ٹھکراتے رہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ: سو غور کیجیے کہ میرا عذاب اور پکڑ کیسی تھی! یہ انجام ان کی مسلسل تکذیب اور کفر کا نتیجہ تھا، جو ہر دور کے منکرین کے لیے عبرت کا پیغام ہے۔

عبرت گاہیں

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے نیز بتایئے کہ فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا کا کیا مطلب ہے؟

فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ {۴۵} الحج.

جواب ترجمہ: غرض کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے اس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کر رہی تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی کنویں جو اب بیکار ہوئے پڑے ہیں، اور کتنے پکے بنے ہوئے محل (جو کھنڈر بن چکے ہیں)

ایسی ہلاک شدہ بستیاں بے شمار ہیں۔ اندازِ کلام ان اقوام کی ہلاکتوں کے مناظر کو ایک منظر کی صورت میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ انسان کہتا ہے کہ وہ ہیں ہلاک شدہ بستیوں کے کھنڈرات۔

بڑے بڑے محل چھتوں کے اوپر پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ دیواروں پر استوار تھے۔ جب گرے تو چھتیں نیچے اور تمام عمارتی ڈھانچہ ان کے اوپر۔ اس طرح یہ منظر نہایت ہی وحشت ناک، دلدوز اور پر تاثیر بن جاتا ہے۔ یہ کہ یہ منظر اس کا مستحق ہے کہ اس کی سابق اور موجودہ صورتحال پر غور کیا جائے۔ کھنڈرات میں جب انسان پھرتا ہے تو وہ بہت ہی وحشت ناک نظر آتے ہیں اور ان سے اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے اور انسان میں خوف خدا پیدا ہو سکتا ہے۔

ان بڑے بڑے گاؤں کے آثار ہمارے سامنے ہیں، ان کی چھتوں پر ان کی بلڈنگیں گری ہوئی ہیں اور ان کے کنوئیں خالی پڑے ہیں نہ ان پر کوئی آنے والا نظر آتا ہے اور نہ جانے والا کسی وقت تو ان پر عوام کا بے حد اژدھام تھا۔ بڑی بڑی عمارات کھڑی ہیں، لیکن کوئی انسان نہیں، کوئی زندہ چیز بھی نہیں ہے، تخلیل کے پردے پر صورتیں ابھرتی ہیں کہ کسی وقت تو یہاں گہما گہمی ہو گی۔

ان مناظر کو دکھانے کے بعد قرآن کریم سخت تنبیہ کے ساتھ پوچھتا ہے کہ آیا مشرکین نے کبھی ان کھنڈرات پر غور نہیں کیا؟

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ: بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا: مطلب یہ کہ وہ اپنی چھتوں پر گرنے والی ہیں، یعنی ان کی چھتیں زمیں بوس ہوئیں، پھر وہ دیواریں گریں اور وہ چھتوں پر جا پڑیں۔

عقل و بصیرت

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کریں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ {۴۶} الحج.

جواب ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ: اس آیت میں زمین کی سیر وسیاحت جبکہ بچشم عبرت ہو اس کی طرف ترغیب ہے اور فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ زمانہ ماضی اور گزشتہ اقوام عالم کے حالات وکیفیات کا مشاہدہ انسان کو عقل وبصیرت عطا کرنے والا ہے بشرطیکہ ان حالات کو بعض تاریخی سوانح کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت کی نظر سے دیکھے تو ہر واقعہ ایک بصیرت کا سبق دے گا۔

ابن ابی حاتم نے کتاب التفکر میں حضرت مالک بن دینار سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوہے کے جوتے بناؤ اور لوہے کی عصا ہاتھ میں لو اور اللہ کی زمین میں اتنے پھرو کہ یہ آہنی جوتے گھس جائیں اور آہنی عصا ٹوٹ جائے (روح المعانی) اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سیر و سیاحت کا مقصد وہی عبرت وبصیرت حاصل کرنا ہے۔ (معارف القرآن)

قیامت کا ایک دن ہزار سال برابر

سوال قیامت کا ایک دن دنیا کے کتنے سالوں کے برابر ہو گا؟ آیت کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ {۴۷} الحج.

جواب ترجمہ: اور یہ لوگ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور یقین جانو کہ تمہارے رب کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے۔

یہاں سورۃ الحج کی آیت ۴۷، سورۃ السجدہ کی آیت ۵ اور سورۃ المعارج کی آیت ۴ کے مطالعہ سے قیامت کے دن بارے مختلف خیالات ذہن میں گردش کرتے ہیں، اس مقام سے پتا چلتا ہے کہ قیامت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہو گا، جب کہ سورۃ السجدہ میں ارشاد ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۵) (السجدہ) وہ آسمان

سے لے کر زمین تک تدبیر کرتا ہے ہر امر اس کے حضور میں ایک ایسے دن میں پہنچ جائے گا جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہو گی۔

یہاں بھی قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال معلوم ہوتی ہے، جب کہ سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (۴)(المعارج) فرشتے اور روح القدس اس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

اہل علم کی اصطلاح میں اسے تعارض کہا جاتا ہے، کہ ایک آیت میں کچھ کہا جارہا ہے اور دوسری آیت میں کچھ کہا جارہا ہے، عربی اور اردو زبان میں تفاسیر لکھنے والے حضرات علماء کرام نے ان آیات کے درمیان اپنے اپنے انداز میں تطبیق پیدا کرنے اور تعارض کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

مشکلات القرآن میں مولانا محمد انور گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس تعارض کے چار جواب ہیں

① اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی کفر و معاصی اور اعمال کی شدت وضعف اور قلت و کثرت کے اعتبار سے وہ دن طول و قصر اور شدت وخفت میں مختلف ہو گا، کفار میں سے جو لوگ بڑے مجرم ہوں گے ان کو پچاس ہزار سال کا اور اس سے کم درجہ کے مجرمین کو ایک ہزار سال کا محسوس ہو گا، حتی کہ مؤمنین کو یہ دن نہایت مختصر اور خفیف محسوس ہو گا، پھر مؤمنین کے حق میں بھی مختلف ہو گا، بعض کو تو جتنے وقت میں ایک فرض نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بھی کم اور خفیف معلوم ہو گا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمًا كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، مَا أَطْوَلَ هٰذَا الْيَوْمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ، حَتَّى يَكُونَ أَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاةٍ

مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا (رواہ احمد، ابن حبان، ابو یعلیٰ، ابن جریر، البیقی، روح المعانی، مظہری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی کہ یہ دن کس قدر طویل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ دن مؤمن پر ہلکا ہو گا، یہاں تک کہ جتنے وقت میں آدمی دنیا میں ایک فرض نماز پڑھتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہلکا اور آسان ہو گا، اور بعض کو مابین الظہر والعصر کے بقدر محسوس ہو گا، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا وَّمَوْقُوفًا يَّكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَمِقْدَارِ مَابَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ (اخرجہ الحاکم، والبیہقی، مظہری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا اور موقوفا روایت ہے کہ وہ دن مؤمنین پر اتنا ہو گا جتنا وقت ظہر وعصر کے درمیان ہوتا ہے، بہر حال یہ تفاوت اختلاف اشخاص پر محمول ہے، ولا تعارض بعد اختلاف الاشخاص۔ مظہری وروح المعانی وغیرہ)

② اختلاف مکان پر محمول ہے کہ جس طرح دنیا میں بعض علاقوں میں دن بڑا اور بعض مقامات میں چھوٹا ہوتا ہے، اختلاف آفاق سے تفاوت ہوتا رہتا ہے، اسی طرح قیامت کا دن میدان محشر کے بعض حصوں میں طویل یعنی پچاس ہزار سال کا اور بعض مقامات میں ایک ہزار سال کا ہو گا، آیات میں اقل واکثر کو بیان کر دیا گیا، درمیان کے تفاوت کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھ لیا جائے۔ (بیان القرآن)

③ یوم آخرت ایام کثیرہ پر مشتمل ہو گا، ان ایام میں کوئی دن پچاس ہزار سال کا اور کوئی ایک ہزار سال کا ہو گا، لہذا کوئی تعارض نہیں۔ (حاشیہ جلالین)

④ ان آیات میں یوم سے مراد یوم قیامت نہیں ہے بلکہ آیت ۴۷ سورۃ الحج میں تو مطلق یوم عذاب مراد ہے کہ آخرت میں عذاب جہنم کے ایام میں سے ایک ایک دن اہل جہنم کو شدید وطویل محسوس ہو گا، ایک ایک دن کو وہ لوگ ایسا سمجھیں گے کہ ایک ہزار سال کا زمانہ گزر گیا ہے، کیونکہ ایام راحت مختصر اور ایام مصیبت طویل ہوا کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

ایام مصیبت کے کاٹے نہیں کٹتے دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے؟

اور دوسری آیت میں آسمان سے زمین تک حضرات ملائکہ کی آمد ورفت کا دن مراد ہے یعنی حضرات ملائکہ کائنات کے انتظامی امور کو لے کر آسمان سے زمین تک تشریف لاتے ہیں، پھر زمین سے آسمانوں پر واپس چلے جاتے ہیں اور یہ آمد ورفت ایک دن میں ہو جاتی ہے ورنہ تو آسمان وزمین کے مابین پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے، اگر فرشتہ کے علاوہ بنی آدمی میں سے کوئی یہ مسافت طے کرنا چاہے تو ایک ہزار سال کے عرصہ میں طے ہو گی، اور تیسری آیت میں زمین سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت کا بیان ہے، زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک آمد ورفت کا زمانہ پچاس ہزار سال ہے، مگر فرشتے ایک دن میں آمد ورفت کر لیتے ہیں، یہ تفسیر حضرت مجاہد، قتادہ، ضحاک سے منقول ہے، تینوں آیات کی مذکورہ تفاسیر پر ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کما لایخفیٰ (حاشیہ جلالین، روح المعانی، بحوالہ مشکلات القرآن)

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اس آیت کو سمجھنے کے لیے اتنی تشریح کافی ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے وہ تو ضرور پورا ہو گا۔ رہا اس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہو گا، اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہو گئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ (توضیح القرآن)

سنت الٰہی اور اِنذارِ نبوی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ {۴۸} قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ {۴۹} فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ {۵۰} وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ {۵۱} الحج

جواب ترجمہ: اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو میں نے مہلت دی اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! میں تمہارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ سو جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے۔ اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے لیے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی قانون، رسولِ اکرم ﷺ کی ذمہ داری، اہلِ ایمان کے انجام اور منکرین کے انجام کو نہایت جامع اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی ضمائرِ الٰہیہ کے اسلوب میں ایک دقیق حکمت بھی پوشیدہ رکھی ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ: کتنی ہی بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی، حالانکہ وہ ظلم اور شرک میں ڈوبی ہوئی تھیں، مگر جب انہوں نے سرکشی کی انتہا کر دی تو اللہ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، یہ اس کی سنت ہے کہ وہ فوراً پکڑ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے، تاکہ حجت پوری ہو جائے، لیکن جب فیصلہ آتا ہے تو پھر کوئی بچاؤ نہیں ہوتا، آخر کار سب کو اسی کے حضور لوٹنا ہے، جہاں کامل عدل کے ساتھ فیصلہ ہو گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے لیے صرف ایک واضح ڈرانے والا ہوں، میرا کام حق کو کھول کر بیان کرنا اور تمہیں عذابِ الٰہی سے خبردار کرنا ہے، ہدایت دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ: پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال اختیار کیے، ان کے لیے اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور عزت والا رزق، یعنی جنت کی دائمی نعمتیں، جو ان کے لیے تیار کی گئی ہیں۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ: اور وہ لوگ جو ہماری آیات کو جھٹلانے اور انہیں بے اثر کرنے کی کوشش میں لگے رہے، یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلیں گے، ایسے ہی لوگ جہنم کے مستحق ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

نکتہ: ان آیات میں ایک نہایت لطیف اسلوبی نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر واحد متکلم أَمْلَيْتُ، أَخَذْتُ، إِلَيَّ استعمال فرمایا، جبکہ قرآنِ کریم میں اکثر جگہ جمع متکلم إِنَّا، نَحْنُ بھی آتا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ جمع متکلم عموماً اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور اس کے لشکروں (ملائکہ وغیرہ) کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے، تاکہ اس کی شانِ کبریائی نمایاں ہو، جبکہ واحد متکلم وہاں آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے کسی فعل کو براہِ راست اپنی ذات کی طرف منسوب کرکے اس کی قطعیّت، حتمیّت اور شخصی فیصلے کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ یہاں چونکہ بات قوموں کو مہلت دینے، پھر اچانک پکڑ لینے اور انجام کو اپنی طرف لوٹانے کی ہے، جو اللہ کے عدل و قہر کا براہِ راست مظہر ہے، اس لیے واحد متکلم کا اسلوب اختیار فرمایا گیا، تاکہ یہ حقیقت دلوں میں راسخ ہو جائے کہ یہ فیصلہ کسی واسطے کا نہیں بلکہ خود ربِّ کائنات کا براہِ راست حکم ہے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ظالموں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے، مگر انجام یقینی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا منصب صاف اور واضح انذار ہے۔ اہلِ ایمان کے لیے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے۔ اور حق کا مقابلہ کرنے والے جہنم کے مستحق ہیں۔ ساتھ ہی اسلوبِ قرآن یہ بھی سکھاتا ہے کہ اللہ جب اپنی قدرت کے جلالی پہلو کو نمایاں کرتا ہے تو واحد متکلم کے ذریعے اپنے فیصلے کی قطعیّت کو آشکار کر دیتا ہے۔

وحی الٰہی کی حفاظت اور حق و باطل کا امتیاز

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ {۵۲} لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ {۵۳} وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۵۴} الحج

جواب ترجمہ: اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈال دیا، پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے، اور اللہ بہت زیادہ علم والا ہے، بہت زیادہ حکمت والا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں، اور بلاشبہ ظلم کرنے والے دور کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور تاکہ وہ لوگ زیادہ یقین کرلیں جنہیں علم دیا گیا کہ بیشک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، پھر ایمان پر زیادہ قائم ہو جائیں پھر ان کے دل اس کی طرف اور بھی جھک جائیں، اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کو صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ أُمْنِيَّتِهٖ: اے میرے حبیب ﷺ! آپ سے پہلے جتنے بھی رسول اور انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، جب وہ اللہ کا کلام پڑھتے اور اس کی تلاوت کرتے تو شیطان اس موقع پر لوگوں کے دلوں میں شبہات اور وساوس ڈالنے کی کوشش کرتا، تاکہ حق کو مشتبہ بنا دے اور لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرے، یہاں لفظ تمنّی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک تلاوتِ وحی ہے، اور أُمنِیَّۃٌ اسی قراءت و بیان کو کہتے ہیں۔

لیکن یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ شیطان کا یہ دخل وحی کے متن میں ہر گز شامل نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف سامعین کے اذہان میں وسوسے پیدا کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فوراً اس کے القاء کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو نہایت مضبوطی، صفائی اور قطعیت کے ساتھ قائم فرما دیتا ہے، یوں وحی ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رہتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کامل علم رکھنے والا اور اپنی تدبیر میں سراپا حکمت ہے۔

اس مقام پر بعض روایات میں جو "قصۂ غرانیق" نقل کیا گیا ہے، وہ اہلِ تحقیق کے نزدیک ثابت نہیں، جلیل القدر مفسرین نے واضح کیا ہے کہ اس کی کوئی صحیح سند موجود نہیں، لہٰذا اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا، اس سے قرآن کی عصمت اور وحی کی حفاظت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ: شیطان کے یہ وسوسے درحقیقت ایک آزمائش بن جاتے ہیں، تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے یا جو کفر کی سختی میں مبتلا ہیں، اپنے باطن کی حقیقت کو ظاہر کر دیں، ایسے لوگ ان شبہات کو قبول کر کے مزید گمراہی میں پڑ جاتے ہیں، کیونکہ ان کے دل پہلے ہی حق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ شدید عناد رکھتے ہیں اور راہِ ہدایت سے بہت دور جا چکے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ: اس کے برعکس، وہ لوگ جنہیں اللہ نے صحیح علم اور بصیرت عطا فرمائی ہے، وہ ان حالات میں اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیتے ہیں کہ یہ قرآن سراسر حق ہے جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، ان کے دل اللہ کے حضور جھک جاتے ہیں، ان میں خشوع و اخبات (اللہ کا ڈر) پیدا ہوتا ہے اور ان کا ایمان مزید مضبوط ہو جاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے مخلص اہلِ ایمان کو سیدھے، واضح اور بے کجی راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

ان آیات میں چند بنیادی حقائق نہایت وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، شیطان ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے مقابلے میں شبہات اور وساوس پیدا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فوراً ان وسوسوں کو مٹا کر اپنی وحی کو محفوظ اور محکم بنا دیتا ہے، یہ صورتِ حال لوگوں کے لیے آزمائش بن جاتی ہے، بیمار دل لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں، جبکہ اہلِ علم و ایمان مزید یقین اور ہدایت حاصل کرتے ہیں، وحیِ الٰہی ہر قسم

کے شیطانی دخل سے پاک، محفوظ اور قطعی حق ہے، یوں یہ آیات نہ صرف وحی کی حفاظت کا اعلان ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ حق و باطل کی کشمکش میں اصل فرق دلوں کی کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے، جو حق کے طالب ہوں وہ ہدایت پاتے ہیں اور جو عناد پر قائم ہوں وہ خود اپنے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

شک کا پُرہول انجام اور روزِ جزا کا فیصلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کریں۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ {۵۵} اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ {۵۶} وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ {۵۷} الحج

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ برابر اس کی طرف سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت آجائے یا ان کے پاس کسی ایسے دن کا عذاب آجائے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ اس روز بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا سو ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ: وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ہمیشہ اس قرآن اور دینِ حق کے بارے میں شک و تردد میں مبتلا رہتے ہیں, ان کے دل ایمان کی روشنی سے خالی ہوتے ہیں، اسی لیے وہ یقین کی دولت سے محروم رہتے ہیں اور شبہات کے اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں, یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اچانک قیامت ان پر نہ آپڑے، یا ایسا عذاب نہ آجائے جو ان کے لیے فیصلہ کن ثابت ہو جائے، ایسا دن جس کے بعد نہ کوئی مہلت ہو، نہ واپسی کا کوئی راستہ، اس اچانک گرفت میں ان کی ساری ہٹ دھرمی اور انکار بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ: اس دن حقیقی بادشاہی اور کامل اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گا، کوئی طاقت، کوئی اختیار اور کوئی دعویٰ اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا، وہی اپنے بندوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال سے اپنی زندگی کو آراستہ کیا، وہ نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں داخل کیے جائیں گے، جہاں دائمی راحت، عزت اور اطمینان ان کا مقدر ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا: اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی آیات کو جھٹلایا، ان کے لیے ایسا عذاب ہے جو نہ صرف دردناک ہو گا بلکہ رسوا کرنے والا بھی ہو گا، یہ عذاب ان کے انکار، تکذیب اور سرکشی کا بدلہ ہو گا، جس میں ذلت اور خواری ان کا مقدر بن جائے گی۔

ان آیات میں دو واضح راستے اور ان کے انجام بیان کر دیے گئے ہیں، کافر اپنی ضد اور شک میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں تک کہ اچانک انجام ان کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، قیامت کے دن مکمل اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہو گا اور وہی عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اہلِ ایمان کے لیے جنت کی دائمی نعمتیں ہیں، اور منکرین کے لیے ذلت آمیز عذاب مقدر ہے، یوں یہ آیات انسان کو متنبہ کرتی ہیں کہ شک اور عناد کا انجام ہلاکت ہے، جبکہ ایمان اور عملِ صالح ہی نجات کا واحد راستہ ہے۔

مہاجرین کا صلہ اور اجر

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ {۵۸} لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ {۵۹} ذٰلِكَ ۙ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ {۶۰} الحج

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے انہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ خیر الرازقین ہے۔ وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں گے، اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے

والا ہے، بہت حلم والا ہے۔ یہ بات یوں ہی ہو گی اور جو شخص اس قدر بدلہ لے، جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا: وہ لوگ جو اپنے گھروں سے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اللہ کے دین کی نصرت و مدد کے لیے نکلے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کفار کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے مارے گئے، بعض وہ ہیں جو ان میں سے لڑائی کے بغیر مارے گئے، ان لوگوں کا صلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں رزق عطا فرمائے گا اور اپنی ایسی نعمتوں میں داخل کرے گا جو کبھی ختم نہیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ رزق دینے والوں میں سے بہترین ہے، اللہ انہیں ایسی جگہ میں داخل کرے گا جسے وہ محبوب رکھتے ہیں اور وہ جنت ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ: اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت ہی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون نکلتا ہے؟ اسی طرح وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا کی طلب میں کون نکلتا ہے؟ اللہ تعالیٰ حلیم ذات ہے، وہ اپنے نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ: مہاجرین کو جنت میں داخل کرنے کی بات ہم نے آپ سے بیان کی ہے اور جس کے ساتھ زیادتی اور ظلم کیا گیا اسے اجازت دی گئی ہے کہ وہ ظلم کرنے والے پر اسی طرح کرے، اس میں اس پر گناہ نہیں ہے، پھر جب ظلم کرنے والا اسے ایذا پہنچانے اور سرکشی کرنے کا اعادہ کرے تو اللہ مظلوم کی مدد کرے گا اور جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کی بھی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے، وہ گناہگاروں کو معاف کرتا ہے، انہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

قدرت الٰہی کے روشن دلائل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ {٦١} ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ {٦٢} اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ {٦٣} لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ {٦٤} اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ {٦٥} وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ {٦٦} الحج

جواب ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ بیشک اللہ حق ہے اور اس کی علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں، اور اللہ برتر ہے بڑا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین ہری بھری ہو گئی، بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے وہ سب کچھ مسخر فرما دیا جو زمین میں ہے، اور کشتی کو مسخر فرما دیا وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، مگر یہ کہ اسی کا حکم ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا، بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ: یہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ قادرِ مطلق ہے جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا رہتا ہے، کبھی رات طویل اور دن مختصر ہو جاتا ہے اور کبھی دن بڑھ جاتا ہے اور رات سمٹ جاتی ہے، یہ مسلسل تغیر نہ صرف اس کی کامل قدرت کا مظہر ہے بلکہ اس کی ہمہ گیر حکمت کی بھی نشانی ہے، جس پر نظامِ کائنات کا دار و مدار قائم ہے، اسی

کے ساتھ فرمایا کہ اللہ سمیع و بصیر ہے، یعنی وہ نہ صرف کائنات کو چلا رہا ہے بلکہ اپنے بندوں کے اقوال واعمال کو بھی پوری طرح سننے اور دیکھنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ: یہ تمام مظاہر اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ ہی برحق معبود ہے، اس کی الوہیت میں کوئی شک نہیں اور اس کے سوا جنہیں پکارا جاتا ہے وہ سب باطل ہیں، اللہ ہی بلند و برتر اور عظمت والا ہے، جس کے مقابلے میں کوئی قوت نہیں ٹھہر سکتی، پس عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے؟ یہ مردہ زمین کا زندہ ہو جانا اس کی قدرتِ کاملہ کی واضح نشانی ہے، بے جان مٹی میں زندگی کا یہ رنگ بھر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، وہ نہایت لطیف تدبیر کرنے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں اور اپنی صفات و افعال میں ہر تعریف کا مستحق ہے، بندے اس کے محتاج ہیں، جبکہ وہ اپنی ذات میں کامل اور غنی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ: کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے زمین کی ہر چیز تمہارے لیے مسخر کر دی اور کشتیاں اس کے حکم سے سمندر میں رواں ہیں؟ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کی اجازت سے، یہ سب اس کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے کائنات کے قوانین کو اس طرح مرتب کیا کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا سکے، بے شک اللہ لوگوں پر نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ: وہی ہے جس نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، اور پھر وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، اس کے باوجود انسان ناشکری پر اتر آتا ہے، حالانکہ زندگی و موت کا یہ سلسلہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، ربوبیت اور رحمت کی ایسی روشن نشانیاں پیش کی ہیں جو انسان کو توحید کی طرف رہنمائی دیتی ہیں، دن ورات کی گردش، بارش اور زمین کی حیات، کائنات کی ملکیت، وسائل کی تسخیر اور زندگی وموت کا نظام، یہ سب اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ اللہ ہی اکیلا معبودِ برحق ہے اور اسی کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنا انسان کی حقیقی کامیابی ہے۔

اختلاف شرائع اور علم الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ {٦٧} وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ {٦٨} اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ {٦٩} أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ {٧٠} وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ {٧١} الحج

جواب ترجمہ: ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے، سو اس امر میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں، اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بلاشبہ اللہ اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور نہ ان کے پاس ان کی کوئی دلیل ہے، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے

ایک مخصوص منسک یعنی شریعت، عبادت کا طریقہ اور دینی نظام مقرر کیا ہے، جس پر وہ عمل پیرا رہی، اس سے معلوم ہوا کہ شریعتوں کا ظاہری اختلاف دراصل حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے، جبکہ اصل دین، توحید، ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، لہٰذا اے نبی ﷺ! یہ لوگ آپ سے اس معاملے میں جھگڑا نہ کریں، کیونکہ حق واضح ہو چکا ہے، آپ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں، یقیناً آپ ہی سیدھے اور مضبوط راستے پر قائم ہیں۔

وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ: اگر یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جھگڑا جاری رکھیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے، اس مختصر جملے میں نہایت گہری وعید پوشیدہ ہے، یعنی جب دلیل کے باوجود انکار باقی رہے تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا ہی حکمت ہے، کیونکہ وہی سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اختلافات کا آخری اور فیصلہ کن فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، وہی حق و باطل کو جدا کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عقیدے اور عمل کا پورا بدلہ دے گا، پس دنیا کے جھگڑے وقتی ہیں، اصل فیصلہ بارگاہِ الٰہی میں ہونا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے؟ کوئی ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اس کے علم میں ہے اور یہ سب ایک محفوظ کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج ہے، اس کے لیے یہ سب کچھ نہایت آسان ہے، یہی ہمہ گیر علم اس بات کی دلیل ہے کہ فیصلہ کا اختیار بھی اسی کے پاس ہونا چاہیے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا: اس کے باوجود یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے حق میں نہ کوئی آسمانی دلیل نازل ہوئی اور نہ ہی ان کے پاس کوئی عقلی یا نقلی علم موجود ہے، یہ محض اندھی تقلید اور وہم و گمان ہے، ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے۔

ان آیات میں واضح کیا گیا کہ شریعتوں کا اختلاف حکمتِ الٰہی کے تحت ہے، مگر اصل دین توحید ہی ہے، نبی کریم ﷺ کو استقامت کے ساتھ دعوت دینے اور بے فائدہ جھگڑوں سے بے نیاز رہنے کی تلقین کی گئی، ساتھ ہی یہ حقیقت بھی جتا دی گئی کہ تمام اختلافات کا فیصلہ اللہ کے حضور ہو گا، کیونکہ وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور جو لوگ بے دلیل معبودوں کی عبادت میں مبتلا ہیں، ان کا انجام محرومی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

قرآن مجید کے مقابلے میں کفار کا عناد اور ان کا انجام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ {۷۲} الحج

جواب ترجمہ: اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو خوب واضح ہیں تو اے مخاطب تو کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا، قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھتے ہیں، آپ فرما دیجیے کیا میں اس سے زیادہ ناگوار چیز نہ بتا دوں؟ وہ دوزخ ہے! جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ: جب اللہ تعالیٰ کی روشن اور واضح آیات ان منکرین کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے چہروں پر فوراً انکار، نفرت اور شدید ناگواری کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں، ان کے چہروں کی بگڑاہٹ، تیوریوں کا چڑھ جانا اور غصے کی کیفیت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ حق بات ان کے دلوں پر گراں گزر رہی ہے، گویا باطن میں چھپا ہوا کفر چہرے کے نقوش میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ: یہ "منکر" دراصل انکار، کراہت اور شدید ناگواری کا وہ اثر ہے جو قرآن سن کر ان کے چہروں پر چھا جاتا ہے، اہلِ ایمان کے نزدیک یہ حالت نہایت ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت ہوتی ہے، کیونکہ یہ حق سے روگردانی کی کھلی علامت ہے۔

يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا: ان کا غصہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کرنے والوں پر حملہ آور ہونے کے قریب ہو جاتے ہیں، شدتِ غیظ میں وہ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان کو نقصان پہنچائیں، کیونکہ قرآن ان کے باطل عقائد اور خود ساختہ معبودوں کو چیلنج کرتا ہے، یہ کیفیت اس بات کی دلیل ہے کہ حق جب دلائل کے ساتھ سامنے آتا ہے تو اہلِ عناد اسے برداشت نہیں کر پاتے۔

قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكُمْ: ایسے موقع پر نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان سے فرمادیں، کیا میں تمہیں اس سے بھی بدتر انجام کی خبر دوں؟ یعنی تمہارا یہ غصہ، نفرت اور مخالفت اپنی جگہ، مگر اس سے کہیں زیادہ ہولناک چیز تمہارا انجام ہے۔

النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا: وہ انجام جہنم کی آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے کر رکھا ہے، یہ سزا یقینی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ: اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے، جہاں نہ راحت ہے نہ نجات، بلکہ دائمی ذلت اور عذاب ہے۔

اس آیت میں قرآنِ مجید کے نور اور کفر کے اندھیرے کے درمیان شدید کشمکش کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، کفار کا چہرہ بگاڑنا، غصے میں آنا اور اہلِ قرآن پر حملہ کرنے کو تیار ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حق کو جان کر بھی قبول نہیں کرتے، آخر کار انہیں خبردار کیا گیا کہ ان کا اصل انجام جہنم ہے، جو ان کی تمام سرکشی اور عناد کا بدلہ ہے۔

معبودانِ باطلہ اور مکھی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ

وَالْمَطْلُوْبُ {۷۳} مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ {۷۴} الحج.

جواب ترجمہ: لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے اب اسے کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دعا مانگی جارہی ہے وہ بھی۔ لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا ہے زبردست ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ لوگو! تمہارے لیے ایک مثال بیان کی جارہی ہے اسے پوری توجہ اور انہماک سے سنو، اس پر خوب غور وخوض کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ: کہ یہ بت، یہ اصنام جن کی تم اللہ کے سوا عبادت اور پوجا کرتے ہو یہ سارے جمع ہو جائیں پھر بھی ایک مکھی پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، اگر مکھی جیسی چھوٹی سی چیز پیدا نہیں کرسکتے تو اس سے بڑی چیز کیسے پیدا کرسکتے ہیں؟

وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ: مکھی کو پیدا کرنا تو درکنار وہ اگر ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو بھی یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے، اس سے بڑھ کر بھی کوئی عاجزی اور درماندگی ہو سکتی ہے؟

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ: فیصلہ کن بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں ہی عاجز ہیں، بے بس ہیں، معبود بھی عاجز، مکھی بھی عاجز، اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا اور پرستش تم لوگ کرتے ہو وہ اس قدر عاجز اور بے بس ہیں کہ ان کے سامنے سے اگر مکھی کوئی چیز چھین کر بھاگ جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لا سکتے، مکھی بھی بے بس ہے، اس لیے ان معبودوں اور شریکوں کی کیونکر عبادت اور پوجا کی جاسکتی ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت ہے اور مطلوب سے مراد مکھی ہے اور اس کے برعکس بھی منقول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور سیاق کلام سے بھی یہی

ظاہر ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبودان باطلہ بت ہیں۔ (خازن و مدارک)

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہ کر سکے جس کا وہ حق دار ہے، کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے بعض کو شریک ٹھہرالیا، حالانکہ حقیقی تعظیم کا تقاضا یہ تھا کہ بندہ اللہ کی وحدانیت کو پہچانتا، اس کی کامل قدرت اور بے مثال عظمت کا اعتراف کرتا اور عبادت کو خالص اسی کے لیے مخصوص رکھتا، مگر مشرکین نے اس عظمتِ الٰہی کو نظر انداز کر کے کمزور اور بے بس مخلوقات کو اس کے برابر لا کھڑا کیا، جو درحقیقت اس کی شان کے سراسر خلاف ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ: بے شک اللہ تعالیٰ کامل قوت والا اور غالب ہے، اسی کی قدرت کا یہ کرشمہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان میں بسنے والی تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، وہ ایسا زبردست ہے کہ کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا، نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے، اس کی قوت مطلق ہے اور اس کی عزت غیر متناہی۔

اس کے برعکس مشرکین کے معبود نہایت کمزور، عاجز اور ذلیل ہیں، نہ وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، نہ اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کے مالک ہیں، پس جو ذات خود محتاج اور بے اختیار ہو، وہ عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے؟

آیتِ کریمہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ شرک دراصل اللہ کی عظمت کو نہ پہچاننے کا نتیجہ ہے، جو شخص اللہ کی حقیقی قدرت، قوت اور کبریائی کو سمجھ لے، وہ کبھی کسی مخلوق کو اس کا شریک نہیں ٹھہرا سکتا، لہٰذا توحید ہی وہ راستہ ہے جو اللہ کی شان کے مطابق ہے اور اسی میں بندے کی نجات مضمر ہے۔

فرشتوں اور انسانوں میں سے رسالت کا انتخاب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ {۷۶} الحج

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔

اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ: اللہ تعالیٰ اپنی کامل حکمت اور مشیت کے تحت فرشتوں میں سے بھی رسول منتخب فرماتا ہے اور انسانوں میں سے بھی، چنانچہ بعض فرشتے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور انسانوں میں سے برگزیدہ ہستیاں اللہ کا پیغام لے کر لوگوں کی طرف بھیجی جاتی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور یہ بھی خوب دیکھنے والا ہے کہ رسالت کے منصب کے لیے کون زیادہ موزوں اور لائق ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں، خواہ وہ فرشتوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، کے تمام احوال کو خوب جانتا ہے، ان کے ماضی، حال اور مستقبل سے پوری طرح واقف ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ: اور آخر کار تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، قیامت کے دن وہی اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ فرمائے گا، اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ رسالت کا انتخاب، وحی کا نزول اور انجامِ کار، سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے، لہٰذا بندے کو اسی کے حضور جواب دہی کا احساس رکھتے ہوئے اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔

عبادت کاملہ اور خدمت خلق

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

{۷۷} الحج

جواب ترجمہ: اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو، یہ خطاب خاص طور پر رسولِ اکرم ﷺ کے پیروکاروں کے لیے ہے، کیونکہ اصل ذمہ داری وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو ایمان لا چکے ہوں، نماز کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا، اس لیے کہ یہ ہر دین کا ستون اور بندگی کا سب سے نمایاں مظہر ہے، رکوع اور سجدہ کو بطورِ خاص بیان کرنا اس لیے ہے کہ یہی وہ افعال ہیں جن میں بندہ اپنے رب کے حضور کامل عجز و نیاز کے ساتھ جھک جاتا ہے اور یہی نماز کی روح اور اس کا ظاہری و باطنی کمال ہیں۔

وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ: اور اپنے رب کی عبادت کرو، یعنی صرف نماز ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کی بندگی اختیار کرو، عبادت کا مفہوم وسیع ہے، جس میں روزہ، زکوٰۃ، حج، نذر و کفارات اور ہر وہ عمل شامل ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے، یوں ایک مومن کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد اللہ کی خوشنودی اور مخلوق کی بھلائی ہو۔

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ: اور نیکی کے کام کرتے رہو، یہ حکم عام اور ہمہ گیر ہے، جس میں ہر وہ عمل داخل ہے جو انسانوں کے لیے نفع بخش ہو، خواہ وہ مالی مدد ہو، اخلاقی حسنِ سلوک ہو، یا کسی بھی صورت میں بھلائی پہنچانا ہو، نیکی کی قدر اس کے نفع کے مطابق بڑھتی ہے، جتنا زیادہ فائدہ اور جتنا وسیع دائرہ، اتنا ہی بڑا اجر۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ: تاکہ تم فلاح پا جاؤ، یعنی دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی حاصل کرو، یہ فلاح اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب بندہ اپنی ذات کو عبادت کے ذریعے پاک کرے اور پھر معاشرے کے لیے خیر و بھلائی کا ذریعہ بنے، گویا اس آیت میں پہلے باطن کی اصلاح (عبادت) اور پھر ظاہر کی اصلاح (خدمتِ خلق) کا جامع نظام پیش کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں ایک مثالی فرد اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اِشاعتِ اسلام

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ {۷۸} الحج.

جواب ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کرلیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لیے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لیے گواہ بنو۔ لہٰذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو، کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ تم لوگ راہ حق میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے، اللہ کے دین کی اشاعت وترویج وتشہیر کے لیے اس طرح میدان عمل میں کود پڑو جس طرح اس کا حق ہے، پورے طریقے سے اللہ کے اوامر کے نفاذ کے لیے کوشش کرو، اللہ کی مخلوق کو اس کے راستے کی طرف دعوت دو، اپنی جانوں، اپنے مالوں، اپنی زبانوں کے ساتھ اللہ کے دین کی محنت کرو، اپنی نیتوں کو درست رکھو، اپنے دلوں اور اپنے جوارح کو اللہ کے مطیع اور تابعدار بناؤ، یہ غور کرو کہ اللہ ہی نے تمہیں اس دین کے لیے چن لیا ہے، اس کا یہ کس قدر احسان ہے کہ اس نے تمہیں دین اسلام کی دولت سے نوازا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ: یہ ایسا دین ہے کہ اس میں کوئی تنگی اور ضیق نہیں ہے، اس کے احکامات بالکل سیدھے سادہ ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی تکلف اور تصنع نہیں ہے، اس دین کے

احکامات میں کسی قسم کی سختی اور شدت نہیں ہے، جیسے بعض سابقہ ادیان میں شدت اور سختیاں ہوا کرتی تھیں۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا: یہ دین، یہ ملت بیضا تو تمہارے ابا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، انہی نے تمہارا نام سابقہ آسمانی کتابوں میں مسلمین رکھا ہے، تمہارے پاس جو کتاب قرآن کریم کی شکل میں موجود ہے اس میں جو تمہارا نام مسلمین ہے یہ انہی کا عطا کردہ ہے، اس اختیار و پسندیدگی کے ساتھ انہوں نے تمہیں خاص کیا ہے۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ: تاکہ حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بنیں کہ انہوں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور تم سابقہ امتوں پر گواہ بنو کہ ان کے رسولوں نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب میں اطلاع دی ہے۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ: اس لیے تم پر لازم ہے کہ اس نعمت کو پہچانو، اس کی قدر و منزلت کو پہچانو، اس پر ادائے شکر کرو، اللہ تعالیٰ کے دین کے معالم و نشانیوں کی حفاظت کرو، یعنی نماز کو اس کے ارکان، اس کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرو، جو زکوٰۃ تم پر فرض ہے وہ ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اسی پر بھروسہ رکھو۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ: وہ ان لوگوں کا بہترین دوست ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور وہ بہترین مددگار ہے ان لوگون کا جو اس سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں۔

الحمدللہ، آج سورۃ الحج کے اضافات پایہ تکمیل کو پہنچے، اللہ تعالیٰ ان ربانی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے، اس عظیم الشان کتاب کی متواضع تفسیر کو ہماری نجات و فلاح کا ذریعہ بنائے، ہمارے لیے، ہمارے معاونین و مساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور)

۲۳ اپریل ۲۰۲۶ء۔ ۵ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ، بروز جمعرات، ساڑھے تین بجے شب